مفتی محمد سعید نمبر

جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز

ماہنامہ

شیرازہ

سرینگر، کشمیر

جلد: ۵۴	مفتی محمد سعید نمبر	شمارہ: ۱۱۔۱۲

جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز

ناشر : سیکریٹری، جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز

کمپیوٹر کمپوزنگ: عادل کمپیوٹرس، سرینگر

قیمت : مجلّد ۱۰۰/روپے، پیپر کور ۸۰/روپے

سَرورق ڈیزائننگ: امتیاز شرقی

☆......خط وکتابت کا پتہ:

محمد اشرف ٹاک

مدیراعلیٰ "شیرازہ" اُردو

sheeraza2015@gmail.com

جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز

سرینگر / جموں

فہرست

***

پیشِ گفتار

جموں و کشمیر ملک کی ان چند ریاستوں میں سے ایک ہے جو رنگا رنگ اور وسیع تر تمدن و ثقافت سے مالا مال ہیں۔ ریاست کا تمدن فی نفسہٖ یکتا و منفرد ہے جس کی بنیاد پر ہماری ریاست ایشاء میں الگ پہچان اور شناخت کی حامل ہے۔ ہماری ثقافت و تمدن کے اندر بہت سے رسوم و رواج ایسے ہیں جو کشمیر کی پانچ ہزار سال پر مشتمل طویل تاریخی منظر نامے کا احاطہ کرتے ہیں۔ جموں و کشمیر کی ثقافت بلاشبہ متنوع ثقافتی و تمدنی دونوں مقامی و غیر مقامی طور طریقوں کا ایک دلکش گلدستہ ہے جو بیرونی دنیا سے سیر و سیاحت، تجارتی نقل و حمل اور مذہبی سرگرمیوں کے ذریعے سے ہمارے ہاں وارد ہو چکے ہیں۔ ہماری ریاست کے یہ مختلف النوع ثقافتی طور طریقے متنوع تہذیبوں و ثقافتوں پر دائمی اثرات مرتب کر رہے ہیں۔

ایک طرف جس زمانے میں دنیا کے باقی معاشرے اور سماج فوجی نبرد آزمائی اور چھینا جھپٹی کے ذریعے علاقوں کے علاقے فتح کر کے ترقی حاصل کرنے میں مصروف تھے تو دوسری طرف ہم نے عقل و شعور کی بنیاد پر روحانی فلسفے اور دینی تعلیمات کو سینے سے لگایا جن میں خیر و احسان، صبر و ضبط اور تحمل و برداشت کا درس نمایاں اور غالب تھا۔ سینکڑوں سال کے تاریخی سفر میں کشمیر کی تہذیب و ثقافت، بالخصوص کئی بیرونی تہذیبوں و ثقافتوں جیسے مشرق وسطیٰ، یورپ اور مغلوں سے اثر انداز اور متاثر رہی ہے۔ مہمان نوازی ہماری ثقافت کا طرۂ امتیاز رہا ہے جو ملک اور بیرون ملک سے لوگوں کو کھینچ کھینچ کر اپنی طرف لا رہی ہے۔ شومئی قسمت کہ تابناک تاریخ اور منفرد و رنگا رنگ ثقافت و تمدن ہونے کے باوصف ہنوز

ہمارے ہاں کوئی سرکاری ثقافتی پالیسی مرتب نہیں ہوسکی اور جب وہ وقت آن پہنچا ہے کہ سرکاری سطح پر ریاست کی ثقافتی پالیسی اختیار کرنے کا اعلان ہوا تو جموں و کشمیر کو ثقافت شناس وزیر اعلیٰ سے محروم ہونا پڑا۔ مفتی محمد سعید جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز کے صدر کی حیثیت سے ریاست کے ثقافت و تمدن کو ترجیحی بنیادوں پر ترویج و ترقی دینے کا ارادہ رکھتے تھے۔ جموں و کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز کے سیکرٹری کی حیثیت سے راقم مفتی صاحب کا ریاست کی ثقافت اور تمدن کے تئیں بے حد شوق اور گہری دلچسپی رکھنے کا عینی گواہ ہے۔ آپ ریاست کے ثقافتی میدان میں انقلابی تبدیلیاں اور اسے بلندیوں پر پہنچانے کا جذبہ رکھتے تھے تاکہ اس کے تئیں ہماری روایتی سوچ میں بدلاؤلایا جائے۔ ریاست کی ثقافت و تمدن کے حوالے سے آپ کا جوش و خروش، مجھے اکیڈیمی کے بانی (مرحوم) بخشی غلام محمد کی یاد دلاتا ہے جس نے ثقافت کو کشمیر کے روزمرہ معمولات کا حصہ بنادیا تھا۔

اکیڈیمی کے صدر کی حیثیت سے مفتی محمد سعید ریاست کے روحانی اور ثقافتی اقدار کا ازسرنو احیاء کرنے اور فوک لور روایات کو صحیح اور دُرست سمت بخشنے کے خواہاں تھے۔ آپ کشمیر میں ایک صوفیانہ اور لوک ورثہ اسکول قائم کرنے کا ارداہ رکھتے تھے جس کا تذکرہ آپ نے کئی بار سرینگر کے ٹیگور ہال اور جموں کے ابھینو تھیٹر میں اپنی تقریروں میں کیا۔ یہ اس بات کا عکاس ہے کہ آپ جموں و کشمیر میں ثقافتی احیاء کا خواب اپنی آنکھوں میں سجائے ہوئے تھے۔ ہماری ملاقاتوں کے دوران آپ اکثر و بیشتر اس بات کو دہراتے تھے کہ ایک منظم پروگرام اور مسلسل کوشش کے ذریعے ریاست کے ہونہار قلمکاروں اور فن کاروں کی نشاندہی ہونی چاہیئے تاکہ انہیں کیریئر کی ابتداء میں ہی تربیت اور دیگر سہولیات بہم پہنچائی جائیں جس سے وہ اپنے اپنے شعبوں میں بہتر سے بہتر انداز میں کارکردگی کا مظاہرہ کر

سکیں۔ان کے لئے پروگراموں کا انعقاد، جدید دور کی تکنیکی سہولیات کی فراہمی اوران کی حوصلہ افزائی کے لئے انعامی مقابلوں کا اہتمام کیا جانا چاہئے۔ جیسا کہ ہم سب اس حقیقت سے آشنا ہیں کہ تہذیب، ثقافت وتمدن اور رسوم وروایات سماجی سطح پر زندہ رہتے ہیں لیکن یہ ایک امر واقعہ ہے کہ مارچ 2015ء میں مفتی محمد سعید کے اقتدار میں آنے کے دن سے ہی ارتقاء وترویج کا عمل شروع ہوگیا تھا۔ جہاں آپ ریاست کی ثقافت کی احیاء کے داعی تھے وہیں آپ تعلیم اور ثقافت کا قریبی ربط وتعلق پیدا کرانے کے خواہشمند تھے۔ اسکولوں اور کالجوں میں ثقافتی پروگراموں کے انعقاد کے ذریعے نئی نسل میں ٹیلنٹ کو تلاشنے کی تاکید کیا کرتے تھے۔آپ ذاتی طور تعلیمی شعبے میں ایسے اقدامات کرنے کے حق میں تھے جن کی وساطت سے ریاست میں ثقافت وتمدن کی ترویج وترقی کو یقینی بنایا جاسکتا۔ اپنی خرابیٔ صحت سے پہلے آپ نے اکیڈیمی کے ایگزیکیٹو بورڈ، سینٹرل کمیٹی اور جنرل کونسل کے ساتھ ایک میٹنگ طے کرلی تھی جس کے لئے باضابط طور تاریخ بھی مقرر ہوچکی تھی۔ لیکن اچانک صحت بگڑ جانے اور علاج ومعالجہ کے لئے ہسپتال منتقل ہونے کی وجہ سے یہ میٹنگ مقررہ تاریخ پر منعقد نہیں کی جاسکی۔ مذکورہ میٹنگ سے ریاستی ثقافت کے احیاء کے لئے انقلابی اقدامات کی امید تھی اور ساتھ ہی ٹھوس اور وسیع بنیادوں پر ریاست کے لئے ایک کلچرل پالیسی وضع کئے جانے کی کے لئے راہ ہموار ہورہی تھی۔

آپ ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔آپ عوام الناس کو درپیش مسائل اور مشکلات سے اچھی طرح واقف تھے اور عوام کے لئے درد مند دِل رکھتے تھے۔آپ سماج کے ہر شعبے میں مثبت تبدیلیاں لانے کا عزم رکھتے تھے۔ چاہے وہ تعلیم وتربیت، معیشت ومعاشرت، سیاست وسماجیات، تہذیب وتمدن، ثقافت وروایات یا علوم وفنون کے شعبہ جات ہوں۔علی الخصوص، ریاست میں گیت سنگیت اور فنون لطیفہ

کے مخدوش مستقبل کے حوالہ سے آپ بار بار یہ حقیقت دہراتے تھے کہ ریاست کے فنکاروں کی حالت ناگفتہ بہہ ہے۔

شہر سرینگر کو ثقافتی اور تمدنی لحاظ سے وادی کے مرکزی مقام کا درجہ حاصل ہے۔ مفتی محمد سعید اس شہر کو ملک کا ثقافتی مرکز بنانا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اکتوبر 2015 میں سرینگر میں ٹیگور ہال کی رسمِ افتتاح پر آپ نے اپنی تقریر میں کہا کہ اس ہال میں سال بھر ثقافتی پروگرام اور سرگرمیاں جاری رہنی چاہیں تاکہ فنکاروں اور فنونِ لطیفہ سے شغف رکھنے والے لوگ اس تفریحی آڈیٹوریم کی طرف راغب ہو جائیں۔ ٹیگور ہال کے افتتاح کے ساتھ ہی آپ کی ہدایات پر ریاست کی ثقافت سے منسلک دیگر اثاثہ جات جیسے ابھینو تھیٹر جموں اور کتاب گھر سرینگر کو بھی برسوں بند رہنے کے بعد تجدید کاری اور مرمت کے بعد عوام کے نام وقف کر دیا گیا۔ ان ثقافتی مراکز کو تمدنی سرگرمیاں انجام دینے کے قابل بنانے کا کام آپ نے حکومت کی زمامِ کار سنبھالنے کے بعد صرف آٹھ مہینوں کے اندر ممکن بنا دیا۔ آپ کو اجل نے مزید فرصت نہیں دی اور آپ الٰہی ضابطے کے تحت آخری منزل کی طرف چل پڑے۔ آپ کی غیر موجودگی کا احساس دن بہ دن بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ بالعموم، عوام کے تئیں خیر خواہانہ جذبہ رکھنے کے حوالہ سے آپ کی کمی محسوس کی جا رہی ہے اور علی الخصوص، فن و فن کاروں کے ساتھ ہمدردی رکھنے کے حوالہ سے آپ کی کمی شدّت سے محسوس ہو رہی ہے۔ بہر حال، ایک تہذیب شناس اور ثقافت دوست سیاسی رہنما اور سربراہِ ریاست سے ہم محروم ہو گئے ہیں جن کی سربراہی اور رہنمائی میں اکیڈیمی اور ریاست کی ثقافت کو ترقی کی منزلوں پر لے جانے کے لئے ہم نے رختِ سفر باندلیا تھا اور ابھی سفر کی ابتدا ہوئی تھی کہ رہنماء ہی ہم سے رخصت ہو گئے۔ لیکن باری تعالیٰ کی مرضی کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا ہی پڑتا ہے۔ اُنہوں نے ثقافتی احیا اور اس حوالے سے جو خواب

دیکھے ہیں اُن کی تعبیر کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے اور اِسے پورا کرنا ہمارا فرضِ عین ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مفتی صاحب کو خراج عقیدت ادا کرنے کا عملی اور اصلی طریقہ اُن کے مشن کو آگے بڑھانا ہے۔ اسی جذبے کے تحت ۳/اکتوبر ۲۰۱۶ء کو اکیڈیمی کی نوتشکیل سنٹرل کمیٹی کی میٹنگ منعقد ہوئی جس میں مفتی صاحب کے اُس خواب کو عملی شکل دینے کے لئے باضابطہ فیصلہ لیا گیا جو اُنہوں نے یہاں کی روحانی اور تہذیبی قدروں کے احیاء کے لئے ایک صوفیانہ اور لوک ورثہ سکول قائم کرنے کی صورت میں دیکھا تھا۔ اس ضمن میں عزت مآب وزیر خزانہ و ثقافت کی سربراہی میں اعلیٰ کمیٹی بھی تشکیل پا چکی ہے جو اس اہم تہذیبی اور تمدنی ادارے کے خدوخال طے کرے گی۔ چند روز قبل جموں میں اکیڈیمی کی جنرل کونسل کی میٹنگ بھی زائد از تین دہائیوں کے طویل عرصے کے بعد منعقد ہوئی جس میں اکیڈیمی کی جانب سے تیار کئے گئے کلچرل پالیسی مسودے کو اپنانے کے لئے ممبران سے رائے لینے کے بعد اسے عوامی ردعمل کے لئے مشتہر کیا گیا تاکہ ثقافت شناس لوگوں کی رائے جاننے کے بعد اسے باضابطہ طور پر سرکاری سطح پر ایک پالیسی کے طور پر اپنایا جائے۔

مفتی محمد سعید کی زندگی اور کارناموں سے متعلق اُردو شیرازہ کا خصوصی شمارہ آپ کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے ہم سبکباری کے احساس سے سرشار ہیں۔ اس سلسلے کو آگے بھی وسعت دی جاسکتی ہے کیونکہ اُن پر ابھی بہت کچھ لکھا جانا باقی ہے۔ اس موقعہ پر میں فاضل مضمون نگاروں اور اس اشاعت سے وابستہ اکیڈیمی کے اردو شعبے کے عملے اور دیگر متعلقین کو مبارکباد پیش کرتا ہوں جنہوں نے ایک وسیع سلسلے کی اچھی ابتداء کی ہے۔

☆......عزیز حاجنی

☆☆☆

حرفِ آغاز

سابق وزیراعلیٰ اور اکادمی کے صدر مفتی محمد سعید پر شیرازہ کی اشاعتِ خصوصی آپ کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے ہم ایک اہم ذمہ داری سے سبکبار ہونے کی مسرّت حاصل ہورہی ہے۔ اکیڈیمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز کی آئینی ذمہ داریوں میں یہ بات شامل ہے کہ وہ ریاست کی سرکردہ، مایہ ناز اور نامور شخصیات پر خصوصی اشاعتوں کا اہتمام کرے جن میں اقلیمِ ثقافت وسیاست کے شاہسوار بھی شامل ہیں۔ اِن آئینی ذمہ داریوں کی پاسداری میں اکیڈیمی نے گزشتہ نصف صدی کے دوران بیسیوں خصوصی اشاعتوں کا اہتمام کیا ہے جو عالموں، فاضلوں، مؤرخوں اور طلبہ کے لئے بڑے ہی کارآمد ثابت ہوئے ہیں اور عام حلقوں نے بھی اِن سے کسبِ فیض کیا۔ دستاویزی نوعیت کی حامل یہ خصوصی اشاعتیں تواریخ کا حصّہ بن چکی ہیں جن کا حوالہ جات کے لئے استفادہ کیا جاتا ہے۔ مشاہدہ ہے کہ ادب، ثقافت اور فن کو فروغ دینے کے مقصد سے اکیڈیمی کے اکثر صدور صاحبان اکیڈیمی کے معاملات میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں اور ادارے کو آگے لے جانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ اکیڈیمی کے بانی صدر بخشی غلام محمد کی ثقافت پروری اور ادب نوازی زبان زدِ عام ہے۔ شیخ محمد عبداللہ، مرحوم نے اپنے دَورِ اقتدار میں اکیڈیمی کی دیکھ ریکھ اور اس کے خدوخال سنوارنے کی بھرپور کوششیں کیں۔ اُس دَور میں ملک اور بیرونِ ملک ثقافتی وفود کا تبادلہ ہوا اور ادارے کی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں وُسعت لائی گئی۔ مفتی محمد سعید نے بھی بطور وزیراعلیٰ اور صدر اکیڈیمی، ادارے کے معاملات میں بھرپور دلچسپی لی۔

سری نگر کا ٹیگور ہال اور جموں کا ابھینو تھیٹر علمی ، ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں کے مراکز ہونے کے باوجود برسوں سے بند پڑے تھے لیکن مفتی صاحب کی ذاتی دلچسپی اور پیہم کوششوں کے باعث یہ مراکز پھر سے اِن سرگرمیوں کے لئے وقف کر دیئے گئے۔ اکیڈیمی کے پالیسی ساز اداروں کو نئے سِرے سے منظّم اور متحرک کیا گیا اور ثقافتی احیائے نو کے لئے بھرپور کوششیں کی گئیں۔ افسوس کہ وہ اُس وقت اِس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے جب اُن کی کوششیں رنگ لانے لگی تھیں اور کارواں پھر سے رفتار پکڑنے لگا تھا۔ مفتی صاحب کی وفات کے فوراً بعد اُن کی ثقافت پروری کے جذبے اور اُن کی حیات اور کارناموں کا مقدور بھر جائزہ لینے کے لئے شیرازہ کی اشاعتِ خصوصی ترتیب دے کر شائع کرنے کا فیصلہ لیا گیا لیکن ساتھ ہی ہمیں بعض نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑا اور معاملات اُس انداز سے آگے نہیں بڑھ پائے جس طرح اُن کی منصوبہ بندی کی گئی تھی۔ اِس بات کا تذکرہ یہاں پر ضروری بن جاتا ہے کہ اس سے قبل اکیڈیمی کے تین صدور صاحبان پر خصوصی اشاعتوں کا اہتمام کیا گیا جن میں بخشی غلام محمد، شیخ محمد عبداللہ اور غلام محمد صادق شامل ہیں۔

مفتی صاحب گاہے گاہے اکیڈیمی کی تقریبات میں شامل ہوتے تھے۔ ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ آج سے کئی برس قبل ٹیگور ہال میں منعقدہ تقریب میں مفتی صاحب نے بذاتِ خود بھارت رتن اُستاد بسم اللہ خان کی اَگوائی کی اور اُن کی اعزاز پوشی بھی کی۔ مفتی صاحب نے بطور وزیر اعلیٰ گُلمرگ میں کلامِ مہجور پر مبنی موسیقی کی ایک شاندار محفل آراستہ کروائی، محفل کے اختتام تک وہاں بہ نفسِ نفیس موجود رہے، بعد میں فنکاروں کو اپنے تحسین آمیز کلمات سے نوازا اور اُن کے اعزاز میں دعوت کا اہتمام کیا۔ اِسی طرح ابھینو تھیٹر جموں میں ملک اور بیرونِ ملک کے صوفیانہ فنکاروں کو سُننے کے لئے وہ کئی گھنٹے بڑے ہی انہماک سے اَپنی نشست پر تشریف فرما رہے اور بعد میں فنکاروں کی حوصلہ افزائی بھی کی۔

ایسی ہی متعدد مجلسوں میں شریک ہونے کے ساتھ ساتھ وہ علمی اور ادبی تصانیف سے بھی اپنی دلچسپی کا اظہار کرتے۔ اپریل 2005ء میں جب سری نگر۔ مظفر آباد بس سروس کا آغاز کیا گیا تو اکیڈیمی نے ایس کے آئی سی میں ایک رنگا رنگ ثقافتی پروگرام کا اہتمام کیا۔ مفتی صاحب پوری تقریب کے دوران وہاں موجود رہے اور فنکاروں سے فرداً فرداً ملے۔

مفتی صاحب کو نہ صرف ریاست بلکہ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ایک پُر مغز اور باوقار سیاستدان کے طور پر جانا جاتا ہے۔ نصف صدی تک وہ کشمیر کی سیاست پر چھائے رہے اور اپنی مقبولیت کے گراف کو آسمان تک لے جانے میں کامیاب ہوئے۔ انہوں نے ریاست میں امن، خوشحالی، ترقی اور وقار کے لئے جنگ لڑی۔ وہ ریاست کی سیاست کے اسرار ورموز سے واقف تھے۔ حالات وواقعات گواہ ہیں کہ قومی دَھارے کی سیاست میں رہتے ہوئے انہوں نے اپنے لئے منفرد شناخت قائم کی۔ بظاہر یہ بات جتنی سہل نظر آتی ہے حقیقتاً یہ اتنی ہی مُشکل ہے کیونکہ یہاں کے روایتی نظام کے ساتھ ایسے لوگ جُڑے رہے جنہوں نے شخصی نظام کے خلاف لڑائی لڑی اور 1947ء کے بعد ریاستی عوام کی رہنمائی کی اور ساتھ ہی ریاستی عوام کی سیاسی امنگوں اور اِس قبیل کے دیگر معاملات کو بھی ساتھ لے کر چلتے رہے۔ مفتی صاحب کی سیاسی فکر ودانش نے وہ کر کے دِکھایا جس کا آج سے بیس پچیس سال قبل تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ مفتی صاحب کے نظریات واضح تھے۔ اُن کے نظریات میں وقت کے سرد وگرم کے باوجود بدلاو نہیں آیا۔ وہ بہت سوچ سمجھ کے بولتے تھے اور جو کہتے تھے اُس کی شاید ہی اُنہوں نے کبھی تردید کی ہو۔ مفتی صاحب کی ذاتی دیانت اور شرافت شک وشُبہ سے بالاتر تھی جس کا اُن کے کٹر نکتہ چینوں کو بھی اعتراف ہے۔

وہ جمہوری سیاست میں یقین رکھتے تھے اور ریاست میں جمہوری مقابلہ آرائی کو پروان

چڑھانے میں کافی سرگرم رہے۔ مرحوم لیڈر وسیع سیاسی بصیرت اور تجربہ رکھتے تھے اور اُن کے چلے جانے سے کشمیر کی سیاست کا ایک اہم باب اپنے اختتام کو پہنچا۔

ہمیں اِس بات کا احساس ہے کہ زیرِ نظر اشاعت خصوصی کو کئی لحاظ سے اور بھی وُسعت دی جاسکتی تھی لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اِس سلسلے کی ابتداء ہوگئی ہے اور یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔ زیرِ نظر شمارے میں بعض مقامات پر خیالات کی تکرار مشاہدے میں آتی ہے۔ جب کسی بڑی شخصیت کے بارے میں خصوصی اشاعتوں کا اہتمام کیا جاتا ہے تو ایسا ہونا لازمی ہے جس سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی بعض مضامین کا اُن کی اہمیت اور افادیت کے پیشِ نظر ترجمہ بھی کروانا پڑا۔

ادارہ تمام فاضل مقالہ نگاروں کا بے حد ممنون ہے جنھوں نے ہماری درخواست کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے ہمیں اپنی عنایات سے نوازا۔ بعض مقالہ نگاروں نے شاید عدیم الفرصتی کے باعث وعدۂ فردا ہی سے ہی کام لیا۔ سیکریٹری اکیڈیمی ڈاکٹر عزیز حاجنی ہماری راہنمائی کرتے رہے۔ اُن کا شکریہ واجب ہے۔ شیرازہ اردو سے وابستہ عملہ بھی شاباشی کا مستحق ہے جنھوں نے اِس اہم اور باوقار پروجیکٹ کی تکمیل میں اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لایا اور بعض مشکلات کے باوجود اِسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

☆......محمد اشرف ٹاک

☆☆☆

☆......عادل اسماعیل

مفتی محمد سعید: سوانحی خاکہ
1936ء تا 2016ء

نام	:	مفتی محمد سعید
تاریخ پیدائش	:	12/جنوری 1936ء
جائے پیدائش	:	بابا محلّہ بجبہاڑہ، اننت ناگ، کشمیر
والد	:	مفتی غلام محمد
والدہ	:	عائشہ
اہلیہ	:	گلشن آرا
بیٹیاں	:	محبوبہ مفتی، محمودہ سعید، ڈاکٹر ربیعہ سعید۔
بیٹا	:	مفتی تصدق
وفات		7جنوری 2016

سیاسی زندگی کا مختصر خاکہ

*...... 12/جنوری 1936ء کو بابا محلّہ بیجبہاڑہ اننت ناگ میں پیدا ہوئے۔

*...... ابتدائی تعلیم مقامی اسکولوں میں پائی، گریجویشن کی تکمیل ایس پی کالج سرینگر سے کی۔

*...... علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے قانون اور عربی کی ڈگریاں حاصل کیں۔

*...... اننت ناگ کی عدالت میں وکالت شروع کی پھر سیاست میں آئے۔

*...... 1950ء میں پیارے لعل ہنڈو کے زیر اثر آئے۔

*...... پھر جی ایم صادق، ڈی پی دھر، سید میر قاسم اور جی ایل، ڈوگرہ کے شاگرد بنے۔

* ...... 1962ء میں بجبہاڑہ اسمبلی حلقہ سے کامیابی حاصل کی۔
* ...... 1967ء میں اسی حلقے سے جیت درج کی اور ڈپٹی منسٹر بنے۔
* ...... 1971ء میں غلام محمد صادق کی حکومت میں وزیر مملکت بنے۔
* ...... 1972ء میں میر قاسم کی سرکار میں کابینی وزیر بنے۔
* ...... 1975ء میں ریاستی کانگریس کے صدر اور اسمبلی میں پارٹی قائد بنے۔
* ...... 1986ء میں مرکزی وزیر برائے سیاحت وشہری ہوابازی بنائے گئے۔
* ...... 1987ء میں راجیو فاروق اریکارڈ پر کانگریس پارٹی اور مرکزی وزارت سے احتجاجاً مستعفی ہوگئے۔
* ...... 1987ء میں وی پی سنگھ کی سربراہی والی جن مورچہ پارٹی میں شمولیت اختیار کرلی۔
* ...... 1989ء میں مظفر نگر اتر پردیش میں لوک سبھا انتخابات میں جیت درج کرلی۔
* ...... 1989ء میں وی پی سنگھ سرکار میں مرکزی وزیر داخلہ بنائے گئے۔
* ...... 1996ء میں پھر کانگریس میں شامل ہوئے۔
* ...... 1998ء میں کانگریس کو خیر باد کہہ دیا۔
* ...... 1998ء کے عام انتخابات میں اننت ناگ کی لوک سبھا نشست پر جیت حاصل کرلی۔
* ...... 1999ء میں پی وی نرسمہاراو کی سربراہی میں دوبارہ کانگریس میں شمولیت اختیار کرلی۔
* ...... 1999ء میں پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی کی داغ بیل ڈالی۔
* ...... 2 رنومبر 2002ء کو پہلی مرتبہ جموں وکشمیر کے چیف منسٹر منتخب ہوئے۔
* ...... 2002ء سے 2005ء تک جموں وکشمیر کے چیف منسٹر رہے اور اس دور میں بڑی سیاسی کامیابیاں حاصل کیں۔
* ...... 2014ء کے اسمبلی انتخابات میں پی ڈی پی نے اکثریت حاصل کی۔
* ...... 2014ء بی جے پی اور پی ڈی پی میں مفاہمت۔
* ...... یکم مارچ 2015ء کو دوسری مرتبہ چیف منسٹر کا عہدہ سنبھالا۔
* ...... 2002ء سے 2015ء تک ریاست کی سیاست میں چھائے رہے
* ...... 24 ردسمبر 2015 کو علاج ومعالجہ کے لئے ایمز میں داخل کیا گیا۔
* ...... 7 رجنوری 2016ء کو صبح 7 بج کر 30 منٹ پر 79 سال کی عمر میں آل انڈیا انسٹی چیوٹ میڈیکل سائنس نئی دہلی میں آخری سانس لی۔

☆☆☆

ملاقات۔۔۔محترمہ محبوبہ مفتی سے

[مفتی محمد سعید کی وفات کے کچھ عرصہ بعد اکیڈیمی نے کی ان حیات اور کارناموں کو اجاگر کرنے کے لئے اردو اور انگریزی شیرازہ کے خصوصی نمبرات شایع کرنے کا فیصلہ لیا۔ اس اہم اور تاریخی کام کو در دست لے کر طے ہوا کہ ان کے قریبی رفقاء، معاصرین اور اہل علم و دانش سے مضامین، مقالات اور تاثرات حاصل کر کے ان خصوصی شماروں کو بہتر سے بہتر طریقے پر منظر عام لانے کی کوشش کی جائے گی۔ مفتی صاحب کی گفت وشنید اور نشست و برخاست قد آور سیاسی لیڈروں، مقتدر سماجی، علمی اور دیگر شخصیات کے ساتھ پچاس برس تک رہی ہے۔ مفتی صاحب ایک ہمہ پہلو شخصیت کے مالک تھے اور ان کی نجی اور ذاتی زندگی کے بھی کئی پہلو تھے جن کے بارے میں عام لوگوں کو بہت کم معلومات حاصل ہیں۔ اِن تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنے کے لئے یہ طے پایا کہ مفتی صاحب کی قریبی معتمد اور دُختر محترمہ محبوبہ مفتی کے ساتھ ایک ملاقات کا اہتمام کیا جائے تا کہ اِن پہلوؤں پر اُن کے خیالات سے آگاہی حاصل کی جاسکے۔ چنانچہ ملاقات کے لئے وقت طے کیا گیا اور سیکریٹری اکیڈیمی ڈاکٹر عزیز حاجنی نے وزیر اعلیٰ کی سرکاری رہائش گاہ پر محترمہ محبوبہ مفتی سے مفتی صاحب کی حیات اور نظریات کے بعض پہلوؤں کو اُجاگر کرنے کے لئے گفتگو کی اور بعض سوالات کئے۔ اس گفتگو کا خلاصہ ذیل میں نذرِ قارئین ہے۔] (ادارہ)

سوال: آپ کو بچپن سے ہی مفتی صاحب کی قربت میں رہنے کا شرف حاصل رہا ہے۔ آپ بحیثیتِ والد کیسے دیکھتی ہیں؟

جواب: یہ صحیح ہے کہ میں نے زیادہ وقت ان کے ساتھ گزارا ہے اور میں ان کے

بہت قریب رہی ہوں۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ رہی کہ وہ ہر ایک شخص کے متعلق بڑے فکرمند رہتے تھے۔ جیسے، ہم تین بھائی بہن ہیں، وہ ہم سب کا الگ الگ سے خیال رکھتے تھے۔ میری یہ خوش نصیبی رہی ہے کہ میں اپنے بھائی بہنوں سے زیادہ اپنے والد کے قریب رہی۔ سیاست میں قدم رکھنے کی وجہ سے میری ذہنی ہم آہنگی والد صاحب کے ساتھ زیادہ رہی۔ اکثر و بیشتر ہم بتائے بغیر بھی ایک دوسرے کا مافی الضمیر سمجھتے تھے اور ایک جیسا سوچتے بھی تھے۔ کبھی کبھار آپس میں اختلاف بھی کرتے تھے۔ مفتی صاحب کی بات ہمیشہ صحیح ہوتی تھی۔ اکثر کچھ عرصے کے بعد مجھے یہ احساس ہوتا تھا کہ مفتی صاحب کا موقف صحیح ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ ہمارے مابین باپ اور بیٹی سے زیادہ ایک لیڈر اور معتمد کا رشتہ تھا۔ شاید اسی وجہ سے ہم ایک دوسرے کی بات آسانی سے سمجھتے تھے۔

سوال: کیا آپ نے مفتی صاحب سے متاثر ہو کر سیاست میں قدم رکھا ہے؟

جواب: Inspiration کی کوئی بات نہیں تھی بلکہ اس وقت ایک مجبوری تھی، جب 1996ء میں کشمیر میں اسمبلی انتخابات ہونے والے تھے تو مفتی صاحب واپس کانگریس میں آگئے تھے اور انتخابات کے لئے امیدواروں کو نامزد کر رہے تھے۔ اس عرصے میں کئی علاقے ملی ٹینسی کی زد میں آگئے تھے۔ بجبہاڑہ کا علاقہ حساس ہونے کی وجہ سے ہمارے سینئر کارکنوں میں سے کوئی الیکشن لڑنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ اس وقت بہت خوف و ہراس کا ماحول تھا۔ مفتی صاحب کے قریبی ساتھی چاہتے تھے کہ مفتی تصدق الیکشن لڑیں۔ کیونکہ یہ مفتی صاحب کا Home Town تھا۔ مگر تصدق کی عمر اُس وقت بہت کم تھی اس لئے وہ الیکشن نہیں لڑ سکتے تھے۔ کسی نے قرعہ فال میرے نام پر ڈالا جب کہ میں ذہنی طور پر اس کے لئے تیار نہیں تھی۔ مجبوراً مجھے ہاں کہنا پڑا اور اس طرح اتفاقاً میرے سیاسی کیریئر کا آغاز ہوا۔

سوال:　بحیثیت وزیر اعلیٰ آپ مفتی صاحب کے خوابوں کی تعبیر کے لئے کیا اقدامات کریں گی؟

جواب:　جب میں نے وزیر اعلیٰ کا عہدہ سنبھالا میں اپنے آپ کو مفتی صاحب کے مقابلے میں بہت کمتر محسوس کرتی ہوں کیونکہ ان کی معاملہ فہمی، ان کی سوچ، ان کا کام کرنے کا طریقہ، ان کی ایمانداری، ان کا خلوص ان کی بے باکی اور سب سے بڑھ کر ان کی استقامت اور دَور اندیشی، جس کی پوری دنیا معترف ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھنے والا نوجوان کسی سیاسی پسِ منظر کے بغیر اپنے سیاسی کیرئیر کا آغاز کرتا ہے۔ 30 سال کی عمر میں جب وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے 1967ء میں کشمیر آئے تو ریاست کی وزارتی کونسل میں نائب وزیر بنے، پھر 44 سال کی عمر میں ریاست کے ٹورازم منسٹر بنے اور تقریباً 56 سال کی عمر میں ملک کے وزیرِ داخلہ بنے جو اپنے آپ میں ایک بڑا اعزاز ہے۔ مفتی صاحب سیاست میں پختہ عزم کے ساتھ آئے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وہ کوئی بھی فیصلہ بلا جھجک کر لیتے تھے۔ ریاست میں حکومت سازی کے لئے کسی پارٹی کے ساتھ اتحاد کرنا ہے وہ عوام کی خواہشات زیرِ نظر رکھ کر ہی فیصلہ لیتے تھے۔ مفتی صاحب کی شخصیت کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ انہوں نے کئی تاریخی فیصلے لئے جس کے لئے جرأتِ رندانہ کی ضرورت ہوتی ہے جو شاید میرے بس کی بات نہیں۔ یہ مفتی صاحب کا بڑا پن ہے کہ انہوں مجھے انگلی تھام کر سیاست کے اسرار و رموز سے آشنا ہی نہیں کرایا بلکہ سخت مراحل میں کس طرح سرخ رو ہوتے ہیں یہ بھی عملی طور پر سِکھایا۔ شاید اسی تربیت کے طفیل مفتی صاحب کو مجھ پر بھروسہ تھا کہ میں ریاست کی باگ ڈور سنبھال سکتی ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ سے دست بہ دعا ہوں کہ مفتی صاحب کے جو خواب

ادھورے رہ گئے ہیں، ان کوخوش اسلوبی سے شرمندۂ تعبیر کرسکوں۔

سوال: ریاستی عوام کی خدمت کے لئے اُن کے نظریات کیا رہے ہیں؟

جواب: عوامی خدمت تو اُن کا موقف رہا ہے کیونکہ انہوں نے دانستہ طور پر سیاست میں قدم رکھا۔ ان دنوں شیخ صاحب کے نعرۂ رائے شماری کا بڑا غلغلہ تھا کوئی اس کے خلاف بات نہیں کرسکتا تھا۔ حتیٰ کہ مین سٹریم جماعتوں کو Untouchable سمجھا جاتا تھا۔ مفتی صاحب نے اس وقت روایت سے ہٹ کرایک بڑا قدم یہ اٹھایا کہ انہوں نے شیخ صاحب کی قد آور شخصیت کی موجودگی کے باوجود باقاعدہ مین اسٹریم پالیٹکس میں قدم رکھا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے فارغ ہوجانے کے بعد وہ کوئی اور میدان چن سکتے تھے لیکن انہوں نے سیاست ہی کو ترجیح دی۔ مفتی صاحب کا موقف ہمیشہ سچائی پر مبنی ہوتا تھا۔ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ مفتی صاحب ایک دوراندیش سیاست داں تھے۔ اس بات میں شک نہیں کہ مفتی صاحب کی شخصیت علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ماحول میں پروان چڑھی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بلاخوف وخطر ریاست کی سیاست میں قدم رکھا۔ وہ اکثر و بیشتر میرے ساتھ ریاست کی سیاست پر تبادلۂ خیالات کرتے تھے۔ ساتھ ہی وہ شیخ صاحب کی جدوجہد کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ لیکن وہ شیخ صاحب کی سیاسی زندگی کے اتار چڑھاؤ اور موقف میں تبدیلی کو لے کر اکثر غور وفکر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ انہوں (شیخ صاحب) نے جو بڑا اجرأت مندانہ قدم 1947ء میں اٹھایا تھا اس کی تئیں بعدازاں تذبذب کی کیفیت ہمارے موجودہ دور کے تمام مسائل کی بنیادی وجہ ہے۔ اس لئے وہ کوئی بھی قدم اٹھاتے تو اس پر ثابت قدم رہتے تھے۔ چاہے اس کے لئے انہیں کوئی بھی قربانی کیوں نہ دینا پڑی۔

سوال: سیاست میں اخلاقیات کی پاسداری مفتی صاحب کی ترجیح رہی ہے، اِس بارے میں اپنے خیالات سے آگاہ کیجئے۔

جواب: بالکل، وہ اخلاقیات کی بڑی پاسداری کیا کرتے تھے۔ کبھی کسی کے خلاف ناشائستہ زبان استعمال نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ وہ اصولوں کی جنگ لڑا کرتے تھے اور اس کے لئے اپنی ذات کو بیچ میں نہیں لاتے تھے۔ وہ ایک جمہوری نظام میں یقین رکھتے تھے اور سیاست پر کسی کی اجارہ داری نہیں سمجھتے تھے۔

سوال: ایک گھر کے سربراہ کی حیثیت سے مفتی صاحب کو آپ کیسے دیکھتی ہیں؟

جواب: سیاست میں بہت زیادہ مشغولیت کے زمانہ سے پہلے وہ ایک عام سرپرست کی طرح افرادِ خانہ کا خیال رکھتے تھے لیکن جب مصروفیات بڑھنے لگیں تو یہ ذمہ داریاں ہماری والدہ نے سنبھال لیں۔ جب ہماری شادی ہوئی اور بچے ہوئے تو مفتی صاحب نے ہمارے بچوں میں وہ سب ڈھونڈنا شروع کیا جو ہم میں اپنی مصروفیات کے سبّب نہیں دیکھ پائے تھے اور اپنی ساری شفقت ہمارے بچوں پر لُٹاتے رہتے تھے۔

سوال: بی جے پی کے ساتھ حکومت سازی کے مفتی صاحب کے فیصلے پر آپ کے خیالات کیا ہیں؟

جواب: بی جے پی کے ساتھ حکومت سازی ایک بڑا فیصلہ تھا۔ انہوں نے اس سے قبل بھی جب واجپائی صاحب وزیر اعظم تھے یہی محسوس کیا تھا کہ بی جے پی حکومت پاکستان کے ساتھ بات چیت کرنے میں پیش رفت کر رہی ہے، جموں وکشمیر میں POTA کا خاتمہ اور سرحدیں کھولنے کا معاملہ سنجیدگی سے لیا جا رہا تھا۔ لیکن پھر کہیں یہ سلسلہ رک گیا تھا۔ مرکز میں کانگریس کی سرکار کے دور میں اس ضمن میں کوئی قابلِ

ذکر پیش رفت نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ من موہن سنگھ جی چاہتے تھے کہ یہ سلسلہ بدستور جاری رہے لیکن پارٹی میں شاید وہ اتھارٹی انہیں حاصل نہیں رہی کہ وہ عملی طور پر اس طرح کے اقدامات اٹھا لیتے۔ پھر جب NDA کی حکومت مودی جی کی قیادت میں ایک بہت بڑا منڈیٹ لے کر آئی تو مفتی صاحب کو لگا کہ مرکزی حکومت کے تعاون کے بغیر پاکستان کے ساتھ بات چیت، پاور پروجیکٹوں کی واپسی، AFSPA کا خاتمہ، بے روزگاری کے مسئلے کا سدِ باب ممکن نہیں ہے۔ اس لئے ہمارے مسائل کا حل اور ریاستی عوام کی خوش حالی کے لئے یہ ضروری ہے کہ مرکزی حکومت کا مکمل تعاون ہمیں حاصل ہو اور اس کے ساتھ ہمارے تعلقات استوار ہوں۔ مودی جی کے پاس ایک بڑا منڈیٹ ہے اس لئے وہ تاریخ ساز فیصلے لے سکتے ہیں اور ان کے فیصلے ہماری خوش حالی، ترقی اور امن و امان پر بڑی حد تک اثر انداز ہوں گے اس لئے مفتی صاحب نے ریاستی عوام کی فلاح کے لئے بی جے پی کے ساتھ حکومت بنائی۔ پاکستان کے ساتھ دوستی کے بغیر خطے میں امن و امان کا قیام ممکن نہیں اور دونوں ملکوں کی رسہ کشی میں سب سے زیادہ نقصان ریاستِ جموں کشمیر کے عوام کو اٹھانا پڑتا ہے۔

سوال: قومی پارٹیوں کے ساتھ حکومت سازی کے کیا محرکات رہے ہیں؟

جواب: 2002ء میں جب ہم نے حکومت بنائی تو وزیر اعظم واجپائی جی نے کچھ بڑے اقدامات کئے۔ پاکستان کے ساتھ بات چیت کی شروعات ہوئی، تجارت اور لین دین کے لئے سرحدیں کھولی گئیں، حریت کانفرنس کے ساتھ مذاکرات کا آغاز ہوا، واجپائی جی نے پاکستان کا دورہ کیا یہ سب تاریخی اہمیت کے اقدامات تھے۔ سب سے اہم بات یہ کہ ریاست اور مرکز کی حکومت میں ایک اشتراک پایا جاتا تھا۔

دلی سرکار بھرپور تعاون دے رہی تھی۔اس کے برعکس جب شیخ صاحب نے اندراجی کے ساتھ ایکارڈ کیا تو وہ بدلے میں ریاستی عوام کے لئے کچھ بھی حاصل نہیں کر پائے۔ میں سمجھتی ہوں اگر مفتی صاحب کی حکومت اس وقت پوری معینہ مدت تک رہتی تو ہم کئی اور معاملات میں آگے بڑھ چکے ہوتے۔ کئی اور راستے کھل گئے ہوتے۔ پاکستان اور حریت کانفرنس کے ساتھ بات چیت کا سلسلہ آگے بڑھ گیا ہوتا اور ریاست میں امن وامان قائم ہوا ہوتا مگر بدقسمتی کی بات ہے کہ 2008ء میں یہ سارا عمل تعطل کا شکار ہوگیا اور Amarnath Landrow کے بعد حکومت ختم ہوگئی۔ اب جب مفتی صاحب دوسری مرتبہ حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے آئے تو سازگار ماحول پیدا کرنے کی از سرِ نو ضرورت تھی۔ حالانکہ ان کی صحت کی صورتِ حال بگڑتی جارہی تھی لیکن دس ماہ کا عرصہ انہوں نے دن رات ایک کرکے برق رفتاری سے کئی اہم امور سرانجام دیئے۔

سوال: اکثر کہا جاتا ہے کہ مفتی صاحب کی شخصیت کو پروان چڑھانے میں اُن کی خوداعتمادی کا بڑا اہم کردار رہا ہے؟

جواب: بالکل، خوداعتمادی ان کی شخصیت کا خاصہ رہا ہے وہ بچپن کے زمانے سے ہی اس خوداعتمادی کا مظاہرہ کرتے آئے تھے۔ پروفیسر بٹ صاحب نے بھی ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ جب مفتی صاحب آٹھویں جماعت کے طالب علم تھے تو ان دنوں بجبہاڑہ میں Math Teacher نہیں تھا تو وہ پیدل چل کر ڈائریکٹر آغا اشرف علی صاحب سے ملنے چلے آئے اور ان سے درخواست کی کہ ان کے اسکول میں Math Teacher بھیج دیا جائے۔ جب کوئی لالچ نہ ہو اور اپنی بات کا علم ہو کہ میں جو کہہ رہا ہوں وہ بالکل صحیح ہے تو اعتماد کا عنصر بڑھ جاتا ہے۔ وہ عوام کا

ذکر پیش رفت نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ من موہن سنگھ جی چاہتے تھے کہ یہ سلسلہ بدستور جاری رہے لیکن پارٹی میں شاید وہ اتھارٹی انہیں حاصل نہیں رہی کہ وہ عملی طور پر اس طرح کے اقدامات اٹھالیتے۔ پھر جب NDA کی حکومت مودی جی کی قیادت میں ایک بہت بڑا منڈیٹ لے کر آئی تو مفتی صاحب کو لگا کہ مرکزی حکومت کے تعاون کے بغیر پاکستان کے ساتھ بات چیت، پاور پروجیکٹوں کی واپسی، AFSPA کا خاتمہ، بے روزگاری کے مسئلے کا سدِ باب ممکن نہیں ہے۔ اس لئے ہمارے مسائل کا حل اور ریاستی عوام کی خوش حالی کے لئے یہ ضروری ہے کہ مرکزی حکومت کا مکمل تعاون ہمیں حاصل ہو اور اس کے ساتھ ہمارے تعلقات استوار ہوں۔ مودی جی کے پاس ایک بڑا منڈیٹ ہے اس لئے وہ تاریخ ساز فیصلے لے سکتے ہیں اور ان کے فیصلے ہماری خوش حالی، ترقی اور امن و امان پر بڑی حد تک اثر انداز ہوں گے اس لئے مفتی صاحب نے ریاستی عوام کی فلاح کے لئے بی جے پی کے ساتھ حکومت بنائی۔ پاکستان کے ساتھ دوستی کے بغیر خطے میں امن و امان کا قیام ممکن نہیں اور دونوں ملکوں کی رسہ کشی میں سب سے زیادہ نقصان ریاستِ جموں کشمیر کے عوام کو اٹھانا پڑتا ہے۔

سوال: قومی پارٹیوں کے ساتھ حکومت سازی کے کیا محرکات رہے ہیں؟

جواب: 2002ء میں جب ہم نے حکومت بنائی تو وزیر اعظم واجپائی جی نے کچھ بڑے اقدامات کئے۔ پاکستان کے ساتھ بات چیت کی شروعات ہوئی، تجارت اور لین دین کے لئے سرحدیں کھولی گئیں، حریت کانفرنس کے ساتھ مذاکرات کا آغاز ہوا، واجپائی جی نے پاکستان کا دورہ کیا یہ سب تاریخی اہمیت کے اقدامات تھے۔ سب سے اہم بات یہ کہ ریاست اور مرکز کی حکومت میں ایک اشتراک پایا جاتا تھا۔

دلی سرکار بھرپور تعاون دے رہی تھی۔اس کے برعکس جب شیخ صاحب نے اندرا جی کے ساتھ ایکارڈ کیا تو وہ بدلے میں ریاستی عوام کے لئے کچھ بھی حاصل نہیں کر پائے۔میں سمجھتی ہوں اگر مفتی صاحب کی حکومت اس وقت پوری معینہ مدت تک رہتی تو ہم کئی اور معاملات میں آگے بڑھ چکے ہوتے۔کئی اور راستے کھل گئے ہوتے۔پاکستان اور حریت کانفرنس کے ساتھ بات چیت کا سلسلہ آگے بڑھ گیا ہوتا اور ریاست میں امن وامان قائم ہوا ہوتا مگر بدقسمتی کی بات ہے کہ 2008ء میں یہ سارا عمل تعطل کا شکار ہوگیا اور Amarnath Landrow کے بعد حکومت ختم ہوگئی۔اب جب مفتی صاحب دوسری مرتبہ حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے آئے تو سازگار ماحول پیدا کرنے کی از سرِ نو ضرورت تھی۔حالانکہ ان کی صحت کی صورتِ حال بگڑتی جا رہی تھی لیکن دس ماہ کا عرصہ انہوں نے دن رات ایک کر کے برق رفتاری سے کئی اہم امور سرانجام دیئے۔

سوال: اکثر کہا جاتا ہے کہ مفتی صاحب کی شخصیت کو پروان چڑھانے میں اُن کی خوداعتمادی کا بڑا اہم کردار رہا ہے؟

جواب: بالکل، خوداعتمادی ان کی شخصیت کا خاصہ رہا ہے وہ بچپن کے زمانے سے ہی اس خوداعتمادی کا مظاہرہ کرتے آئے تھے۔پروفیسر بٹ صاحب نے بھی ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ جب مفتی صاحب آٹھویں جماعت کے طالب علم تھے تو ان دنوں بجبہاڑہ میں Math Teacher نہیں تھا تو وہ پیدل چل کر ڈائریکٹر آغا اشرف علی صاحب سے ملنے چلے آئے اور ان سے درخواست کی کہ ان کے اسکول میں Math Teacher بھیج دیا جائے۔جب کوئی لالچ نہ ہو اور اپنی بات کا علم ہو کہ میں جو کہہ رہا ہوں وہ بالکل صحیح ہے تو اعتماد کا عنصر بڑھ جاتا ہے۔وہ عوام کا

نمایندہ اور جموں وکشمیر کا وزیرِ اعلیٰ ہونے کے ناطے خود اعتمادی سے عوامی مسائل کے حل کے لئے کوشاں رہتے تھے اور بڑی خود اعتمادی سے عوام کا case plead کرتے تھے۔

سوال: بطورِ اپوزیشن لیڈر اور بطورِ وزیرِ اعلیٰ مفتی صاحب کا کیا رول رہا ہے؟

جواب: مفتی صاحب نے اپوزیشن میں رہ کر زیادہ وقت گزارا ہے۔ وہ اپنی پارٹی کے ورکروں کے زیادہ قریب رہتے تھے۔ انہیں عزت دیا کرتے تھے۔ جب انہوں نے وزیرِ اعلیٰ کی حیثیت سے کام کیا تو اس کے بعد لوگ اُن کے تاریخی کارناموں کو دہراتے ہیں۔ لوگ وزیرِ اعلیٰ کی حیثیت سے ان کا تین سالہ دورِ حکومت یاد کیا کرتے تھے۔

سوال: مفتی صاحب کے سیاست کے ساتھ ساتھ کیا کیا مشاغل تھے

جواب: مفتی صاحب کو مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ ہم نے بچپن سے ہی دیکھا کہ وہ ناول، سوانحیات اور دیگر قسم کی کتب کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ ان کا کمرہ کتابوں سے بھرا رہتا تھا۔ ان کی یہی عادت ہم بھائی بہنوں میں بھی آ گئی ہے۔ وہ بہت کم وقت میں کتاب کا cover to cover مطالعہ کیا کرتے تھے۔ اس وجہ سے ان کے پاس بہت زیادہ Knowledge تھی۔ ان کی جمالیاتی حس کا ہی نتیجہ ہے کہ انہوں نے دریائے جہلم کے کناروں کو آراستہ کرنے کی تجویز دی اور اس پر کام بھی بہت جلد شروع کروایا۔ ہاہو قلعہ، مبارک منڈی، کوہِ ماران وغیرہ کی نگہداشت اور تعمیر و مرمت کے اقدامات کئے۔ وہ قومی وراثت کی حفاظت ہر قیمت پر کرنا چاہتے تھے۔ ڈاون ٹاؤن میں بادام واری وغیرہ شاید یہ سب اسی وجہ سے تھا کہ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور ان کا وژن بہت بڑا تھا۔

سوال: مفتی صاحب انتظامی امور میں کن چیزوں پر یقین رکھتے تھے؟

جواب: مفتی صاحب Transparency میں یقین رکھتے تھے۔ سروس سلیکشن بورڈ وغیرہ میں شفافیت پر ان کا زیادہ زور رہا کرتا تھا۔ یہاں سب سے زیادہ دھاندلیاں نوکریوں میں ہوتی ہیں۔ اس لئے نظام میں شفافیت لانے کی غرض سے مفتی صاحب کا زور اس بات پر رہا ہے کہ ان دونوں محکموں میں شفافیت کو یقینی بنایا جائے Tourism and Horticulture ریاست میں آمدنی کے دو بہت بڑے ذرائع ہیں۔ مفتی صاحب نے میوہ ٹرکوں پر Toll Tax معاف کروایا، Cold Storage متعارف کروایا۔ وہ ان دونوں سیکٹروں کی ہمہ جہت ترقی کے خواہاں تھے۔ Tourism کو وہ اوّلین ترجیح دیا کرتے تھے وہ سیاحتی مقامات جیسے گلمرگ، پہلگام، پتنی ٹاپ وغیرہ کی ترقی کے خواہاں تھے اور چاہتے تھے کہ دنیا بھر کے سیاح ان مقامات کی سیر کرنے آئیں۔ Tourism کا فروغ بالواسطہ روزگار کی ترقی کا ضامن بن سکتا ہے۔ اس لئے Tourism پر ان کا زیادہ Focus رہتا تھا۔

سوال: آپ کی نظر میں ہم اپنے محبوب لیڈر مفتی صاحب کو کیا ٹریبوٹ دے سکتے ہیں؟

جواب: ان کو اصلی Tribute یہی ہوگا کہ ان کا خواب پورا کیا جائے۔ ان کا اپنا کوئی ایجنڈا نہیں تھا۔ وہ اُن کی آخری خواہش تھی کہ ریاست کے عوام کو پُرامن اور باوقار زندگی میسر رہے۔ وہ مسئلہ کشمیر کا پُرامن حل چاہتے تھے اور ساتھ ہی ریاست کے تینوں خطوں کی یکساں ترقی کے خواہاں تھے اور یہی لائحہ عمل اپناتے ہوئے وہ اِس دُنیا سے رُخصت ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

☆☆☆
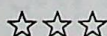
☆......محمد اقبال لون

مفتی محمد سعید......اکابرین کی نظر میں

☆...... صدرِ جمہوریہ جناب پرنب مکھرجی:

مفتی صاحب نے جموں وکشمیر سمیت پورے ملک کیلئے برسوں تک نا قابلِ فراموش خدمات انجام دیں ہیں اور اُنہیں کبھی بھلایا نہیں جاسکتا۔

☆...... وزیرِ اعظم جناب نریندر مودی:

مفتی محمد سعید نے اپنی قائدانہ صلاحیتوں کے ذریعے کشمیر کی سیاست میں اپنا لوہا منوایا اور اُن کے چلے جانے سے ملکی سیاست میں ایک بڑا خلاء پیدا ہوگیا ہے۔ اپنی سیاسی زندگی میں اُنہوں نے ریاستی عوام کو راحت پہنچانے کی کوششیں کی۔

☆...... صدر کانگریس، محترمہ سونیا گاندھی:

مفتی محمد سعید کا انتقال نہ صرف جموں وکشمیر بلکہ پورے ملک کے لئے ایک نا قابلِ تلافی نقصان ہے۔

☆...... غلام نبی آزاد، سابق وزیر اعلیٰ جموں وکشمیر:

مفتی محمد سعید نے اپنی سیاسی بصیرت، مدبرانہ انداز اور فہم وفراست سے ہر ایک کو اپنا دیوانہ بنایا تھا۔ اپنی قابلیتوں کا لوہا منوانے والے مفتی صاحب نے کبھی

بھی مشکلوں کو اپنے آڑے نہیں آنے دیا۔

☆...... سپیکر قانون ساز اسمبلی، کویندر گپتا:

مفتی صاحب ایک سچے محبِّ وطن تھے۔ اُن کے انتقال سے ریاست اور ملک کی سیاست میں جو خلا پیدا ہو گیا ہے اُسے پُر کرنا ممکن نہیں۔

☆...... وائس چانسلر کشمیر یونیورسٹی، پروفیسر خورشید اقبال اندرابی:

مفتی صاحب قرارِ واقعی چاہتے تھے کہ ریاست میں تعلیمی شعبہ ترقی کرے جبکہ اعلیٰ تعلیم کے شعبے کے حوالے سے انہوں نے معیاد بند اقدامات کرنے کو کہا تھا۔ مفتی صاحب کو یونیورسٹی کی ترقی کے حوالے سے کئے جانے والے مثبت اقدامات کے لئے ہمیشہ یاد کیا جائے گا۔

☆...... فلم میکرس اینڈ آرٹسٹس کوآپریٹیو کے جنرل سیکریٹری شبیر حیدر:

مفتی صاحب کی وفات ریاست جموں و کشمیر کے لئے ایک عظیم نقصان ہے جس کی تلافی مشکل ہے۔

☆...... صدر ادبی مرکز کمراز ڈاکٹر شجاعت بخاری:

مفتی صاحب کی وفات ریاست کے تہذیبی اور ثقافتی حلقوں کے لئے بہت بڑا نقصان ہے۔

☆☆☆

☆......محمد یوسف ٹینگ

مفتی محمد سعید......ایک نُکتہ چیں کی نظر سے

مفتی محمد سعید صاحب کے غیر متوقع اِنتقال سے میرے اُن کے ساتھ وابستہ بہت سی تلخ وشیریں یادیں مندمل زخموں کا پھاہا اُٹھنے کے بعد جیسے پھر دُ کھنے اور درد پیدا کرنے لگیں۔ حالانکہ راقم نے 1999ء میں اُن کے خلاف اننت ناگ سے نیشنل کانفرنس کی ٹکٹ پر ایک بڑا اور کڑا الیکشن لڑا تھا۔ اگر چہ میں جیت درج نہیں کر سکا لیکن اُس وقت کے حالات میں دونوں حریفوں نے خوب داؤ پیچ لڑائے اور زبانی جنگ کے تیر برسائے اور کھائے۔

مفتی صاحب کی عادت یہ تھی کہ وہ کبھی اپنی زبان سے کوئی قابلِ مواخذہ بات نہیں نکالتے تھے۔ اپنے شدید ترین مخالفوں کے متعلق بھی انہوں نے کبھی غلط یا بداندیشی کی بات نہیں کی۔ وہ طبیعتاً ایک شریف شخصیت تھے جس کی جھلک اُن کے کلام میں بھی بار بار ملتی تھی۔ انہوں نے اپنے شدید سیاسی حریفوں شیخ محمد عبداللہ مرحوم، سید میر قاسم مرحوم، ڈاکٹر فاروق عبداللہ، عبدالغنی لون مرحوم، سید علی شاہ گیلانی وغیرہ کے خلاف کبھی اخلاقی طور قابل اعتراض بات نہیں کی بلکہ کئی مرتبہ شیخ صاحب کو بڑی فراخدلی سے خراجِ عقیدت ادا کیا۔ 2015ء میں انہوں نے زیون میں

پولیس کی ایک تقریب سے شیخ صاحب کو جو خراج پیش کیا وہ بے مثال ہے۔ مفتی صاحب نے کہا تھا کہ شیخ صاحب کی قیادت کا کرشمہ ہے کہ مجھ جیسا ذرۂ ناچیز بھی وزیرِاعلیٰ کے منصب تک پہنچ سکا۔

اوپر کے بیان سے یہ کہنا مقصود نہیں کہ وہ سیاسی طور حکمت عملی سے اپنے حریفوں کو کھلا چھوڑ دیتے تھے۔ جیسا کہ ساری دُنیا جانتی ہے کہ وہ ایک مستعد، Shrewed، ماہر کرتب ساز اور سیاسی داؤ پیچ لڑانے میں یکتا تھے اور اِسی لئے ایک معمولی سیاسی کارکن سے ریاست کے صفِ اوّل کے کھلاڑی ثابت ہوئے جو دو بار ریاست کی وزارتِ اعلیٰ کے منصب کو سنبھالنے میں کامیاب ہوئے اور ہندوستان کے اب تک کے اکلوتے مُسلمان ہوم منسٹر۔ وہ اِس کے علاوہ بھی دوسری حیثیتوں سے مرکزی کابینہ کے منسٹر رہے۔ اُنہوں نے ریاست سے باہر بھی لوک سبھا کے انتخاب لڑے اور اُن میں کامیابی کے جھنڈے گاڑ کر پارلیمنٹ میں پہنچنے کا تمغۂ امتیاز حاصل کرتے رہے۔ انہوں نے ریاست میں کانگریس پارٹی کے اِستحکام میں بھی اہم رول نبھایا اور ریاست کی سب سے پرانی اور سب سے بڑی سیاسی تنظیم نیشنل کانفرنس کے مقابلے میں ایک مُتبادل کے طور پر اپنی جماعت پی ڈی پی کو سینچا اور تناور بنایا۔ وہ ریاست کی سیاسی تواریخ کے ایک اہم سیاسی کردار کی حیثیت سے برسوں یاد کئے جاتے رہیں گے۔

ایسا نہیں کہ وہ ہمیشہ کامیابی اور کامرانی کے ہی شاہ سوار ثابت ہوئے۔ انہوں نے بہت ہزیمتیں بھی دیکھیں اور جھیلیں۔ لیکن وہ گر گر کر پھر اُٹھتے رہے۔ انہوں نے ریاست کے سب سے ہردلعزیز رہنما شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ بھی ڈٹ کر لڑا۔ انہوں نے ہندوستان کی سب سے کامیاب وزیرِاعظم بھارت رتن اِندرا گاندھی

کا اعتماد بھی حاصل کیا۔ اِس حد تک کہ وہ اکثر اوقات کشمیر کے الجھے اور پیچ در پیچ معاملات و مسائل کو مفتی صاحب کی عینک سے دیکھتی رہیں۔ لیکن پھر انہوں نے اندرا جی کے فرزند راجیو گاندھی کا ہاتھ جھٹک کر اُن کا بھی زوردار مقابلہ کیا۔

مفتی صاحب شاید ریاست کے دوسرے سیاسی لیڈر تھے جو ملک کے بڑے دائرے میں بھی اپنی آن منواتے رہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں اُن کے مدِ مقابل جناب غلام نبی آزاد کا ذکر کئے بغیر بات نہیں بنے گی۔ حالانکہ اُنہوں نے پہلے پہلے مفتی صاحب کی چھاؤں میں ہی اپنے پہلے سیاسی قدم اٹھائے تھے۔ سچ یہ ہے کہ شیخ محمد عبداللہ اور خواجہ غلام محمد صادق کی طرح انہوں نے In Harness یعنی منصب سنبھالے ہوئے وفات پائی اور وہ ریاستی تاریخ میں ایک الگ حیثیت کی حیثیت سے اپنا نام اور مقام پاتے رہیں گے۔

اِس وقت مقصود راقم کا اُن کے ساتھ جڑی ہوئی چند یادوں کا بیان ہے۔ میری اُن سے پہلی ملاقات 1958ء میں ہوئی جب وہ علی گڑھ سے ایل ایل بی کر کے آئے تھے۔ سرینگر کے ریذیڈنسی کوارٹر میں اُن دِنوں میرے ایک اچھے دوست خواجہ غلام نبی طوری رہتے تھے۔ اُن دِنوں وہ انفار مشین ڈیپارٹمنٹ میں کام کرتے تھے۔ اُن کا آبائی وطن بھی مفتی صاحب کی طرح بجبہاڑہ کا تواریخی قصبہ تھا اور مفتی صاحب اُنہی کے یہاں قیام پذیر تھے۔ ایک دِن میں طوری صاحب کے یہاں گیا تو وہاں ایک خوش پوش، خوش گفتار اور نوجوانی کے جوش سے بھرپور شخص کو بیٹھا ہوا پایا۔ طوری صاحب، جو خود بھی ایک نہایت زیرک اور ذہین آدمی تھے، اِس مہمان کے تواضع میں بہت مشغول تھے۔ مہمان بھی اپنے اطوار اور احساس سے ایک خاص شان Dignity کا مالک نظر آرہا تھا۔ طوری صاحب نے ہمارا آپس میں رسمی

ساتعارف کرایا اور بات آئی گئی ہوگئی۔

کچھ عرصے کے بعد مفتی صاحب کا نام کبھی کبھی اخبارات میں آتا رہا۔ راقم چونکہ اخبار نویس ہونے کے علاوہ اخباری معاملات سے بہت علاقہ رکھتا تھا لہٰذا میں مفتی صاحب کی ٹوہ میں رہا۔ انہوں نے اُس وقت ایک عجیب فیصلہ کیا۔ یعنی ریاست کی حکمران جماعت نیشنل کانفرنس کے بدلے نوزائیدہ ریاستی کانگریس میں شامل ہوگئے جسے 1960ء کی دہائی میں صادق صاحب کی وزارت اعلیٰ کے دوران قائم کیا گیا تھا اور سید میر قاسم اِس کے پہلے صدر بنائے گئے تھے۔ بہت جلد مفتی صاحب اِقتدار کی سیڑھیاں چڑھتے گئے اور صادق صاحب کی وزارت میں شاید 1968ء میں ایک ڈپٹی منسٹر بنائے گئے۔ میں اُن دِنوں کلچرل اکادمی میں ایک چھوٹے سے عہدے پر تنخواہ پا رہا تھا۔ لیکن شاید مفتی صاحب کو میری کوئی بات بھا گئی تھی۔ اِس لئے وہ گاہے گاہے مجھے سیکرٹریٹ بُلاتے رہے اور چھوٹے موٹے کام کرواتے رہے۔ اِسی دوران صادق صاحب کا 1971ء کے آخر میں اِنتقال ہوگیا۔ سید میر قاسم نے وزارت اعلیٰ کا حلف اُٹھالیا۔ چونکہ مفتی صاحب نے صادق صاحب کے آخری دِنوں میں کشمکشِ اقتدار میں قاسم صاحب کا ساتھ دیا تھا اور پھر قاسم صاحب کے اپنے ضلع سے تعلق رکھنے کے علاوہ اُن کو اپنی سیاسی سوجھ بوجھ کا قائل بنا چکے تھے، اِس لئے قاسم صاحب نے اُنہیں اپنی وزارت میں پبلک ورکس کا نہایت اہم محکمہ سپُرد کردیا۔ اب چاروں طرف مفتی صاحب کا طُوطی بول رہا تھا اور اُن کی انتظامی صلاحیتیں اُجاگر ہورہی تھیں۔ وہ اِس خاکسار کو بھی دفتر اور کبھی اپنی کوٹھی پر بُلواتے رہے۔ مجھے یاد ہے کہ وہ نہ صرف میرے ساتھ خوش مزاجی سے بات کرتے تھے بلکہ بعض اوقات مجھے پیٹ پوجا کرنے پر اصرار کرتے تھے۔ میں

ایک غریب ملازم تھا۔ اُن کے دسترخوان کی برکت سے میرے کام و دہن سرشار ہوتے رہے اور میں اُن سے رُخصت ہونے کے بعد بھی چٹخارے لیتا اور اپنے کام و دہن کو میٹھا پاتا تھا۔ مجھے کچھ ہی دیر کے بعد پتہ چلا کہ ایسا صرف میرے ساتھ ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ یہ مفتی صاحب کی خصلت اور عادت تھی۔ اُن کا دسترخوان ہمیشہ وسیع اور اُن کا دستِ سخا ہر وقت کُشادہ اور کھُلا رہتا تھا۔ اِسی لئے اکثر حضرات جو اُن کے حلقے میں آتے رہے، زیادہ تر اُن کے ساتھ جُڑے ہی نہیں رہے بلکہ اُن پر جان لُٹاتے رہے۔ اُنہیں میں سے ایک میرے آبائی قصبے شوپیاں کے ایک گاؤں میں رہنے والے عبدالرزاق وگے بھی ہیں جو میرے کلاس فیلو رہ چکے تھے۔ میری ہی طرح وہ بھی کم پڑھے لکھے تھے اور بس سیاست وغیرہ سے نام نہاد ہی وابستہ تھے۔ لیکن کسی طرح مفتی صاحب کی نگاہ میں آ گئے تھے۔ 2008 میں جب مفتی صاحب اقتدار میں آئے تو انہوں نے اچانک انہیں شوپیان سے ایم ایل اے بنا دیا اور اُن کو نہال کر دیا۔ ایسی بیسیوں مثالیں مفتی صاحب کی ذات سے جڑی ہوئی ہیں اور میرے خیال میں بخشی غلام محمد صاحب کے بعد کسی اور ریاستی وزیر اعلیٰ میں (sorry)۔ بخشی صاحب آخر تک وزیر اعظم ہی بنے رہے) ایسی فراخ دستی اور غریب نوازی موجود نہیں رہی۔ مجھے مفتی صاحب کی فراخدلی کا ایک ذاتی واقعہ یاد آ رہا ہے۔ راولپورہ کی سرکاری کالونی کے لئے ابتدائی جتن کئے جا رہے تھے۔ ایک دِن مجھے مفتی صاحب کا بُلاوا آ گیا۔ میں سرینگر سیکرٹریٹ میں اُن کے چیمبر میں پہنچ گیا اور فوراً اندر بلا لیا گیا۔ مفتی صاحب مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھنے لگے ''ٹینگ تم تو میری طرح دیہاتی ہو، سرینگر میں کہاں رہتے ہو'' میں نے جواب دیا ''سر۔ میں کرایہ کے ایک دو کمروں میں گزارہ کرتا ہوں''۔ مفتی صاحب کا چہرہ گویا کھِل گیا۔

مفتی محمد سعید - ایام شباب

مفتی محمد سعید - مختلف انداز
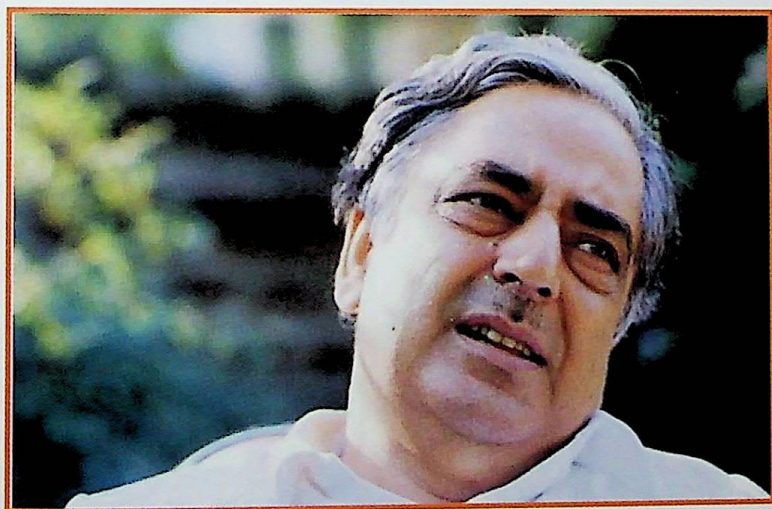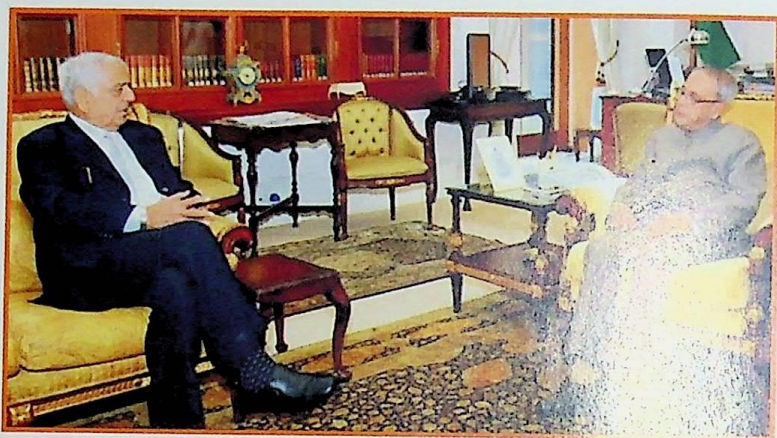
صدرِ جمہوریہ پرنب مکھرجی اور مفتی محمد سعید
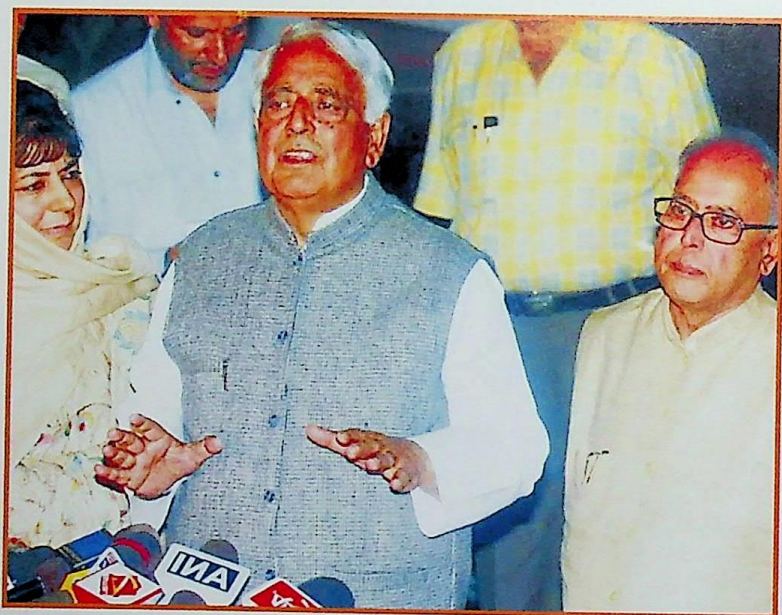
صدرِ جمہوریہ پرنب مکھرجی، مفتی محمد سعید اور محبوبہ مفتی
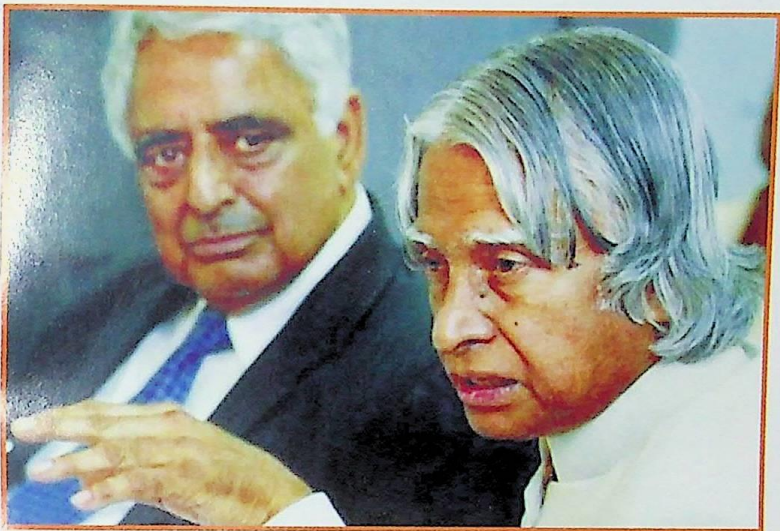
صدرِ جمہوریہ اے پی جے عبدالکلام اور مفتی محمد سعید
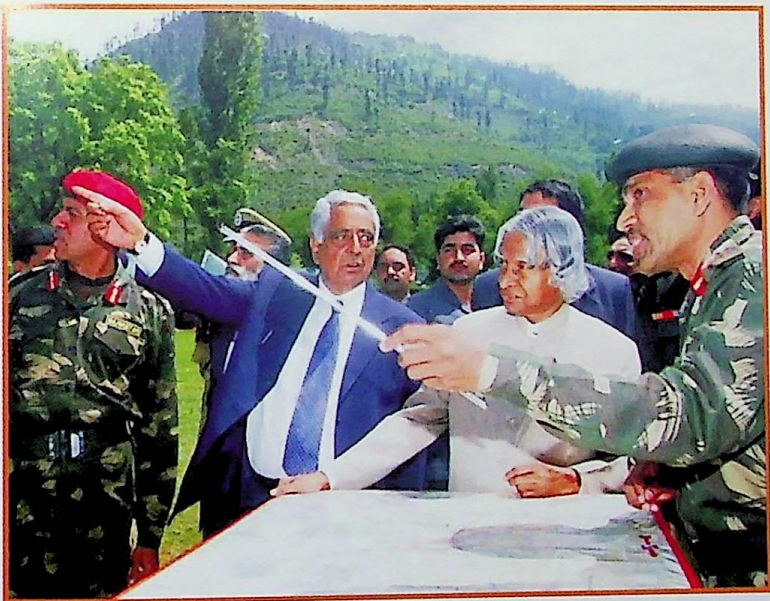
صدرِ جمہوریہ اے پی جے عبدالکلام کے ساتھ سرحدی علاقوں کا دورہ
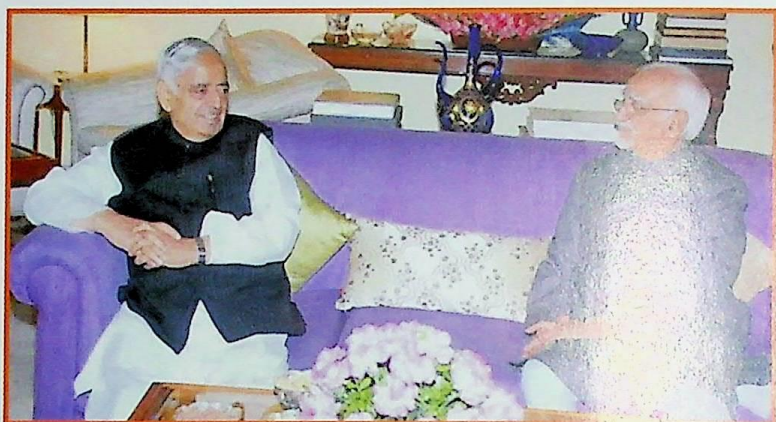
نائب صدر محمد حامد انصاری اور مفتی محمد سعید
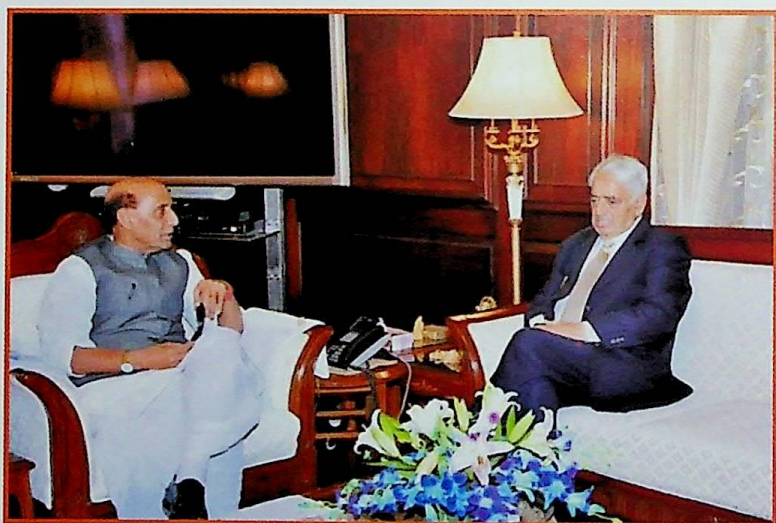
مفتی محمد سعید وزیر داخلہ راجناتھ سنگھ کے ساتھ تبادلہ خیالات کرتے ہوئے

وزیراعظم نریندر مودی اور مفتی محمد سعید

وزیراعظم نریندر مودی، گورنر این این ووہرا، مفتی سعید اور ڈاکٹر نرمل سنگھ

وزیراعظم نریندر مودی، مفتی محمد سعید اور غلام نبی آزاد

وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی اور مفتی صاحب

وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی اور مفتی صاحب۔ عوامی وفود کے ساتھ ملاقات

وزیراعظم منموہن سنگھ اور مفتی محمد سعید
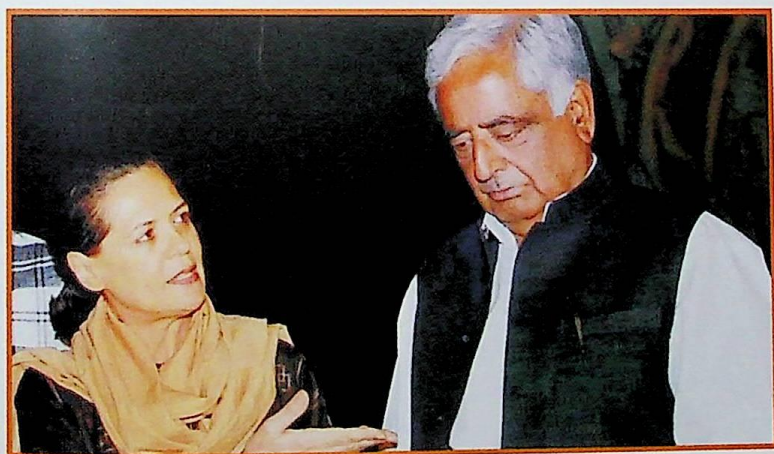
مفتی محمد سعید اور کانگریس کی صدر محترمہ سونیا گاندھی

کہاتم تو الاٹمنٹ کے لئے فٹ Fit ہو۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا اور کہنے لگا جناب کیسا الاٹمنٹ؟ مفتی صاحب نے ایک معمولی ملازم کو سمجھانے کی زحمت فرمائی'' دیکھو ہم راولپورہ میں ایک سرکاری کالونی بسا رہے ہیں اور مستحق لوگوں کو وہاں پونے دو کنال کے پلاٹ مکان بنانے کے لئے الاٹ کئے جا رہے ہیں۔ تم ایک درخواست لکھ دو، میں ابھی الاٹمنٹ کا آرڈر بنواتا ہوں''۔ کہتے ہیں کہ کچھ پانے کے لئے قسمت کے ساتھ تھوڑی سی عقل بھی چاہئے۔ میں ازلی سادہ لوح اور بدبخت۔ میں نے کہا جناب مجھے پلاٹ نہیں چاہئے۔ مفتی صاحب کے چہرے پر ناپسندیدگی کی جھریاں اُبھر آنے کا منظر اِس وقت بھی میری نظروں میں محفوظ ہے۔ بولے ''کیوں؟''۔ میں نے جواب دیا جناب مجھے جواہر نگر میں آدھے کنال کا پلاٹ خواجہ شمس الدین نے الاٹ کیا ہے۔ مُفتی صاحب ذرا پیار سے بولے'' ارے لکھو نا درخواست۔ اِس سے کچھ نہیں ہوتا۔ میں پلاٹ دے دوں گا''۔ مگر میری سادگی کہ میں نے ایسا نہیں کیا۔ مفتی صاحب نے فوراً نظر دوسرے شخص کی طرف کی اور میری طرف دیکھے بغیر ہاتھ ہلا کر بولے ''تمہارا کچھ نہیں بنے گا۔ چلے جاؤ۔ باہر جاؤ میرے بہت سے کام ہیں''۔ میں مُنہ لٹکا کر واپس آیا کہ پہلی بار مفتی صاحب نے مجھے باہر جانے کے لئے کہا تھا۔ پھر جب کچھ برس کے بعد ہوش آیا تو چڑیاں کھیت چُگ چُکی تھیں۔ اِس وقت راولپورہ کالونی میں ایسے پلاٹ کی قیمت کروڑوں میں ہے۔ بعد میں سالہا سال کے بعد میں نے بھی کالونی سے باہر ایک ایسی ویسی جگہ پر زمین خرید لی اور مکان بنالیا۔ لیکن راولپورہ کالونی سے گزرتے ہوئے میں اب بھی اپنی حماقت اور مفتی صاحب کی سخاوت کو یاد کر کے گم صُم ہو جاتا ہوں اور اکثر بار اُن کی عطا کو، جس سے دامن بھرنے کے لئے میرا طالع اور میری فہم ساتھ نہ دے سکے پر آہیں بھرتا ہوں

اور مفتی صاحب کے لئے دُعائے خیر۔

ایک اور بات جو مجھے یاد آرہی ہے کہ جب وہ ورکس منسٹر تھے تو انہوں نے ایک بار خواہش ظاہر کی کہ بجبہاڑہ کے کشمیری شاعر عبدالاحد ناظم جو مفتی صاحب کے کچھ قرابت دار بھی تھے اور رسول میر شاہ آبادی کے ہم عصر۔ اُن کی یہ غزل زبان زدِ عام ہے جسکا مطلع ہے۔

یا تُلہِ خنجر مارے، نتۂ سانہِ شباہ روزے
یم زار وَنہٖ ہَس بردار، کیٲہ سَنٲہ سُہ یار بوزے

[ترجمہ: یا تو خنجر سے میرا کام تمام کردے ورنہ (معشوق) میرے ساتھ شب گزاری کرے۔ میں یہ فریاد اُس سے بار بار عرض کرتا مگر وہ بے درد کہاں سُننے گا]

مفتی صاحب چاہتے تھے کہ اُس پر کلچرل اکادمی ایک لوِح مزار نصب کرے۔ بات بالکل جائز تھی اور کلچرل اکادمی نے ریاست کے بیسیوں سُخن وروں کے مزارات پر ایسے کُتبات لگوائے تھے اور پھر یہ زیادہ سے زیادہ ایک دو ہزار روپے کے خرچ کی بات تھی۔ میں نے مُناسب عبارت تیار کر کے کُتبہ بجبہاڑہ پہنچا دیا۔ مفتی صاحب اُس دِن اپنی پسندیدہ سیر گاہ پہلگام میں براجماں تھے۔ میں اُن کی اِجازت حاصل کرنے کے لئے وہیں پہنچ گیا اور اپنا عندیہ بیان کیا۔ مجھے یاد ہے کہ مفتی صاحب کا چہرہ سکڑ گیا اور انہوں نے اپنے ہونٹ بھینچ لئے، بہت تامّل مگر نا گواری سے بولے ''ٹینگ تم نے تکلیف اٹھا کر کتبہ بجبہاڑہ پہنچا دیا۔ اِس کے لئے شُکریہ۔ لیکن اِس کو قبر پر لگانا ٹھیک نہیں۔ میں منسٹر ہوں نا۔ لوگ کہیں گے کہ میری وزارت کے رسوخ سے ناظم صاحب کی قبر پر سنگِ مزار لگا۔ ایسا ٹھیک نہیں۔ جاؤ کتبہ واپس لے جاؤ''۔ مفتی صاحب کا حُکم حتمی تھا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ مفتی صاحب نے آج خلاف

معمول کچھ کھانے کے لئے بھی نہیں کہا تھا۔ میرا ماتھا ٹھنکا اور مجھ پر جیسے مُردنی چھا گئی۔ میں بجبہاڑہ گیا اور وہاں ایک سرسری واقف کار کی دوکان کے ٹھڑے پر، جو میری ننیہال کا دور کا رشتہ تھا، سنگِ مزار اور لوح رکھ دی۔ پھر یہ معلوم کرنے کی رغبت ہی نہ رہی کہ اِن چیزوں کا بعد میں حشر کیا ہوا اور کیا بعد میں ناظم کی تُربت پر کسی نے کتبہ لگایا یا نہیں؟

ایک اور واقعہ جو صفحہ ذہن پر اُبھر آیا ہے۔ مفتی صاحب کی دریا دلی کا بہت انوکھا اظہار ہے۔ 2005ء میں میری لجسلیٹو کونسل کی رُکنیت کی پہلی Term ختم ہوگئی۔ میرے پاس اُس وقت سرینگر میں اپنا مکان تھا۔ مگر میرے بچے سرینگر میں زیرِ تعلیم تھے۔ چند روز بعد اُس وقت کے ڈائریکٹر Estates محمد اسلم صاحب اپنے عملے ساتھ میرے مکان T/3 تُلسی باغ پر حملہ آور ہوئے، میں نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر اُن کے تیور دیکھ کر میں بھانپ گیا کہ بات نہیں بنے گی۔ میں طوعاً و کرہاً ایک آٹو پر سوار ہو کر سیکریٹریٹ پہنچا۔ اُن دِنوں سید نعیم اندرابی صاحب شاید وزیرِ اعلیٰ کے پی آر او تھے۔ میں نے اُن سے اپنی پریشانی بیان کی اور منت کی کہ وہ دربان کی نظر سے بچا کر مجھے مفتی صاحب کے کمرے میں گھسا دیں۔ نعیم صاحب نے عنایت کی اور میں اندر پہنچ گیا۔ وزیرِ اعلیٰ کے سامنے چند وزراء اور اعلیٰ افسر کُرسیوں پر تشریف فرما تھے۔ مفتی صاحب نے مجھے دیکھا تو پہلے مجھے ایک خالی کُرسی پر بیٹھنے کو کہا اور تقریباً چشم زدن میں حاضرین کا قصہ مختصر کر کے اُنہیں رُخصت کر دیا۔ مفتی صاحب نے فوراً چائے کا آرڈر صادر کر دیا اور چپراسی کو کہا کہ کباب وغیرہ بھی ساتھ ہوں۔ میں سہما ہوا کچھ بولنے کے لئے تڑپ رہا تھا۔ میں اُن کی حریف جماعت کا رُکن تھا اور مجھے اندیشہ ستا رہا تھا کہ میری استدعا قبول نہ ہوگی۔ مفتی صاحب نے مجھے اِس سراسیمگی میں دیکھا تو بولے دوست ذرا آرام سے بیٹھو پہلے چائے پی لیں۔ پھر آپ کی بھی سُن لیں گے۔ ہم اِدھر اُدھر کی گپ شپ کرنے لگے۔ میرے

چھوٹے ذہن میں آیا اور میں نے ایک حضرت کی بات چھیڑی جو یوں تو اُن کا ہمدرد ہونے کا دم بھرتا تھا۔ لیکن لہک لہک کے اُن کے خلاف بولتا چلا جاتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ مفتی صاحب میری بات پر خوش ہوں گے اور میری مُشکل آسان بننے کی شاید سبیل نکل آئے۔ مگر مفتی صاحب نے مجھ کو دنگ ہی نہیں شرمندہ بھی کر دیا۔۔۔

''ارے یار! جو شخص کُرسی پر ہو اُس کی مخالفت کرنا ایک وصف ہے۔ شخص مذکورہ اگر ایسا نہ کرے، تو اُس کا نام کون لے گا۔ اخبار میں اُس کی تصویر کیسے آئے گی۔ مجھے مخالفت سننے میں بہت لطف آتا ہے۔ تعریف کرنے والے تو اکثر صورتوں میں زیادہ اپنے مفاد کا خیال رکھتے ہیں۔''

بہر حال، چائے پی کر اور گپ شپ سے طبیعت ہلکی کر کے میں نے اپنا مسئلہ بیان کیا اور عرض کی کہ میرا سرینگر میں کوئی اور ٹھکانہ نہیں ہے۔ مفتی صاحب نے فوراً گھنٹی بجائی اور ڈائریکٹر اسٹیٹ کو طلب کر لیا۔ ڈائریکٹر صاحب آگئے اور کچھ فاتحانہ انداز میں جیسے کہہ رہے ہوں مفتی صاحب میں نے آپ کے ایک کٹر مُخالف کو چت کر دیا ہے۔ مگر مفتی صاحب کسی اور موڈ میں بولے'' بھئی۔ آپ ٹینگ صاحب کو مکان سے کیوں نِکال رہے ہیں؟ ڈائریکٹر بولے کہ یہ اب سرکاری رہائش کے لئے entitled نہیں رہے۔ کیونکہ اِن کی رُکنیت کونسل میں تمام ہوگئی ہے۔ مفتی صاحب نے پوچھا کہ کیا یہ کوئی باضابطہ رُول ہے؟ ڈائریکٹر اتراتے ہوئے بولے ''بالکل سر۔ اِسی لئے تو میں نے آرڈر نکالا ہے۔''

مفتی صاحب ٹس سے مس نہیں ہوئے اور بولے'' کیا ٹینگ صاحب کی کوئی فائل ہے۔ جس پر آپ نے یہ آرڈر رکھا ہے''۔

ڈائریکٹر۔۔۔ ہاں ہاں۔۔۔ سر۔۔۔ فائل پر ہی سارا موجود ہے۔

مفتی صاحب نے فائل طلب کی۔ اُس پر ڈائریکٹر صاحب نے لکھا تھا کہ:

"Since he is no more entitled to retain the Govt. Office because he is retired as a member of the State Legislative Council, therefore it is ordered that his

house, T-3, Tulsi Bagh may be got vacated."

مفتی صاحب نے فوراً اِس نوٹ کے نیچے لکھا:

"I make Mr. Taing specially entitled to retain this house, till he so desires. No body should try to get him vacated".

فائل اسلم صاحب کے ہاتھ میں آئی تو اُس کے چھکے چھوٹ گئے۔ ڈائریکٹر صاحب کا چہرہ لال بھبھوکا ہوگیا۔ میرا خیال ہے کہ اُس فائل پر آج بھی یہ عبارت موجود ہوگی۔

فروری 2016ء میں میری کونسل کی دوسری Term ختم ہوگئی۔ اُس وقت میں جموں میں تھا۔ کچھ دیر کے بعد میں اپنے کُنبے کے ساتھ سرینگر پہنچا اور چند ہفتے اِسی سرکاری مکان میں گزارے۔ لیکن دربار مو کا زمانہ آیا۔ سرینگر میں دربار کھُلنے کے پہلے دِن یعنی سوموار کو اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے پیادے اچانک میرے یہاں پہنچ گئے۔ اب میری جماعت برسرِ اقتدار تھی۔ چنانچہ میں بے فِکری سے اُن سے ملنے کے لئے باہر آیا۔ انہوں نے فوراً میرے ہاتھ میں مکان خالی کرنے کا سرکاری حکمنامہ تھمادیا۔ میں ہکا بکا رہ گیا۔ اگرچہ اب بھی میرا اپنا گھر تیار نہ تھا۔ لیکن مجھے مکان خالی کرنا پڑا۔ یہ دلیل کہ میں اب قانون ساز یہ میں نہیں تھا اِس لئے ٹھیک نہیں لگتا کہ سرینگر کے علاوہ جموں میں خاص طور ایسے بہت سے سابق ممبران پارلیمنٹ اور ریاستی قانون ساز یہ ہیں کہ اُن کی معیادِ رُکنیت درجنوں سال پہلے ختم ہوچکی ہے لیکن وہ اب بھی اِن مکانوں میں دندناتے رہتے ہیں۔ نصیب اپنا اپنا۔ میں تو ضعیف تھا اور نزلہ گرنے کے لئے بالکل مُناسب اور موزون۔

خموشی گفتگو ہے بے زُبانی ہے زباں میری

مفتی صاحب کو میں نے پہلے سال کے آخری دِنوں میں ٹیگور ہال کی احیائے جدید میں آخری بار دیکھا۔ اکادمی کے سکریٹری نے مجھ سے خاص طور پر

اصرار کیا میں بھی اِس تقریب میں حاضر رہوں۔ مفتی صاحب نے اپنی مختصر سی تقریر میں میرے ساتھ بیٹھے ہوئے بعض سرکردہ قلمکاروں کے علاوہ میرا نام بھی لیا اور وہ بھی کچھ اچھے معنوں میں۔ حالانکہ مجھے اُن سے ملے ہوئے برسوں ہو چکے تھے۔ بہرحال، مفتی صاحب سٹیج سے نیچے آئے تو اُنہوں نے کچھ اصحاب کے ساتھ میرے ساتھ مصافحہ کرنے سے گریز نہیں کیا۔ اُس وقت وہ ٹھیک ٹھاک لگ رہے تھے اور گُمان نہیں ہوسکتا تھا کہ میں اُن کو آخری بار دیکھ رہا ہوں۔ جب اُن کا انتقال ہونے کے بعد اُن کا جنازہ پڑھا گیا اور تدفین عمل میں آئی تو میں کشمیر سے باہر تھا اور اِن تعزیتی تقریبوں میں شامل نہ ہونے کا ملال مجھے ہمیشہ رہے گا۔ مجھے میرے کچھ شِناسا اور دوست جو مفتی صاحب کے بھی معتمد اور دربار دار تھے اکثر بار کہتے تھے کہ جب کبھی مفتی صاحب کے یہاں اِس خاکسار کا بھولے سے ذکر آجاتا تھا، تو وہ عمدہ لفظوں میں مجھے یاد کرتے تھے۔
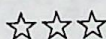
☆......پروفیسر امیتابھ مٹو

پیر، پنڈت، پادشاہ
مفتی سعید کی غیر معمولی میراث

ریش پیر سترہویں صدی کشمیر کے ایک عزت ماب اور بے حد قابل احترام ولی گزرے ہیں جنہیں یہاں عرف عام میں پیر (صوفی)، پنڈت (گرو)، پادشاہ جیسے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ مفتی محمد سعید کی ذات آج کے زمانہ میں اسی روایت کی ایک سیکولر مثال تھی۔ گزشتہ سال کے ماہ ستمبر میں مفتی صاحب نے عالمی شہرت یافتہ صحت افزا مقام پہلگام پر اپنے اہل خانہ اور قریبی رشتہ داروں کی اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کیا تھا۔ دعوت میں خصوصی طور ظہرانے میں کشمیری وازہ وان کا انتظام رکھا گیا تھا۔ کشمیری رسم و روایات کے مطابق چار مہمان دستر خوان پر بیٹھ کر ایک ترامی میں لذیز وازہ وان سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ مفتی صاحب کمرے کے بیچوں بیچ کرسی پر تشریف فرما تھے۔ میں دیگرقی مہمانوں، جن میں اکثریت مسلمانوں پر مشتمل تھی، کے ساتھ فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ جوں ہی کھانا لایا گیا مفتی صاحب ایک دم اپنی کرسی سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا، ''میں امیتابھ صاحب کے ساتھ کھانا کھالوں گا۔'' دوسری طرف مفتی صاحب کی اہلیہ مذاق میں بول پڑی کہ،

"مفتی صاحب اصل میں پنڈت ہیں، آپ کو پنڈتوں کے ساتھ کھانا کھانے میں لطف آتا ہے۔۔۔"۔ مفتی صاحب کی اہلیہ نے ایک ساتھ دو مختلف مگر ہم آہنگ روایات کی طرف اشارہ کیا۔ مفتی صاحب کی ذات کی جنیاتی تراکیب ان دونوں عناصر کے مرکب پر مشتمل تھی۔ آپ کے آباء واجداد سیّد خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ روحانی صوفی روایت کے ساتھ منسلک ہونے کی وجہ سے اِسے سماج کے اندر خاص تعظیم اور مقام حاصل ہے۔ مفتی محمد سعید نے قابلِ عمل فہم وفراست اور سیکولر علم ودانش کا سنگم کردیا جو یہاں پر روایتی طور پر کشمیری پنڈتوں سے منسلک ومتعارف تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ ایک پادشاہ (حکمران) بھی تھے جسے قدرت نے حکومتی انصرام وانتظام کے اعلیٰ فن سے بہرہ ور کررکھا تھا۔ آپ نے اپنی حکومت میں اکثر بیروکریٹوں کو اپنی پوسٹنگ کی جگہوں سے تبدیل کرنے سے انکار کردیا جو سابق حکومت کے دوران تعینات کئے گئے تھے۔ آپ اکثر کہا کرتے تھے کہ صرف ایک نااہل کاریگر ہی اپنے ساز وسامان سے لڑتا جھگڑتا ہے۔ آپ معمولی مسائل اور معاملات میں الجھنے سے اجتناب کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے کہا کہ کیا میرا کام یہی ہے کہ میں لوگوں کو انکے گھروں سے بے دخل کردوں۔ لیکن بذات خود آپ دن رات کام پر لگے رہتے تھے اور اکثر اپنی استطاعت سے بڑھ کر کام انجام دیتے تھے۔ بلاشبہ، آپ جسمانی لحاظ سے نحیف وکمزور ہوچکے تھے لیکن پیرانہ سالی کے باوصف بھاری ذمہ داریاں انجام دے رہے تھے۔ آپ کے کام کرنے کے انداز میں بیس سالہ نوجوان کا جوش وجذبہ اور جنون پایا جاتا تھا اور آپ ہر ایک سے اسی ذوق وشوق اور جنون کے ساتھ کام کرنے کی امید رکھتے تھے۔ آپ کی صحت پوری طرح سے بگڑنے سے پہلے آپ نے چلہ کلان کی زمستانی سردی میں مسلسل چھ گھنٹے

شہر سرینگر میں ترقیاتی اور تعمیری کاموں کے جائزے میں صرف کئے ۔ بہت ہی مشکل اور نازک وقت میں جب یونیورسٹیوں کے وائس چانسلروں کا تقرر سیاسی انتخاب اور اکثر و بیشتر تنازعوں کی شکل اختیار کرنے کا ہر ممکن خطرہ ہر طرف منڈلا رہا ہوتا ہے آپ نے مجھے سرچ کمیٹی کے چیرمین کی حیثیت سے بہتر سے بہتر وائس چانسلر دُنیا کے کسی بھی کونے سے تلاش کرنے کے لئے کہا۔

سرکاری حکمنامہ کی رُو سے مجھے آپ کا مشیر مقرر کیا گیا تھا لیکن فی الاصل وہ میرے مُرشد، رہنما اور قابلِ قدر دوست تھے۔ آپ کی وفات سے قوم اور جموں و کشمیر ایک فراخ دل اور اعلیٰ پایہ سیاسی رہنما سے محروم ہو چکے ہیں۔ ایک ایسے بے باک قائد سے جو دل و دماغ کی اتھاہ گہرائیوں سے سیکولر مزاج و طبیعت رکھتے تھے۔ مفکر، مدبر اور برصغیر کے ایک ہوش بین سیاسی قائد جیسے القاب آپ اور آپ کی سیاسی میراث کے لئے معنی و مفہوم کے لحاظ کم تر محسوس ہوتے ہیں۔

مفتی صاحب کے دورِ حکومت کے ساتھ کم سے کم تین متصل سیاسی ورثہ منسلک رہے ہیں اور ان تینوں ورثوں کا آنے والے مستقبل میں جموں و کشمیر کی سیاست کی توضیح و تشریح میں مسلسل عمل دخل رہے گا۔ مفتی صاحب کے پیچھے چھوڑے ہوئے ان سیاسی ورثوں میں پہلی وہ سیاسی فہم و فراست ہے جس کی بنیاد پر اندرون ریاست اور سرحد کے اس پار صلح جوئی و تال میل کے ماحول کا قیام تھا۔ لیکن اندرون اور بیرون ریاست دونوں سطحوں پر مفتی صاحب کے اس خواب کو غلط پیرایہ اور منفی تاثر کے ساتھ اخذ کیا گیا جس کے نتیجے میں اسے بہت دقتوں اور مسائل کا سامنا رہا لیکن وہ اپنے موقف پر مضبوطی سے ثابت قدم رہے۔ بی جے پی کے ساتھ مخلوط حکومت قائم کرنے کے فیصلہ پر جب پارٹی اور پارٹی سے باہر اس کے مخالف تھے

لیکن وہ اپنے فیصلہ پر قائم رہتے ہوئے یہ دلیل پیش کرتے رہے، ''باوجود یہ کہ اگر پی ڈی پی کو اکثریت حاصل ہوتی تب بھی ہم جموں کو نظر انداز نہیں کر سکتے جہاں بی جے پی کو بھاری اکثریت حاصل ہوئی ہے۔۔'' یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس کی نشاندہی آپ نے بجا طور کی کہ جموں و کشمیر کے قدآور اور مقبولِ عام سیاسی لیڈر نے ایک بڑی غلطی کی کہ اُنہوں نے صوبۂ جموں کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ یہاں تک کہ اس کا مہاراجہ کے خلاف ''کشمیر چھوڑ دو'' کا نعرہ بھی کشمیر تک ہی محدود تھا۔''

مفتی صاحب اس بات سے اچھی طرح واقف تھے کہ پی ڈی پی اور بی جے پی کا حکومتی اتحاد قائم ہونا قطبین کا ملن ہونے کے مترادف ہے۔ مگر ساتھ ہی وہ اس امر سے بھی واقف تھے ریاست کے شیرازہ کو سالم اور قائم رکھنے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اسی طرح وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ دونوں ملکوں بھارت اور پاکستان کے مابین دائمی امن اور خوشگوار تعلقات بحال کرنے کے لئے مذاکرات ہی واحد راستہ ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ نریندر مودی قیادت والی بھارتی حکومت اپنی پاکستان پالیسی کے حوالہ سے غیر یقینیت اور تذبذب کی شکار رہی ہے جب کہ مفتی سعید اس حوالہ سے بہت ہی واضح موقف رکھتے تھے اور آپ نے اپنے موقف کے حق میں دلائل پیش کر کے بھارت کی اعلیٰ سیاسی قیادت کو قائل کرنے کی اپنی انتھک کوششیں جاری رکھیں۔ آپ کی یہ رائے صد فیصد مبنی برحق ہے کہ بھارت اور پاکستان کے مابین جاری تنازعہ اور مناقشہ کا بدترین خمیازہ ریاست کے عوام کو بھگتنا پڑتا ہے۔ دونوں ہمسایہ ممالک کے مابین امن و امان اور دوستانہ تعلقات کے بے انتہا فوری اور پائیدار فوائد پنہاں ہیں اور ریاست جموں و کشمیر، جنوب ایشائی خطہ کے لئے امن و شانتی اور ترقی اور خوشحالی کے لئے نوید و انبساط ثابت ہو سکتی ہے۔

مفتی سعید کئی باراس بات کا برملا اعلان کر چکے تھے کہ وہ کسی مجبوری سے ہندوستانی نہیں ہے بلکہ خالصتاً اپنے ایمان واعتقاد کی وجہ سے وہ ایک ہندوستانی ہے۔آپ کے لئے نظریہ بھارت اس ملک کی شاندار متنوع سیاسی وسماجی خوبصورتی کے اظہار کے اندر موجود تھا۔ آپ نے بہار اسمبلی الیکشن کے حوالہ سے پہلے ہی پیش گوئی کرر کھی تھی جب کہ ملک کے سیاسی تجزیہ نگاراور الیکشن ماہرین اپنی آراءاور تجزیوں میں ہچکولے کھاتے رہے۔ بہار الیکشن کے حوالے سے آپ کی پیش گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوگئی اور بی جے پی کو بہار اسمبلی الیکشن میں ہار کا سامنا رہا۔ آپ کہا کرتے تھے کہ" بھارتی عوام کبھی کبھار فرقہ وارانہ انداز میں سوچ اور سمت اختیار تو کر سکتے ہیں لیکن وہ کبھی بھی کھلے عام جارحانہ فرقہ واریت کے حق میں نہیں ہوسکتے۔۔۔" اس کے ثبوت کے طور یہ امر واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے کہ ایودھیا میں بابری مسجد کے انہدام کے بعد مدھیہ پردیش، راجستھان، اتر پردیش میں اور فیض آباد سمیت بی جے پی الیکشن ہار گئی۔ جموں وکشمیر کے حوالہ سے بھی وہ اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ کشمیر پنڈتوں کی واپسی نہ صرف اس بے گھر ہوئی اقلیتی کمیونٹی کے حق میں سودمند اور خوش آئند ہے بلکہ اکثریتی کمیونٹی کے حق میں فائدہ مند ثابت ہوگا۔ کشمیری پنڈتوں کی واپسی نہ صرف ریاست کے اندرونی صورتحال کی بہتری کے لئے ضروری ہے بلکہ بیرونی اور خارجی امور کے لئے بے حد ضروری ہے۔ ان کی واپسی کی راہ میں رکاوٹیں حائل کرنے والے عناصر ملک کے کثرت میں وحدت کے کردار کو مجروح کرنے کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ اس بات میں راسخ العقیدہ تھے کہ جمہوریت خیالات کی کشمکش کا نام ہے۔اس کے اندر پُرامن اختلاف رائے کے اظہار کو

ہر صورت میں یقینی بنایا جانا چاہئے۔ چہ جائیکہ اس سے زمینی سطح پر کیسے بھی حالات رونما ہوجائیں۔ آپ کے اندر لوگوں کو معاف کرنے اور صلاح جوئی کا بے حد جذبہ تھا اور معمولی مسائل اور دیگر کم تر تنازعوں میں الجھنے کی عادت سے آپ کوسوں دور تھے۔ ایک طرف آپ اچھے خصائل اور مستحسن اوصاف کا مجسمہ تھے تو دوسری طرف آپ کے ساتھ یہ المیہ رہا کہ آپ کو سمجھنے میں اکثر لوگوں نے بھول کی کیونکہ آپ نمائشی اور اشتہاری مزاج نہیں رکھتے تھے۔ خاموش مزاجی اور کم گوئی آپ کی پہچان اور شناخت تھی۔ سخت مصروفیات اور عدیم الفرصت ہونے کے باوجود اپنے روز مرہ معمولات اور منصبی ذمہ داریوں کی عمل آوری کو متوازن اور موزون انداز میں سختی سے عمل پیرا تھے۔ ایسا کرنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا وہ بھی جب صحت میں کمزوری اور ضعیف العمری کا سامنا ہو۔ کہا جاتا ہے آپ کی سیاسی بالغ نظری اور وسیع اور اعلی پایہ وژن کو صحیح معنوں میں سمجھنے میں وقت لگے گا کیونکہ جیتے جی آپ کے ساتھ عوامی اور سماجی سطح پر یہ رویہ روا رکھا گیا۔ آنے والے زمانے میں لازمی طور عوام الناس اور ملک کی سیاسی قیادت کو اس امر کا احساس ہو جائیگا کہ مفتی صاحب کی قیادت سے محرومی کوئی چھوٹا واقعہ نہیں ہے۔ مفتی صاحب نہ صرف ریاست کے ایک قد آور سیاسی رہنما تھے بلکہ ملک کے مسلمانوں کے لئے دردمند دل رکھنے والے سیاسی مدبر بھی تھے۔ علی الخصوص، جموں و کشمیر میں آپ کی رحلت سے پیدا شدہ خلاء کو پورا کرنے کے لئے بہت بڑا وقت درکار رہے گا۔

(انگریزی سے ترجمہ: محمد مقبول وانی)

☆☆☆
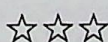
☆......غلام نبی خیالؔ

مفتی محمد سعید:
”ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے“

اُردو کے معتبر شاعر سکندر علی وجدؔ کا زبان زد شعر ہے:

جانے والے کبھی نہیں آتے
جانے والوں کی یاد آتی ہے

مفتی محمد سعید (12/جنوری 1936ء۔ 7/جنوری 2015ء) اگر چہ دوبارہ اس عالم فانی میں زندہ وجود بن کر نہیں آسکتے لیکن ان کی خوشگوار یادان کے بہی خواہوں کے دل و ذہن پر مدتوں تک مہکتے گلابوں کی طرح مشک بیز رہے گی۔

1947ء سے لے کر تا ایں دم ریاست کے جتنے بھی وزرائے اعظم یا وزرائے اعلیٰ گزرے ہیں ان کی ذات و صفات کے حوالے سے مختلف نوع کی انگشت نمائی ہوتی آئی ہے لیکن مفتی صاحب غالباً واحد مقامی سیاست دان ہیں جن کی اخلاقی زندگی اور ذاتی اوصاف کے بارے میں ان کے حریفوں تک نے بھی کبھی لب کشائی نہیں کی۔

مفتی صاحب سے میری پہلی ملاقات اُس وقت ہوئی جب وہ سرینگر کے جنوبی علاقے تلسی باغ میں ایک سرکاری مکان میں رہائش پذیر تھے۔ وقتاً فوقتاً ان کے پاس جا کر عموماً غیر سیاسی تبادلۂ خیال کرتا اور وہ مکمل توجہ سے میری باتیں سنتے۔ انہی دنوں نوزائیدہ جنتا پارٹی کا جنازہ شیخ محمد عبداللہ کے ہاتھوں قبل از وقت ہی اٹھ چکا تھا اور میری روزی روٹی بھی اس ضرب کاری کی زد میں آ گئی تھی۔ جب یہاں مولانا محمد سعید مسعودی کی سربراہی میں یہ درآمدی جماعت قائم ہوئی تھی تو شمیم احمد شمیم کے ہزار جتن کے باوجود میں نے اس جماعت میں شامل ہونے سے قطعاً انکار کیا تھا جسے مولانا نے بھی پسند نہیں کیا تھا۔ بعد میں یہی طے پایا کہ میں جنتا پارٹی کے صدر دفتر پر ہر روز باضابطہ حاضر ہو کر اس تنظیم کے پریس نوٹ تیار کیا کروں۔ اس بے نتیجہ کام کے عوض مولانا نے اپنی صوفیانہ فیاضی سے بھرپور کام لے کر میرا ماہانہ مشاہرہ مبلغ ساڑھے تین سو روپے مقرر کیا۔ ایک خرقہ پوش مولانا مسعودی کی نظروں میں یہ ایک بہت بڑی رقم تھی لیکن مجھ جیسے چھ فٹ دراز قد شخص کے لئے یہ اونٹ کے منہ میں زیرہ کے مترادف تھا۔ پھر بھی قناعت کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ شکر اللہ کا۔

جنتا پارٹی کے دروازے پر تالا چڑھ گیا اور میں بے روزگار ہو گیا۔ میں نے حوصلے کو ہاتھ سے جانے نہ دیا کہ میں آسمان سے تو گرا مگر کھجور میں نہیں اٹکا۔ ایک دن مفتی صاحب نے میری اس ناگفتہ بہ مالی حالت کا اندازہ لگاتے ہوئے مجھ سے کہا کہ کیا میں ایک مقامی روزنامے کے لئے مستقل طور پر ایک کالم لکھنے پر تیار ہوں جس کے لئے مجھے مناسب معاوضہ دیا جائے گا۔ یہ اظہارِ ہمدردی میرے لئے ایک جان افزا مژدہ تھا لیکن جب میں نے ان سے کہا کہ اس خبار کا مالک غالباً

دسویں پاس بھی نہیں اور میں کب کا چودھویں کا مرحلہ طے کر چکا ہوں تو وہ اپنی خفت مٹانے کے لئے مجھ سے معذرت خواہ ہوئے اور کہا کہ اگر انہیں میری علمی قابلیت سے آگاہی ہوتی تو وہ ہرگز یہ تجویز میرے سامنے نہیں رکھتے۔ مفتی صاحب میری مالی اعانت کیا کرتے، وہ تو خود الف لیلوی سیاست کی پُرکشش دنیا سے کنارہ کش ہوکر سرینگر سے بجبہاڑہ کی خاک چھان چھان کر کنگال ہو چکے تھے مگر میں نے انتہائی تعجب کے عالم میں یہ دیکھا کہ ان کے حوصلے جوان اور ارادے مضبوط ہیں اور وہ پُرسکون انداز میں اطمینان قلب سے اپنے دن خاموشی کے ساتھ کاٹ رہے ہیں۔

بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ مفتی صاحب کو اچھی فلمیں دیکھنے کا بے حد شوق تھا۔ ایک دن میں نے ان سے کہا کہ یہاں ''ایک پھول دو مالی'' کی شوٹنگ چل رہی ہے اور اس کے لئے بلراج ساہنی اور مجروحؔ سلطانپوری بھی آئے ہیں جو اوبرائے ہوٹل میں ٹھہرے ہیں۔ بلراج ساہنی کا نام سن کر ان کی آنکھوں میں ایک خاص چمک پیدا ہوئی اور کہا: ''بلراج ساہنی تو ایک ترقی پسند عظیم فن کار ہیں۔ میرے مرّبی اور سیاسی رہبر صادق صاحب ان کی بہت عزت کرتے ہیں''۔ مفتی صاحب نے خود ساہنی صاحب سے ملنے کی خواہش ظاہر کی جو پوری نہیں ہوسکی کیونکہ ساہنی صاحب کو جلد ہی واپس بمبئی جانا پڑا۔ البتہ میں مجروحؔ صاحب، موسیقار روی، اداکارہ سادھنا اور سنجے خان (عباس خان) کی صحبت میں ان کا فنکارانہ فیض کا لطف کئی روز تک اٹھاتا رہا۔ مفتی صاحب کی بلراج ساہنی کے تئیں عقیدت اور محبت اُس وقت بھی ظاہر ہوئی جب انہوں نے بعد میں ساہنی صاحب ہی کی بنائی ہوئی اردو فلم ''مہجور'' براڈوے سینما میں دیکھی اور مجھے ان کے ساتھ بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا۔ فلم دیکھنے کے دوران وہ مجھ سے بار بار اس کے اداکاروں کے بارے میں

پوچھتے رہے اور جب میں نے ان سے کہا یہ سبھی مقامی فن کار ہیں تو خوشی سے ان کی باچھیں کھل اٹھیں اور مسکراتے ہوئے بولے: ''مجھے خوشی ہے کہ میرے کشمیر میں صلاحیت کی کوئی کمی نہیں''۔

مفتی محمد سعید کی سیاسی زندگی میں کئی مدوجزر آئے لیکن وہ کبھی جذبات کی رو میں نہیں بہے اور انہوں نے ہمیشہ بُردباری اور صبر کا دامن پکڑ کے رکھا۔ 1975ء میں جب شیخ محمد عبداللہ نے اندرا گاندھی کے ساتھ سمجھوتہ کیا اور انہیں وزیر اعلیٰ بنایا گیا تو وہ دلی سے سری نگر آئے۔ وادی میں قاضی گند ان کا پہلا پڑاؤ تھا جہاں انہوں نے ایک عوامی اجتماع سے خطاب کرنے کا فیصلہ کیا تا کہ وہ اپنے اس سیاسی فیصلے کے ردعمل میں کشمیریوں کی نبض کو پہنچان سکیں۔ میرے دوست اور شیخ صاحب کے منہ بولے فرزند شیخ نذیر نے اخبار نویسوں کو بھی قاضی گنڈ آنے کی دعوت دی لیکن میرے اور ''ولر'' کے مدیر جی ایم ڈار کے سوا کوئی اور اخبار نویس یہ دعوت قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوا۔ بہر حال میں اور ڈار صاحب ایک ٹیکسی میں قاضی گنڈ پہنچے تو وہاں شیخ صاحب ڈاک بنگلے میں ٹھہرے تھے اور ان کے ساتھ مرزا افضل بیگ اور حسام الدین بانڈے بھی تھے۔ شیخ صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ آیا باہر لوگ جمع ہوئے بھی ہیں یا نہیں۔ میرے جواب دینے سے پہلے ہی ڈار صاحب بول اٹھے: ''جناب! وہاں تو لوگوں کی بھیڑ لگی ہے''۔ مجھے یہ دروغ گوئی بالکل اچھی نہیں لگی اور میں نے شیخ صاحب سے صاف صاف کہا: ''سر! میں نے باہر سٹیج کے سامنے صرف سات افراد کو دیکھا، وہاں اور کوئی نہیں تھا''۔ شیخ صاحب کو میری بات کا یقین ہوا تو کہا: ''کوئی بات نہیں۔ ہم بس انہیں سلام کر کے چلیں گے''۔ جب یہ قافلہ کھنہ بل پہنچا تو وہاں پر کالج کے اندر سے زبردست سنگ باری ہوئی۔ چند لمحوں کے لئے ایک بھگڈر

سی مچ گئی مگر کارواں آگے بڑھا۔ بیج بہاڑہ میں شیخ صاحب رُکے اور اپنی بس کی چھت پر سوار ہو کر اسی قصبے کے رہنے والے مفتی محمد سعید کی ذات کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا اور انہی کو اس پتھراؤ کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ مفتی صاحب اگرچہ اُس وقت گھر پر ہی تھے لیکن انہوں نے ساری زندگی اس کا ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس حرکت میں مفتی صاحب کا کوئی ہاتھ نہیں تھا بلکہ کھنہ بل میں طلباء شیخ صاحب کے ''کشمیر ایکارڈ'' سے خوش نہیں تھے۔ اسی طرح جب دسمبر 1989ء میں جب ان کی تیسری صاحبزادی روبیہ سعید کے اغوا کا واقعہ پیش آیا تو مفتی صاحب نے یہ ستم بھی مکمل خاموشی کے ساتھ سہہ لیا اور زبان پر حرفِ شکایت تک نہیں لایا۔

مفتی صاحب کی ایک مخصوص عادت یہ تھی کہ وہ کسی کی بات یا صلاح مشورے پر فوری ردِعمل کبھی ظاہر نہیں کرتے تھے۔ ان کا شیوہ تھا کہ ہر بات اطمینان اور برداشت سے سنتے، پھر اسے اپنی صوابدید کے ترازو میں تول کر ہی کوئی مناسب فیصلہ کرتے۔

جب وہ دلی میں ہمایوں روڈ پر مقیم تھے تو میں ان سے ملنے گیا۔ یہ غیر رسمی ملاقات تقریباً ایک گھنٹے تک جاری رہی۔ میں وہاں سے رخصت ہوا تو باہر مجھے خیال آیا کہ مجھے ان سے ایک ضروری بات کرنی تھی کہ ان کے دو ساتھی عنقریب ہی ان کا ساتھ چھوڑ سکتے ہیں۔ اس بات کا کسی نے مجھ سے ذرّہ بھر بھی تذکرہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ خیال ایک کوندے کی طرح میرے ذہن میں لپکا تھا۔ میں ان سے یہ کہنا بھول گیا تھا لیکن اب واپس ان کے پاس جانا مناسب نہیں تھا۔ خدا کا ایسا کرنا ہوا کہ جو اصحاب میرے ذہن میں تھے ان میں سے کئی ایک چند ہی دنوں میں مفتی صاحب کو چھوڑ کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا گئے اور دوسرے صاحب نہ جانے کس گھڑی کا انتظار کر

رہے ہیں۔ جب میں نے مفتی صاحب سے اس پرانی بات کا ذکر 2015ء میں سرینگر میں ان کی سرکاری رہائش گاہ پر کیا تو وہ حسبِ عادت صرف مسکرائے اور زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکالا۔

مفتی محمد سعید کی کم وبیش ساٹھ سالہ سیاسی زندگی میں کئی نشیب وفراز آئے لیکن انہوں نے جو بھی قدم اٹھایا اس میں ان کی معاملہ فہمی اور دوراندیشی کا بہت عمل دخل رہا۔ کانگریس سے کنارہ کش ہونے کے بعد وہ محض اپنی ذاتی زندگی کے معاملات کو سنبھالتے رہے اور جب انہوں نے اپنے دوست اور بہی خواہ وشوانا تھ پرتاپ سنگھ سے ہاتھ ملایا تو وزیراعظم سنگھ نے انہیں مرکزی کابینہ میں شامل کر کے ملک کی وزارتِ داخلہ کا ایک اہم قلم دان سونپا۔ اس عہدۂ جلیلہ پر کسی مسلمان کا براجماں ہونا ایک اچھنبے والی بات تھی۔ اس سے مفتی صاحب کی وطن پرستی اور حب الوطنی کی ایک مثال قائم ہوگئی۔

جولائی 1984 میں ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی سرکار کا تختہ پلٹنے کے عمل میں مفتی صاحب کا بھی بالواسطہ ہاتھ بتایا جاتا ہے۔ مفتی صاحب نے اپنی زندگی کا آخری پتہ اُس وقت پھینکا جب انہوں نے بالخصوص نیشنل کانفرنس جیسی غالب علاقائی جماعت کے مقابلے میں پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی کا قیام عمل میں لایا۔ یہ پتہ ان کے لئے سیاسی کامرانی کی دستاویز بن گیا اور اس کی بدولت وہ دومرتبہ ریاست کے وزیراعلیٰ بن گئے۔

اُن کی حکومت کے دوراوّل میں جرمنی سے ایک مشہور اخبار نویس کشمیر آیا اور اس نے مجھے اس ہوٹل میں بلایا جہاں وہ قیام پذیر تھا۔ جب وہ دہلی میں تعینات تھا تو میں نے اس کے اخبار کے لئے کئی سال تک مقامی نامہ نگار کی حیثیت میں کام

کیا تھا۔ احدوز ہوٹل سے جب ہم اس کے عقبی طرف کا رخ کر کے گھوم رہے تھے تو اس نے دریائے جہلم کے کناروں پر نظر ڈالی اور وہ بے حد بشاش ہوا۔ دراصل ان گندے اور غلاظت بھرے کناروں کو سالہا سال سے اسی بدزیب حالت میں رکھا گیا تھا اور ان کی بہتر شکل وصورت کی طرف کوئی سرکار متوجہ نہیں ہوئی تھی۔ مفتی صاحب نے ان خستہ حال کناروں کی اس طرح تزئین کی کہ ان کی طرف نظریں جو ایک بار اٹھتیں تو پھر انہی پر مرکوز ہو جاتیں۔ اس مغربی اخبار نویس نے مجھے تاکید کی کہ جب میں مفتی صاحب سے ملوں تو انہیں اس ماحولیاتی حُسنِ ظن کے لئے مبارک باد دوں۔

اسی طرح اپنے چند ماہ کے دورِ ثانی میں انہوں نے پرانے زیرو برج کو از سرِنو سنوار کے اسے دھواں دھار گاڑیوں کی آمدورفت کے برعکس سیاحوں کی خاطر جمعی کے لئے ایک نئی نویلی دلہن کی طرح سجایا۔ کہنے کو تو یہ بہت چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں لیکن ایسی ہی چھوٹی کارکردگیوں سے شہر کے زخم خوردہ ماحول میں کس حد تک سرتازگی آسکتی ہے اس کا اندازہ کوئی ریڑھے والا نہیں لگا سکتا۔ میں نے ذاتی طور پر ان میں مکمل جمالیاتی حسن کے احساس کو خود بھی محسوس کیا جس کے رو سے وہ سری نگر کو بھی، جسے وہ اپنا دل سمجھتے تھے، ایک حسین ترین شہر یعنی عروس البلاد کی شکل وصورت دینے کے خواہش مند تھے۔ اسی جذبے کی پیروی میں انہوں نے اس مسخ شدہ اور گندگی سے آلودہ نگر کو نیا رنگ وروپ دینے کی غرض سے اپنی کمزوریٔ صحت کے باوجود اور معالجوں کی تنبیہہ کے برعکس تقریباً سات گھنٹے تک اس کا ایک ہنگامی دورہ کیا جو اُن کے لئے جان لیوا ثابت ہوا۔ اُس دن کے بعد وہ صاحبِ فراش ہوئے اور پھر کبھی نہیں اٹھے۔

مفتی صاحب کشمیر کے وہ واحد سیاست دان تھے جنہوں نے ملک بھر میں نام کمایا اور انہیں ہندوستان میں ایک قوم پرست اور محبّ الوطن رہنما کی حیثیت حاصل ہوئی۔ مقامی سطح پر انہوں نے غلام محمد صادق اور غلام نبی آزاد کے بعد ایماندار اور حلال خور حاکم کی طرح اپنے آپ کو بدعت سے مبرّا رکھا اور اپنے صاف و شفاف دامن کو اُن آلائشوں سے پاک رکھا جو اقتدار میں آتے ہی اصحاب اقتدار کو حرام خوری کی خوگر بننے کی طرف راغب کرتی ہیں۔ اس طرح انہوں نے اپنے کسی حریف یا حلیف کو انگشت نمائی کا موقعہ نہیں دیا۔

مفتی محمد سعید نے اپنی زندگی کا آخری داؤ ایک غیر متوقع صورت حال کے سامنے سینہ سپر ہو کر کھیلا اور جب انہوں نے 2014ء کے انتخابات کے بعد بھارتیہ جنتا پارٹی سے نظام حکومت سنبھالنے کی خاطر ہاتھ ملایا تو کئی حلقوں سے اس اقدام پر حرف گیری کی گئی کیونکہ ان کی جماعت پی ڈی پی اور بی جے پی کے سیاسی نظریوں میں زمین آسمان کا تفاوت موجود تھا۔ لیکن انہوں نے انتہائی تجربہ کاری اور فکری سوجھ بوجھ سے قطب جنوبی اور قطب شمالی کا یہ ملن اس طرح قائم کیا کہ کئی مشکلات اور غیر موافق کوائف کے باوجود ان کا پلہ بھاری رہا اور اختلافی مسائل پر جب ان کی رائے زنی کا موقعہ آیا تو انہوں نے خود خاموش رہ کر مخالفوں کو بھی خاموش رہنے پر مجبور کیا۔

ان کے ایک قریبی اہل کار کے بقول مفتی صاحب رات کے گیارہ بارہ بجے تک سرکاری معاملات کو نپٹانے میں مصروف رہتے تھے لیکن انہیں یہ شکایت بھی تھی کہ کابینہ کے اراکین کی شکل میں انہیں ایک فعال اور قوم کے درمند ساتھی بہت کم نصیب ہوئے جس کا انہیں واقعی قلق تھا۔ وہ اپنے سیاسی اور انتظامیہ کے دست و بازو

سے مطمئن نہیں تھے۔

بادِ مخالف کے زوردار تھپیڑوں سے ٹکراتے ہوئے مفتی محمد سعید نے انتہائی شرافت، متانت اور دیانت کے ساتھ آخری دور کے اقتدار کے گنے چنے دن گزارے اور اہل کشمیر کے دل و دماغ پر ایک یکتائے روزگار وزیراعلیٰ کی حیثیت میں دیرپا نقوش مرتب کیئے۔

سیاسیاتِ کشمیر میں جن شخصیات کے دنیا سے اٹھ جانے کا مجھے آج بھی قلق ہے اور آئندہ بھی رہے گا ان میں مولانا محمد سعید مسعودی، غلام محمد صادق، شیو نراین فوطیدار، حسام الدین بانڈے، کشیپ بندھو، غلام قادر شیر گاندربلی، صوفی محمد اکبر، محمد خلیل جوہر، پیارے لال کارِہ ہلو، غلام رسول کوچک اور مفتی محمد سعید کے نام اس وقت مجھے یاد آرہے ہیں۔ میں بھی عمر کے اس آخری پڑاؤ پر ان کی ارواح سے ملاقات کے لئے کمر باندھے ہوئے چلنے کو تیار بیٹھا ہوں لیکن جانے سے پہلے کہوں گا کہ مفتی مرحوم کی روح آج بھی اہل کشمیر سے بہ زبان حال کہہ رہی ہوگی:

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے
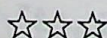
☆......پروفیسر عبدالغنی بٹ

یادِ یارِ مہر آشنا آید ہمی

ابو الاعلیٰ مودودی— مفکرِ اسلام، موسّس جماعت اسلامیہ اور جوشؔ ملیح آبادی— صورت گرِ حُسن وکمال، شاعرِ رنگ وآہنگ— دو مختلف سوچ— نگاہوں کے دو مختلف زاویئے— دو مختلف رویّے— لیکن پھر دوستی کا کمال دیکھئے کہ دونوں کے درمیان دوستی بے مثال— دوستی کی مٹھاس تو مٹھاس، دوستی کی گہرائیوں اور گیرائیوں کو لیجئے، مزاج میں اختلاف، رویّوں میں اختلاف، کہ نظر ہی نہیں آتا ہے۔ ایک بے مثال تعلق— ایک بے نظیر اشتراک— میں مولانا کی عظمتوں کو سلام پیش کرتا ہوں— جوش کی رفعتوں کو سلام پیش کرتا ہوں— تطبیق میرے پیشِ نظر نہیں— کسی کو کسی پر فوقیت دینا مقصود نہیں، اِلا یہ کہ تمثیلاً دوستی کے حوالے سے بات کرتا ہوں— قارئین، اپنے طور لُطفاً بات سے بات نکالنے کی کوشش نہ کریں— مرحوم مفتی محمد سعید اور میرے درمیان دوستی بلوغیت کی دہلیز پہ پروان چڑھی— پختگی کے ساتھ— شایستگی کے ساتھ اور شستگی کے ساتھ— کوئی آمیزش نہیں— سیاست کی یا پھر ریاست کی— ایک تعلق تھا کہ پروان چڑھا— متانت کے ساتھ پروان چڑھا— مرحوم

مفتی صاحب نہیں رہے—اور میں ہوں—میرا خیال ہے کہ ہمارا تعلق، ہمارا رشتہ لافانی ہے—وہ اِس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔ میں بھی رخصت ہو جاؤں گا۔ یہ موت مادی وجود کی موت ہے اور وہ رشتہ جسے آپ دوستی کہتے ہیں—روحوں کا رشتہ ہوتا ہے—لافانی—جب مفتی صاحب اِس جہاں کو چھوڑ کر چلے گئے، وہ وزیر اعلیٰ تھے اور میں ایسی سیاسی تنظیم سے وابستہ جو کشمیر کو متنازعہ تصوّر کرتی ہے۔ گہرا اِختلاف۔ لیکن دوستی کی گہرائیوں کے مقابلے میں اختلاف کی یہ گہرائی مانع نہیں ہو سکی—اور میں تعزیت کے لئے اُن کی رہائش گاہ چلا گیا—وہاں ایک مجلس ترتیب پائی تھی۔ جس میں مجھ سے تقاضا کیا گیا کہ میں موت وحیات کے تعلق سے بات کروں۔ چنانچہ میں نے سورۃ الملک کے حوالے سے اپنی تقریر کا آغاز کیا۔ وہاں وہ لوگ بھی تشریف فرما تھے جو نہ عربی سمجھتے تھے نہ اِسلام سے اُن کا کوئی تعلق تھا اور نہ کشمیری زبان سے شناسائی—اُنہوں نے چاہا کہ میں اردو یا انگریزی میں بات کروں تو میں نے اُن کی خواہش کے عین مطابق انگریزی میں بھی جملے کسے—اور اردو میں بھی۔ میں نے اُن سے کہا کہ متذکرہ سورت میں، اگر ہم الفاظ کی ترتیب کو لیں تو پہلے موت پھر حیات—یا پھر یہ کہ جیسے کہا جا رہا ہے—جب موت واقع ہو جاتی ہے تو صبحِ دوامِ زندگی پھوٹتی ہے—زندگی کا سورج غروب نہیں ہوتا ہے—زندگی کا سورج یوں طلوع ہو جاتا ہے کہ اَب ڈوبے ہی نا—اِس لئے اِس ترتیب کو سمجھنا چاہئے۔ جب ہی تو مولانا رومی نے کہا ہے۔

"The beauty of living lies in dying, which is you can recognise beauty of living only, at death. If you die, serving your people, allevating the pain of the people who are in pain, your dying will be pleasant. More

pleasant, than the pleasant mornings of spring."

My friend Mufti Mohammad Sayeed chose to take stock of the projects under construction in Srinagar from morning till evening towards the end of his life. He fell in the evening and never got back to Srinagar alive. He died while serving and I trust – he died a pleasant death – God bless him.

ہماری دوستی کا آغاز بلوغیت کی دہلیز پر صورت پذیر ہوا۔ جیسا میں نے ابتداً کہا ہے، ہم دونوں گاؤں سے تعلق رکھتے تھے۔ میرا تعلق کمراز سے تھا اور اِن کا مراز سے۔ اور ہم یمراز میں جمع ہوگئے۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے ہم کو کاتبِ تقدیر نے ایک دوسرے کے ساتھ دوستی کے بندھن میں باندھنے کے لئے بربرشاہ کے محلے کا انتخاب کیا ہو۔ اور ہمارے رہن سہن کا اہتمام بھی دو چچا زاد بھائیوں کے گھروں میں رہنے کے لئے ہوا۔ بربرشاہ کے شاہ خاندان میں دو اَجنبی طالبانِ علم و دانش ایس پی کالج کا راستہ لئے ہوئے جارہے تھے کہ ایک دوسرے سے اُن کی ملاقات ہوئی۔

Mufti Sahab was bigger, bulkier and probably a shade more impressing than me. But let me go on record in all humanity that I would never disappear in his shadow.

مفتی صاحب عربی کے طالب علم تھے اور میں فارسی کا۔ اس کے علاوہ ہمارے جو مضامین تھے وہ ہم ایک ہی کلاس میں پڑھا کرتے تھے۔ ایک ہی خاندان۔ ایک ہی محلّہ۔ ایک ہی کالج۔ دو دِلوں کی ایک ہی دھڑکن۔ لیکن راستے جدا جدا ہوگئے۔ اس کے باوجود ہماری دوستی قائم رہی۔ ہم علی گڑھ میں بھی ایک

ساتھ تھے۔ میں مفتی صاحب کے سیاسی نظریات سے اختلافات کے باوجود اُس تعلق کی حفاظت میں، جسے دوستی کہتے ہیں، بڑی احتیاط سے کام لیتا تھا اور مفتی صاحب اپنے طور پر، بالکل ایسے ہی۔ اس تعلق پر منفی اثرات مرتّب ہوتے نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ جب وزیر ہوئے، مجھے کبھی جموں میں اپنے گھر میں کھانا بھی کھلایا کرتے تھے۔ کبھی کبھار دُکھ بھری سیاسی داستانوں کا دور بھی چلتا تھا۔

مفتی صاحب سیاست میں تھے۔ وزیر ہو گئے۔ میں پروفیسر ہو گیا۔ میں پروفیسر تھا، کبھی کبھی غالباً بے باکی کے ساتھ صداقت سے کام لیتا تھا۔ نتیجتاً، مجھے ملازمت سے برخاست کیا گیا۔ مجھے جب ملازمت سے برخاست کیا گیا تو میں پورے تئیس برس درس و تدریس کا فریضہ انجام دے چکا تھا۔ یکم مارچ 1963 میں پروفیسر بنا اور 29 رفروری 1986ء کو نوکری سے برخاست کیا گیا۔ ملازمت سے برخاستگی کے نتیجے میں میرے لئے سیاست کے دروازے کھُل گئے اور میں بھی وہیں پہنچا جہاں مفتی صاحب بہت پہلے پہنچ چکے تھے۔ زندگی کے انداز مختلف ہوا کرتے ہیں۔ کبھی دلکش۔ کبھی دِل شکن۔ لیکن پھر کبھی کبھی یہ انداز کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں۔ 1986ء کشمیر کی سیاست میں ایک نئے باب کا آغاز تھا۔ کشمیر کی سیاست میں پہلی بار اجتماعی قیادت کا تصوّر پیش کیا گیا اور مسلم متحدہ محاذ تشکیل پایا۔ ایسی تبدیلی صورت پذیر ہو رہی تھی جس کے انداز کو بھانپا نہیں جا سکتا تھا۔ مسلم متحدہ محاذ کی تشکیل میں میرا کلیدی رول تھا۔ 1987ء میں انتخابی عمل کا آغاز ہوا۔ مسلم متحدہ محاذ کی ایک مجلس میں طویل بحث و تمحیص کے بعد طے پایا کہ ایک مخصوص حکمت عملی کے تحت انتخابی عمل میں حصہ لیا جائے۔ انتخابی مہم کے دوران ایک بار میں بیج بہاڑہ پہنچا جہاں مفتی صاحب کا گھر ہے۔ مفتی صاحب ریاستی کانگریس کے سربراہ

تھے۔ حُسنِ اتفاق کہئے کہ قبحِ اتفاق۔ مفتی صاحب گھر پہ تھے۔ میں نو آموزِ سیاست۔۔ وہ کہنہ مشق۔ میری ایک سیاست۔ اُن کی دوسری۔ لیکن چوں کہ انتخابی عمل میں جیت کے لئے ہاتھ وہاں بھی پہنچتے ہیں جہاں نہیں پہنچنے چاہئیے تھے تو میں نے مفتی صاحب سے مخاطب ہو کر کہا۔ مفتی صاحب آپ میرے دوست۔ میں آپ کا دوست۔ ہم انتخابی عمل میں کود پڑے ہیں۔ میں آپ سے ووٹ نہیں مانگ سکتا۔ لیکن میرا یقین ہے کہ آپ مسلم متحدہ محاذ کے اُمیدوار کو ووٹ دیں گے۔ مجھے یقین تھا کہ مفتی صاحب اگر ہماری حمایت نہ کریں، نہ سہی لیکن مخالفت بھی نہیں کریں گے۔ دوستی میں بڑی طاقت ہوا کرتی ہے، وہ کبھی کبھی بڑی قربانیاں پیش کرنے کے لئے بھی تیار ہو جاتی ہے۔ دوستی نے بڑے بڑے کارنامے بھی انجام دیئے ہیں اور کبھی کبھی دوستیوں میں بڑے بڑے نقصانات اور خسارے بھی اٹھانا پڑے ہیں۔

مفتی صاحب اور میرے درمیان تعلق سیاسی نہیں تھا۔ شخصی تھا۔ میرے چچیرے بھائی کانگریسی تھے اور مفتی صاحب کے گہرے دوست۔ لیکن وہ رشتہ سیاسی تھا۔ مفتی صاحب ہمارے گاؤں آیا کرتے تھے اور میں اُن کے گھر جایا کرتا تھا اور وہ بھی اُن کے بُلاوے پر۔ جب اُن کے گھر میں مچھلی اور آبی سبزی (بُمب) پکائی جاتی تھی۔

Before he took over as Chief Minister he would always call me for such feasts. He would occasionally give me the ring for a meeting during his Chief Ministership but I woud not oblige him. I never saw him at his home in his position as Chief Minister of J&K.

He was never quarrelsome, he could laugh away opposition or perhaps ignore it silently, either.

حق تو یہ ہے، ہم دو قالب تھے—جان ایک تھی— وہ اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کر گئے اور میں ابھی حیات ہوں اور جب تک زندہ رہوں گا—اپنے دوست مفتی محمد سعید کے ایصالِ ثواب کے لئے ہر روز نہ سہی لیکن ہر بڑے دِن اُنہیں فاتحہ بھیجا کرتا رہوں گا—اللہ کرے کہ وہ وہاں آسودہ رہیں—اور اُن کی یادیں میرے دِل و دماغ میں تازہ رہیں—۔

☆☆☆

☆......پروفیسر فاروق فیاض

مفتی محمد سعید ---
مرکزی سیاست اور علاقائی ایجنڈا

معاصر کشمیر کی سیاست اور حکومت کے پسِ منظر کو پرے رکھ کر، مفتی محمد سعید سیاست دانوں کے اس طبقے سے تعلق رکھتے تھے جنہوں نے اپنی سیاسی زندگی کے روزِ اول سے ہی ریاست جموں وکشمیر کا بھارت کے ساتھ مکمل الحاق کی پُر زور حمایت کی۔ آپ کی طویل سیاسی زندگی میں کبھی ایسا کوئی ناموافق واقعہ رونما نہیں ہوا جس کی بنیاد پر آپ ریاست کا مرکز کے ساتھ تعلق پر اپنے نقطہ نظر اور رائے کا از سرِ نو جائزہ لینے کی ضرورت محسوس کرتے۔ روائتی اور مذہبی خانوادے سے تعلق کی بناء پر آپ کی زندگی اور شخصیت اسی روایتی ماحول میں پروان چڑھی۔ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے عربی مضمون کا انتخاب، آپ کے روایتی تعلیمی، مذہبی اور خاندانی پس منظر کا عکاس تھا۔ دورانِ تعلیم آپ صرف اپنے مضمون تک ہی محدود نہ رہے بلکہ ایک پُر جوش طالبِ علم کی حیثیت سے خود کو دیگر علوم وافکار سے روشناس کراتے گئے۔ برصغیر کی مایہ ناز دانشگاہ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں

طالب علمی کے زمانے میں حصولِ تعلیم کے دوران آپ ساتھ ہی ساتھ غیر نصابی سرگرمیوں جیسے ثقافتی وتمدنی اور ادبی وسیاسی پروگراموں میں بھی بڑھ چڑھ کر شرکت کرتے رہے۔ یونیورسٹی میں اکثر و بیشتر اعلیٰ کانگریسی رہنماؤں کی آمد اور ان کے طلباء یونینوں اور تنظیموں کے ساتھ گفت وشنید نے مفتی سعید کے اندر سیاست کے تئیں دلچسپی اور شوق کا جذبہ اُبھارا۔ یونیورسٹی کیمپس میں ایک منفرد سیاسی نظریہ میں نشوونما پاتے ہوئے آپ نے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد سیاست کو اپنے کیریئر کے طور اختیار کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں شائستگی، فہم وتدبر اور صبر وضبط کے اعلی پایہ کے اصولوں کی فضا میں تربیت یافتہ مفتی محمد سعید بہت ہی قلیل عرصہ میں جموں وکشمیر کے سینئر کانگریسی رہنماؤں کا دل جیتنے کے ساتھ ساتھ ان کی حمایت حاصل کرنے میں بھی کامیاب رہے۔ سیاسی معاملات اور تنظیمی اُمور کے تئیں آپ کی گہری وابستگی اور جذبہ دیکھ کر آپ پر پارٹی کے کئی حساس انتظامی اور تنظیمی عہدوں کے فرائض نبھانے کی ذمہ داری عائد کی گئی، جنھیں آپ بڑے اعتماد کے ساتھ بحسن خوبی انجام دینے میں کامیاب رہے۔ اپنے سیاسی کیریئر میں مفتی صاحب کو اُس وقت پیش قدمی کرنے کا مناسب موقعہ ملا، جب اُس وقت کے ریاستی وزیر اعلی غلام محمد صادق انتقال کر گئے اور سید میر قاسم ریاست کی وزارت اعلیٰ کی کرسی پر براجماں ہو گئے۔ آپ اس موقعہ کا صحیح استعمال کر کے کانگریس کے اہم لیڈر کے طور ریاست کے سیاسی افق پر نمودار ہوئے۔ 1953ء میں شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری کے نتیجے میں جموں وکشمیر کے سیاسی منظر نامہ پر رونما صورتحال اس اہم ضرورت کی متقاضی تھی کہ ریاست میں ایسے پُر اعتماد اور قابلِ بھروسہ سیاسی رہنما منصۂ شہود پر آجائیں جن پر

ملک کے ساتھ وفاداری پر کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کیا جا سکے۔ مفتی محمد سعید اس معیار پر کھرا اُترتے تھے اور یہ اوصاف آپ کے اندر بدرجہ اُتم موجود تھے۔ شیخ عبداللہ کی عدم موجودگی میں، کانگریس کی مرکزی لیڈرشپ کی قیادت میں ریاست جموں وکشمیر میں جو سیاسی ماحول وقوع پذیر ہوگیا اس نے ریاست کے چند ایک جوان سیاسی لیڈروں کی سیاسی کردار سازی اور نظریاتی وفکری تعمیر میں کلیدی رول ادا کیا اور وہ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ ریاست کے معاصر سیاسی منظرنامہ پر گہرے اثرات مرتب کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس قبیل کے سیاستدانوں میں مفتی محمد سعید کا نامِ نامی بھی آتا ہے اور آپ کو متنوع سیاسی محاذوں پر ممتاز ومنفرد مقام حاصل رہا۔ سیاست میں اپنے ساتھیوں سے الگ مفتی محمد سعید کے اندر یہ خصوصیت تھی کہ وہ بدلتے حالات کے ساتھ ہردم رنگ بدلتے سیاسی نبض اور فضا کو ایک دم تاڑ لیتے تھے۔ دوسرا اہم وصف آپ کے اندر یہ تھا کہ معمولی وغیر معمولی اور حساس وغیر حساس دونوں سیاسی حالات میں خاموشی اختیار کرنے کی اہمیت اور افادیت سے آپ اچھی طرح واقف تھے۔ تیسری اہم خصوصیت یہ کہ آپ کی نظروں سے عوامی اعتبار کے حامل نمائندہ اداروں جیسے قانون سازیہ اور پارلیمنٹ کی اہمیت کبھی محو نہیں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ریاست کے ہردم بدلتے سیاسی منظرنامہ میں مفتی محمد سعید ہمیشہ سیاسی طور اہم رہے۔

سیاسی تجزیہ نگار اور مبصرین اکثر وبیشتر اس رائے کا اظہار کرتے آئے ہیں کہ مفتی محمد سعید کا سیاسی قد مستحکم اور منضبط سیاسی اداروں میں پروان چڑھنے کی بدولت واقع نہیں ہوا ہے بلکہ یہ عدمِ مقابلہ جمہوری فضاء اور متوازن سیاسی حریفوں کی سیاست میں عدم شرکت کا نتیجہ ہے۔ میری سمجھ کے مطابق اس رائے میں کوئی

قطعی حقیقت نہیں ہے۔ بلا شبہ 1948ء سے لے کر 1977ء تک ریاست کی سیاسی صورتحال حقیقی اور صحت مند جمہوری اقدار کے بجائے مرکزی حکومت کی خواہش اور ترنگ کے مطابق تھی۔ان حالات کے ہوتے ہوئے سیاسی لیڈروں کے قد و قامت کا بڑھنا اور گھٹنا زمانے کی قوتوں کا نتیجہ تھا نہ کہ سیاستدانوں کی ذاتی صلاحیت و اہلیت اور استعداد کا۔ مفتی محمد سعید اپنے ساتھیوں سمیت اسی سیاسی کلچر میں اپنے سیاسی وجود کو منظرِ عام پر لانے کے ساتھ ساتھ اسے قائم رکھنے میں بھی کامیاب رہے۔لیکن جو چیز آپ کو سیاست میں اپنے ساتھیوں میں ممتاز کرتی ہے وہ یہ حقیقت ہے کہ آپ خوفناک سیاسی ماحول میں عزت و آبرو کے ساتھ پُر جوش اور مقابلہ کے جذبہ سے سرشار منظّم اور پیوست نیشنل کانفرنس کا متبادل کے طور علاقائی سیاسی پارٹی قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ یہ اس حقیقت کا برملا ثبوت ہے کہ مفتی سعید اپنے ہم عصر سیاسی حلیفوں و حریفوں میں سیاسی نبض شناس اور بدلتے حالات کا گہرا فہم و درک رکھتے تھے۔ جموں و کشمیر کا بھارت کے ساتھ الحاق کا پُر زور داعی اور ایک مثالی کانگریسی ہونے کے ناطے مفتی سعید کبھی بھی ریاست میں بھارت کی بڑھتی آئینی بالادستی اور پارلیمانی حاکمیت کے درمیان حائل نہیں ہوئے بلکہ ایک شراکت دار اور ایک کارآمد کردار کا رول نبھاتے رہے تاکہ ریاست اور مرکز کے مابین اختلافات کو کم کیا جائے اور بھارتی آئین میں ترامیم و تبدیلیاں لاکر اسے ریاست کے حدود میں قابلِ اطلاق بنایا جائے۔ کانگریس لیڈرشپ کے ساتھ اتنے گہرے تعلق اور وفاداری سے آپ کو اپنے سیاسی کیریئر میں بہت سے فائدے حاصل ہوئے۔اسے خوش قسمتی یا بدقسمتی قرار دیا جائے کہ اندرا گاندھی کی قیادت کے آخری دور میں آپ کو مرکزی کانگریسی قیادت کی حمایت و سرپرستی جاری نہ رہ سکی۔ مسز

گاندھی کے بعد کے زمانے میں جواں سال راجیو گاندھی کی قیادت میں بالعموم ملک کی اور بالخصوص کانگریس پارٹی کی پالیسی اور پلاننگ اور تنظیمی ڈھانچے میں بڑے پیمانے پر تغیر و تبدل واقع ہوا۔ وقوع پذیر نئے کانگریسی کلچر میں کئی کلیدی و اہم کانگریسی رہنما اور پارٹی کے دائمی وفادار اور بہی خواہ اپنی شان و شوکت اور عظمت کھو بیٹھے۔

سیّد میر قاسم کی قیادت والی حکومت میں ایک کابینہ وزیر اور جموں و کشمیر پردیش کانگریس کے صدر کی حیثیت سے مفتی محمد سعید نے ایک سیاسی مدبر، باصلاحیت منتظم اور ایک تنظیم ساز شخصیت ہونے کا ثبوت فراہم کیا جس کے نتیجے میں ملک کے سیاسی حلقوں میں آپ کو بہت پذیرائی حاصل ہوئی اور بہت نامی گرامی سیاسی شخصیتیں آپ کے حلقہ احباب میں شامل ہوگئیں جو ملکی سطح پر آپ کے سیاسی قد و قامت بڑھ جانے کا وسیلہ اور ذریعہ بن گیا۔ بالخصوص، اُس زمانہ میں جب کانگریس پارٹی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر رہ گئی۔ ملک میں نیا سیاسی ماحول ترتیب پا رہا تھا اور نئی سیاسی قیادت ملک کی زمامِ کار ہاتھ میں لینے کے لئے سامنے آگئی۔ تازہ دم اور نئے سیاسی رہنماؤں کے اس گروہ میں مفتی محمد سعید بھی شامل تھے۔ مفتی سعید کے بھارت کے وزیر داخلہ کے دَور میں ریاست جموں و کشمیر کو کئی حساس واقعات اور اہم معاملات کا سامنا کرنا پڑا جنہوں نے ریاست کے معاصر سیاسی بیانیہ پر اپنے گہرے اثرات مرتب کئے۔ ریاست میں فورسز کو حاصل خصوصی اختیارات کا حامل قانون افسپا (AFSPA) کا نفاذ اور جگموہن کی بحیثیت گورنر دوسری بار تعیناتی، دونوں سیکورٹی کی مخدوش صورتحال اور پنڈتوں کی کشمیر سے نقل مکانی، سیاسی و عوامی حلقوں میں ہنوز موضوع بحث بنے ہوئے ہیں۔ اگرچہ وی پی سنگھ سرکار جس میں مفتی سعید وزیر داخلہ کے منصب پر فائز رہے بہت ہی قلیل مدت
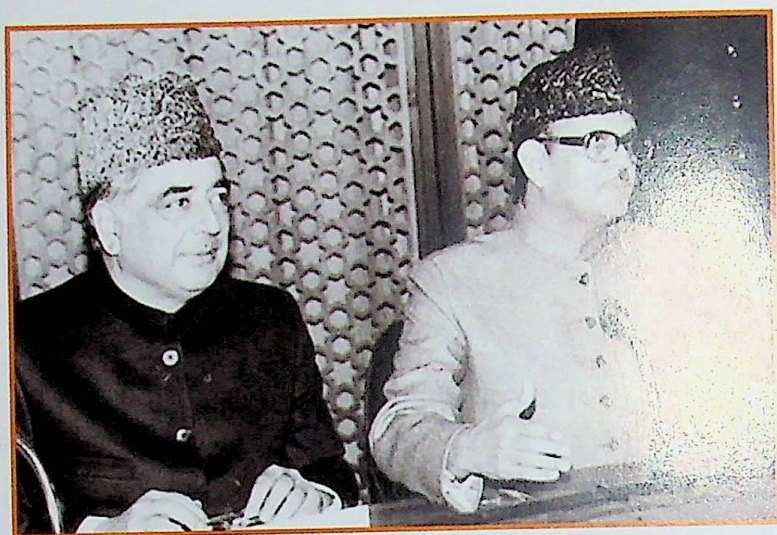
وشوناتھ پرتاپ سنگھ اور مفتی محمد سعید

لال کرشن ایڈوانی اور مفتی محمد سعید
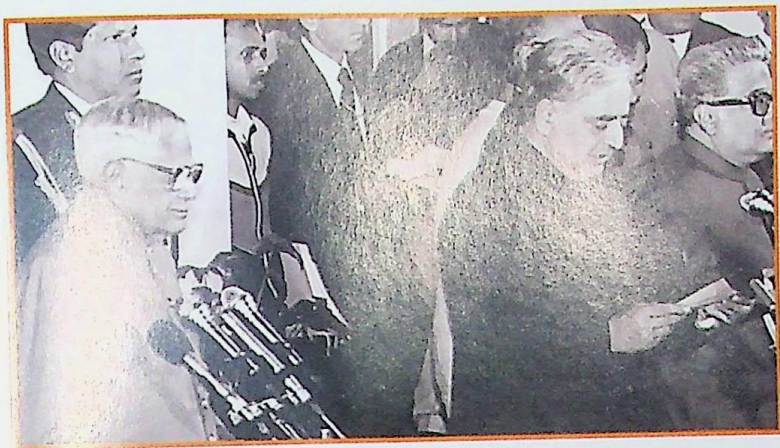
مفتی محمد سعید بطور مرکزی وزیر حلف لیتے ہوئے

مفتی محمد سعید، وزیر دفاع کے سی پنتھ کے ساتھ
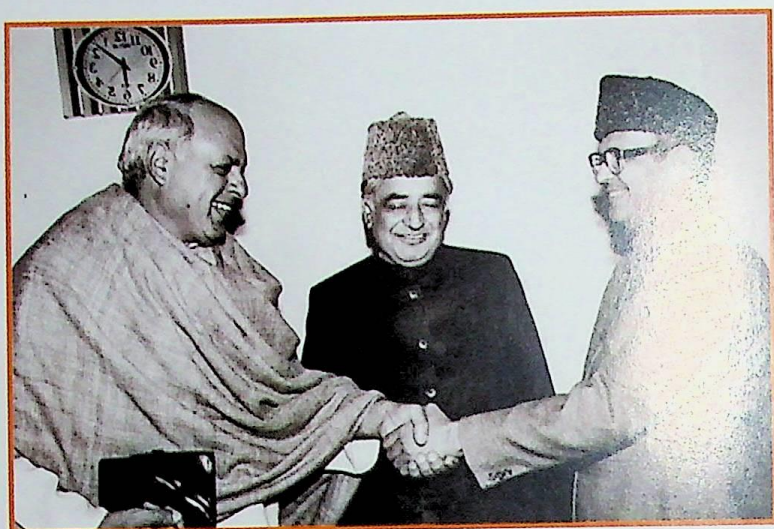
وشواناتھ پرتاپ سنگھ، مفتی محمد سعید اور ڈاکٹر فاروق عبداللہ

مفتی صاحب بطور مرکزی وزیر حلف لیتے ہوئے
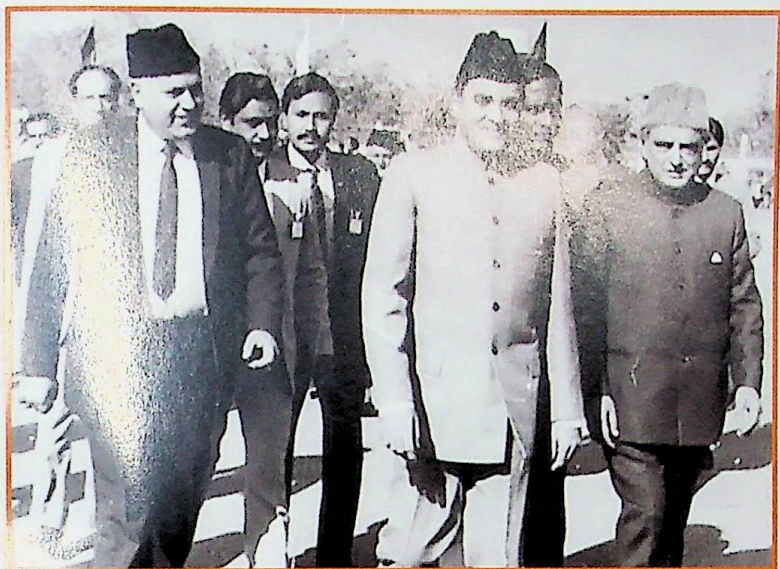
مفتی محمد سعید، راجیو گاندھی اور ڈاکٹر فاروق عبداللہ

راشٹر پتی بھون میں مرکزی کابینہ کی حلف برداری کے بعد کی تصویر

چندر شیکھر، مفتی محمد سعید، وشواناتھ پرتاپ سنگھ اور چودھری دیوی لال
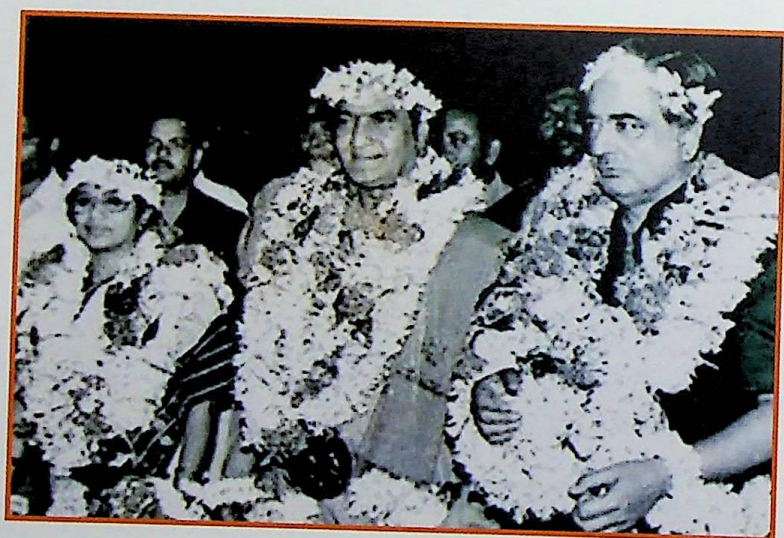
مفتی محمد سعید، این ٹی راما راؤ اور اُن کی اہلیہ

اندر کمال گجرال، شرد یادو، مفتی محمد سعید اور جے پال ریڈی

وزیراعظم دیوی گوڑا اور مفتی محمد سعید
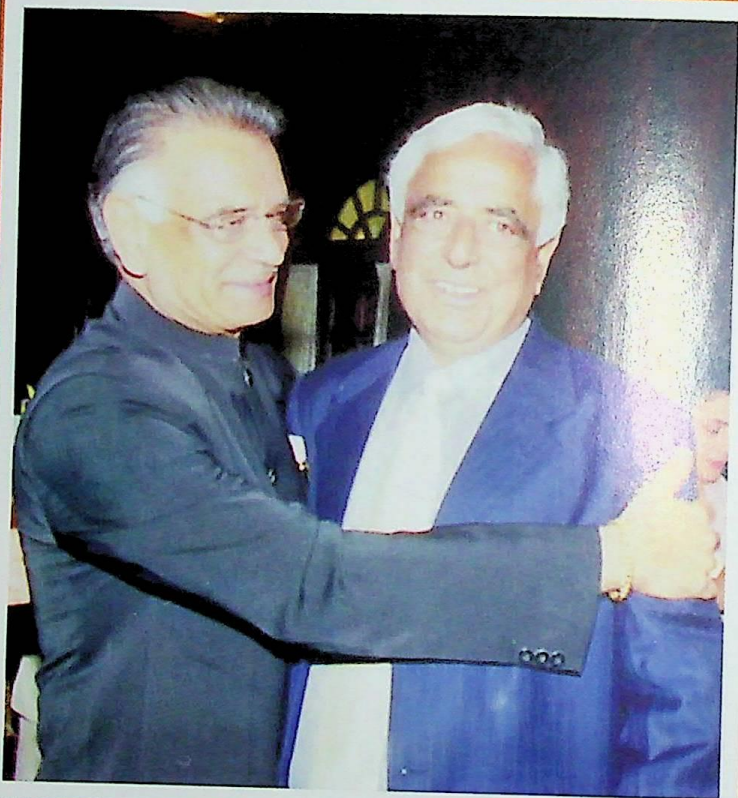
مفتی محمد سعید۔ مرکزی وزیرداخلہ شِوراج پاٹل کے ہمراہ

ملکی وغیرملکی مہمانوں کے ساتھ خیالات کا تبادلہ
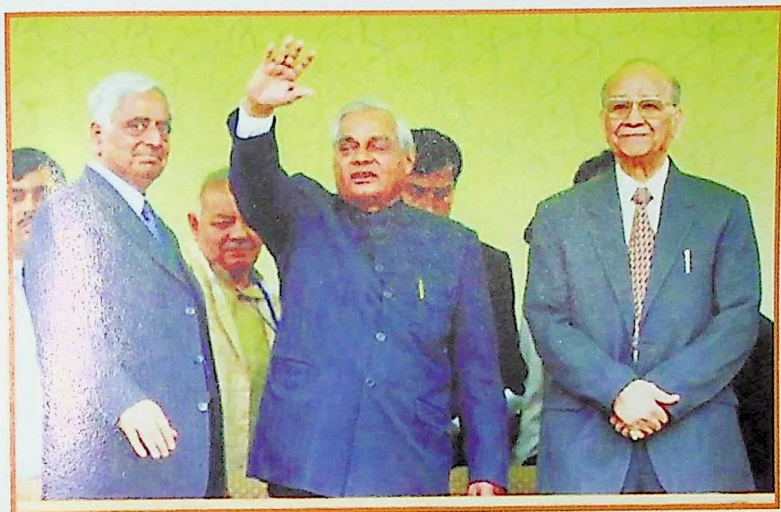
گورنر گریش چندر سکسینہ، وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی اور مفتی محمد سعید
سرینگر میں عوامی ریلی کے دوران
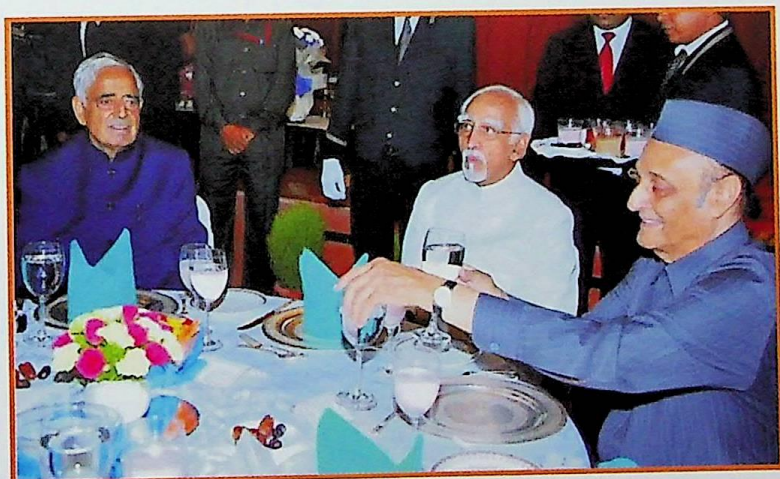
ڈاکٹر کرن سنگھ، محمد حامد انصاری اور مفتی محمد سعید
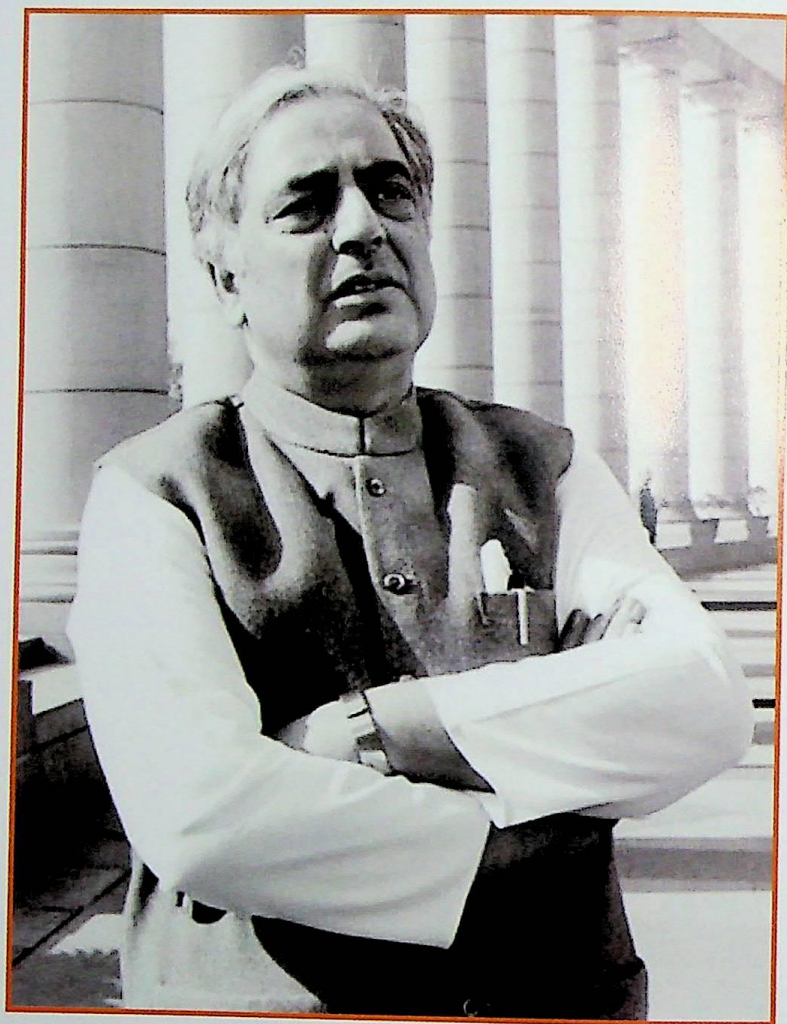
مفتی محمد سعید۔ نئی دہلی میں پارلیمنٹ ہاؤس کے کاریڈور میں
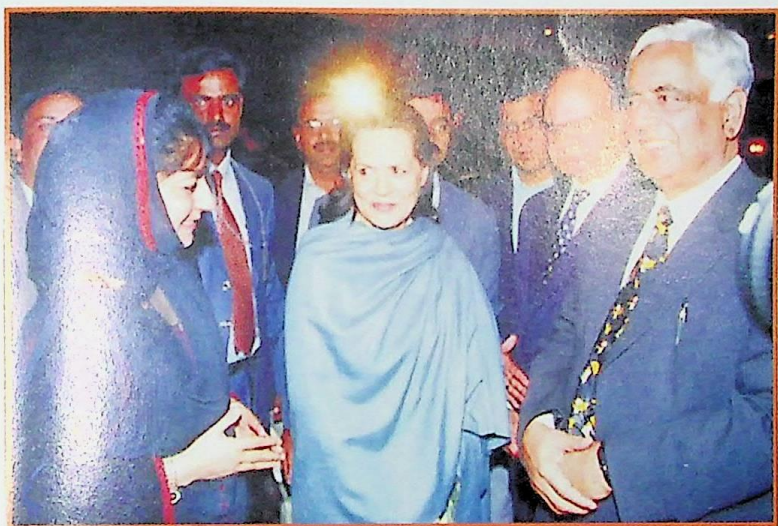
مفتی محمد سعید، کانگریس صدر سونیا گاندھی اور محبوبہ مفتی۔ نئ دہلی میں افطار پارٹی کے دوران

مفتی محمد سعید۔ملک کے نامور صنعت کاروں کے ساتھ تبادلہ خیال
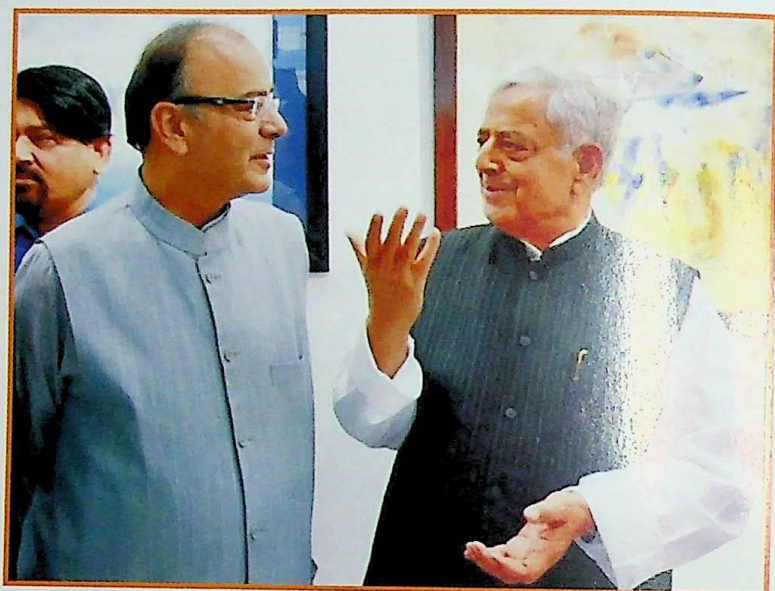
مفتی محمد سعید مرکزی وزیر خزانہ ارون جیٹلی کے ساتھ محوِ گفتگو

مظفر حسین بیگ، مفتی محمد سعید، غلام نبی آزاد، محبوبہ مفتی اور امبیکا سونی

گورنر این این ووہرا اور مفتی صاحب

مفتی محمد سعید بطورِ وزیر اعلیٰ حلف لیتے ہوئے
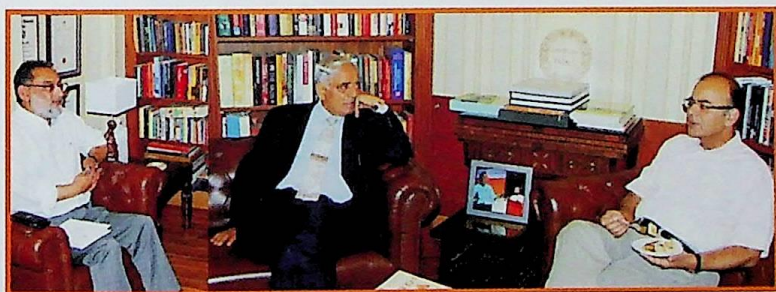
مرکزی وزیرِ خزانہ ارون جیٹلی ، مفتی محمد سعید اور ڈاکٹر حسیب درابو

مفتی صاحب، این این ووہرا اور عمر عبداللہ

مفتی صاحب اور عمر عبداللہ

غلام نبی آزاد، مفتی محمد سعید اور ڈاکٹر فاروق عبداللہ
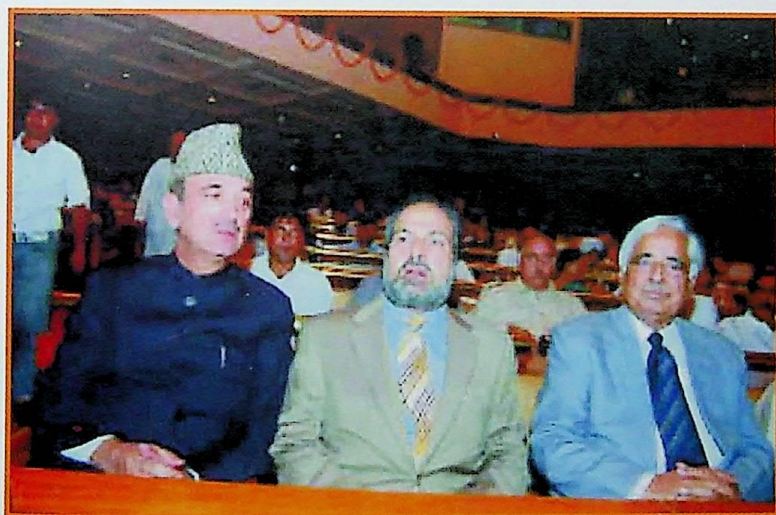
مفتی محمد سعید، مظفر حسین بیگ اور غلام نبی آزاد
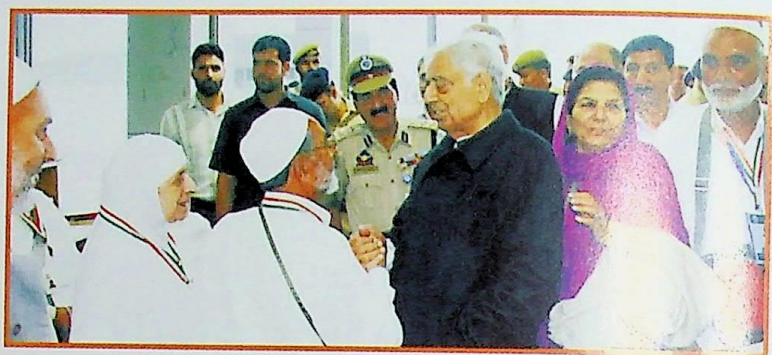
مفتی محمد سعید اپنی اہلیہ کے ہمراہ عازمین حج کوسرینگر ائیرپورٹ سے رخصت کرتے ہوئے

محبوبہ مفتی، مفتی محمد سعیداور مظفر حسین بیگ

مفتی محمد سعید اور ڈاکٹر نرمل سنگھ
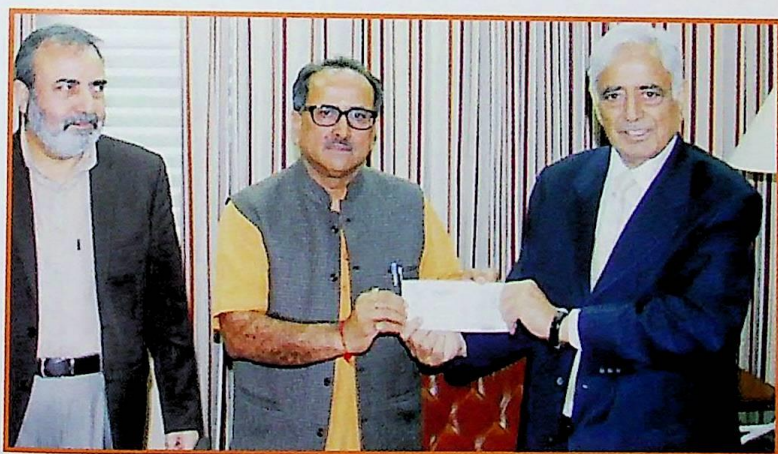
مفتی محمد سعید، ڈاکٹر نرمل سنگھ اور محمد اقبال کھانڈے

کے لئے قائم رہی لیکن یہ عرصہ مفتی محمد سعید جیسے تر دماغ سیاستدان کو یہ سمجھنے کے لئے کافی تھا کہ علاقائی سیاست سے کنارہ کش ہونے کے کیا کیا نقصانات ہو سکتے ہیں۔ مزید یہ کہ ملک اور ریاست دونوں کے اندر سرعت کے ساتھ بدلتی سیاسی تراکیب نے مفتی سعید کو سیاست میں نئے مواقع تلاشنے کے لئے مجبور کر دیا۔ اس امر کا اعتراف کرنے میں کوئی شک نہیں ہے کہ مختلف تنظیمی حیثیتوں اور سیاسی مناصب پر فائز رہ کر مفتی سعید نے ایک بالغ نظر سیاستدان اور سیاسی منتظم ہونے کا نام کمایا تھا لیکن علاقائی سطح پر صحیح معنوں میں اپنے آپ کو پیش نہیں کر پائے تھے جہاں وہ ریاست اور بالخصوص وادی کشمیر کے لوگوں کا نمائندہ ہونے کا سچا دعویٰ پیش کرتے۔ یہی وہ شدید بنیادی احساس تھا جس نے آپ کو مرکز کے سیاسی ایجنڈا کو خیر باد کہنے کے لئے آمادہ کیا اور اپنے سیاسی کیریئر کا نیا نقشہ مرتّب کرنے کی تحریک بخشی۔ جموں وکشمیر کی سیاست پر اپنی تمام تر توجہ مرکوز کرنے کا فوری محرّک یہ تھا کہ ریاست کے عوام کے سامنے نیشنل کانفرنس کے متبادل کے طور ایک نئی علاقائی سیاسی پارٹی کو پیش کیا جائے۔ بیسویں صدی کے اختتام پر پیوپلز ڈیموکریٹک پارٹی کا قیام فی الاصل مفتی سعید کے اپنے سیاسی نظریہ کا نیا سیاسی اظہار و بیان تھا۔ اپنی ساری عمر جموں وکشمیر کو بھارت کے ساتھ کلی طور ضم کرنے کے پُرزور وکیل اور کانگریسی سیاسی نظریہ کے علمبردار مفتی محمد سعید نے نیشنل کانفرنس کو ریاستی سطح پر کانٹے کی ٹکر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ ریاست کے سیاسی اُفق سے طویل عرصہ تک غائب رہنے اور مرکز کے سیاسی گلیاروں میں کافی مدت تک مصروف رہنے والے مفتی سعید کے لئے یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ چونکہ مقابلہ میں ایک ایسی علاقائی پارٹی تھی جو پچھلے ساٹھ سال سے ریاست میں اپنی جڑیں گہری گاڑے ہوئی تھی۔ لیکن مفتی سعید کے لئے اس کام

کو تاریخی عناصر اور عواملِ وقت کے بجائے ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی قیادت والی سرکار نے بہت آسان کر دیا۔ اس طرح پی ڈی پی کی صورت میں ایک نئی سیاسی تنظیم منصہ شہود پر آ گئی جس نے کم و قلیل عرصہ میں روایتی جماعت کے خلاف اپنی پوزیشن مستحکم کر لی جس کے نتیجے میں 2002 کے اسمبلی الیکشن میں پی ڈی پی کو اچھی خاصی نشستوں پر کامیابی حاصل ہوگئی اور وہ ریاست میں کانگریس کے ساتھ مخلوط سرکار بنانے کی پوزیشن میں آ گئی۔

2002ء سے 2005ء تک ریاست کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے مفتی محمد سعید نے اپنے آپ کو ایک مدّبر سیاستدان اور صلاحیت مند منتظم ثابت کر دیا۔ عوام الناس نے اس عرصہ کے دوران کافی راحت اور نفسیاتی تحفظ محسوس کیا۔ اسی دورِ حکومت میں ٹاسک فورس کو جواب دہ اور نظم و ضبط کا پابند بنا دیا گیا۔ خارجہ پالیسی کے حوالے سے مفتی محمد سعید بھارتی وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی کو ہندو پاک کے مابین دوستانہ تعلقات اور مذاکرات کی اہمیت پر رضامند کرنے میں کامیاب ہو گئے جو نہ صرف ریاست جموں و کشمیر کے لئے خوش آئند بلکہ برصغیر میں پائیدار امن کی ضمانت ہے۔ اس دوران بھارت اور پاکستان کے درمیان بہتر سفارتی اور سیاسی تعلقات کا استوار ہونا مفتی محمد سعید کی سیاسی بالغ نظری کا منہ بولتا ثبوت بن گیا۔ اپنے سیاسی کیرئیر کے دوران مرکزی سیاست سے براہ راست منسلک رہ کر مفتی محمد سعید، جو جمہوری نمائندہ کردار اپنے اور اپنے لوگوں کے لئے حاصل کرنے میں ناکام رہا وہی اہداف وہ پی ڈی پی کا سرپرست بن کر قلیل مدت میں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ معاصر ریاستی سیاسی منظر نامہ نیشنل کانفرنس قیادت کی توقعات کے برعکس مفتی سعید کو ڈرامائی انداز میں این سی کے مضبوط حلقوں کو اپنی طرف راغب

کرنے میں کامیابی حاصل ہوگئی۔ 2014ء کے اسمبلی الیکشن میں پی ڈی پی کو حاصل ہوئی سیٹوں اور ووٹنگ شرح دونوں کے لحاظ سے خاطر خواہ اضافہ اور سبقت حاصل ہوئی جب کہ اس کے مدِ مقابل پارٹی کو حاصل سیٹیں اور شرح ووٹنگ میں ریکارڈ درجہ کا تنزل دیکھنے کو ملا۔

باوجودیکہ 2014ء کے اسمبلی الیکشن میں پی ڈی پی کو سب سے زیادہ سیٹیں حاصل ہوئیں، بالخصوص وادی میں یہ بڑی پارٹی اُبھر کر سامنے آئی لیکن اسے ہنگامی صورتحال اور مخاصمت سے دوچار ہونا پڑا۔ پی ڈی پی دو بنیادی وجوہات کی بناء پر عوامی سپورٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ ایک یہ کہ پی ڈی پی نے نیشنل کانفرنس کے متبادل کے طور لوگوں کو بہتر حکومت اور رشوت ستانی سے پاک انتظامیہ فراہم کرنے کی یقین دہانی کی اور دوسرا یہ کہ بھاجپا کی ریاست کی طرف بڑھتے قدم کو روکنے کے وعدے لوگوں سے کئے گئے۔ الیکشن نتائج نے پی ڈی پی بانی اور سرپرست مفتی سعید کو بڑی مشکل سے دوچار کر دیا۔ مابعد الیکشن کا عرصہ مفتی سعید کے لئے اپنے طویل سیاسی کیریئر میں سب سے کٹھن اور مشکلات اور چیلینجوں سے بھرپور تھا۔ منقسم الیکشن نتائج نے اس اُبھرتی ہوئی علاقائی پارٹی کو اپنے سیاسی فلسفے اور منشور سے رخصت ہونے کی دہلیز پر لا کھڑا کر دیا۔ پارٹی کے اندر کشمکش کی نوعیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مفتی سعید نے ڈیڑھ مہینہ تک گوشہ تنہائی اختیار کرنے میں ہی عافیت سمجھ لی۔ نیشنل کانفرنس اور کانگریس کے ساتھ حکومت قائم کرنا مفتی سعید کے نزدیک ریاستی معاملات میں مرکز کی بالادستی کو دعوت دینا اور اپنی پارٹی کو حاصل منڈیٹ سے پسپائی اختیار کرنے کے مترادف تھا۔ جب کہ بھاجپا کے ساتھ حکومت سازی کرنا آپ کے نزدیک پارٹی کے سیاسی فلسفے اور مرتب منشور

سے کھلی بغاوت تھی۔ مفتی سعید کو بلا کسی عجلت کا مظاہرہ کر کے بھاجپا ہائی کمانڈ سے براہ راست یقین دہانی حاصل کر کے ایجنڈا آف الائینس تشکیل دینے میں جو کامیابی حاصل ہوئی وہ آپ کی مہارت اور سیاسی بالغ نظری کا آئینہ دار ہے۔ دونوں پارٹیوں کے طے شدہ معاہدہ کے مطابق بہتر و مؤثر حکومت اور ریاست کے تمام خطوں کی یکساں ترقی کے ساتھ ساتھ ریاست کے اسپیشل اسٹیٹس سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کرنے کی یقین دہانی بھی ہائی کمانڈ سے حاصل کی گئی تھی۔

وسیع تر مفاد اور سالمیت کو مدنظر رکھ کر ریاست میں بھاجپا کے ساتھ حکومت قائم کرنے کو نظر انداز کرنا کوئی دانشمندانہ فیصلہ نہیں نظر آتا تھا۔ جہاں بھاجپا پورے ملک سے واضح منڈیٹ حاصل کر کے مرکز میں قتدار میں آئی تھی وہیں اسمبلی الیکشن میں صوبہ جموں میں اسے لوگوں کا بھاری سپورٹ حاصل ہوا تھا اور اس صوبہ میں یہ الیکشن نتائج کے حوالے سے سب سے بڑی پارٹی کے طور اُبھری تھی۔ بھاجپا کے مرکز میں ہوتے ہوئے مفتی محمد سعید اس کے ساتھ کوئی ناراضگی مول لینے کے حق میں نہیں تھے کیونکہ ایسا فیصلہ ریاست کی ترقی کا مفتی سعید کا خواب شرمندہ تعبیر کرنے میں مانع ہوسکتا تھا۔ مفتی سعید اس بات کا بھی برملا اعتراف کرتے تھے کہ پی ڈی پی اور بی جے پی کا اتحاد قطبین کا مِلن ہے۔ دونوں مخلوط اکائیوں کا مخالف اور متضاد سیاسی نظریہ اور فلسفہ کے ہوتے ہوئے مفتی سعید نے جرات مندانہ قدم اُٹھا کر بی جے پی کے ساتھ حکومتی اتحاد قائم کرلیا تا کہ ریاست میں مثالی ترقی اور امن امان کی خوشگوار فضاء اور ماحول تعمیر کیا جاسکے۔ بلاشبہ، مفتی محمد سعید کا یہ فیصلہ لوگوں کی توقعات کے برعکس تھا اور اس پر عام لوگوں کی طرف سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا۔ لیکن مفتی محمد سعید نے کسی تنقید کی کوئی پرواہ کئے بغیر بی جے پی کے ساتھ آگے بڑھ کر ریاست

کے مستقبل کو درخشندہ کرنے کا اپنا عزم جاری رکھا۔

بدقسمتی سے مفتی محمد سعید کا ریاست کو آزادانہ رقوم کی فراہمی اور بھارت اور پاکستان کے مابین معطل مذاکرات کے لئے مناسب ماحول تیار کرنے کا خیال ابھی تک شرمندہ تعبیر نہیں ہوا اور نہ نریندر مودی کی قیادت والی بھاجپا حکومت کو اٹل بہاری واجپائی کے نقش قدم پر چلانے میں آگے بڑھ رہی ہے اور نہ ریاست کی ترقی اور خوشحالی کے لئے مرکز سے وافر رقوم حاصل کرنے میں ابھی تک کامیاب ہوسکے ہیں۔ اس طرز عمل سے اندر ہی اندر آپ کو بہت اذیت پہنچی لیکن ایک سنیئر سیاستدان ہونے کے ناطے اس بات کا کھلے عام اظہار نہ کر سکے بلکہ ایک مضبوط شخصیّت اور عزم صمیم کا مالک ہونے کا تاثر دیتے رہے۔ شہر سرینگر میں ترقیاتی کاموں کا از خود جائزہ لینے کے لئے گزشتہ سال سخت سردی میں آپ نے پورے شہر کا تفصیلی دورہ کیا۔ سخت سردی میں کئے گئے مذکورہ دورہ نے آپ کے نحیف جسم اور کمزور صحت پر منفی اثرات مرتّب کئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مفتی محمد سعید درون خانہ ایک دل آزردہ شخص کے طور داعی اجل کو لبیک کہہ گئے لیکن ظاہر طور آپ اپنی منزل کو فخر اور کامیابی کے ساتھ پانے کا تاثر دیتے رہے۔

....

(انگریزی سے ترجمہ: محمد مقبول وانی)

☆☆☆

☆......نظام الدین بٹ

مفتی صاحب......ایک دُور اندیش سیاست داں

مفتی صاحب کے ساتھ میرا تعلق بہت پرانا تھا۔ انہوں نے میری رہبری اور ہمت افزائی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ مفتی صاحب کو میں سیاست کے میدان میں اپنا استاد تسلیم کرتا ہوں اور ایک سعادت مند شاگرد ہونے کی وجہ سے ان کی سیاسی دور اندیشی اور تدبّر کا چشم دید گواہ بھی ہوں۔

مجھے یہ کہنے میں بہت فخر محسوس ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کی صحبت میں رہ کر میں نے قرابت داری کے صحیح مفہوم کو سمجھا، کیونکہ مرحوم خود ایک خوش سلیقہ اور باوقار انسان تھے۔

مفتی صاحب گونا گوں اوصاف کے مالک تھے۔ عجز وانکساری اُن کے طرزِ عمل کا تابناک عُنصر تھا اور اُن کا کردار صبر وتحمل سے لبریز تھا۔ اُن کی زندگی میں درپیش مشکلات کا بہترین جواب اُن کی خاموشی تھی۔ اُن کے بارے میں یہ بجا طور پر کہا جاتا ہے کہ اُن کی شخصیت میں اعتماد اور استدلال بدرجہ اُتم پایا جاتا تھا۔ وہ زندگی

میں کسی بھی آزمائش سے خوفزدہ نہیں ہوئے یہاں تک کہ مخالفین بھی اُن کی دیانتداری اور ایمانداری کے معترف رہے۔

مفتی مرحوم کی سماجی زندگی کیسی تھی؟ مفتی صاحب کی زندگی کا سماجی پہلو اُن کی شخصیت کے اُس زبردست گوشے کی عکس بندی کرتا ہے جس نے جموں وکشمیر کی موجودہ سیاسی تاریخ کے ایک بہترین حصے کو اثر انداز کیا۔ وہ ہم عصر سیاست کے غیر معمولی اشخاص میں شمار کئے جاتے ہیں۔ وہ اپنے سیاسی نقطۂ نظر کے حوالے سے با اصول اور ثابت قدم تھے۔

علی گڑھ سے گریجویشن مکمل کرنے کے فوراً بعد مفتی صاحب 1959ء میں ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس (DNC) کے ایک سرگرم رُکن کی حیثیت سے سیاست میں شامل ہوگئے۔ DNC نے کشمیر میں اشتراکی تحریک کی قیادت کی۔ انہوں نے کانگریس میں ایک وسیع پلیٹ فارم کا انتخاب کیا۔ اس تنظیم نے اُن کو اپنے سیاسی خیالات پیش کرنے کے لئے ایک بہت بڑا کینواس مہیا رکھا جس کی اُنہوں نے بڑی قدر کی۔ یہاں اُنہوں نے اپنے آپ میں اُس قوّت کی جستجو کی جس سے وہ اس راہ پر ثابت قدم رہ سکیں۔ انہوں نے اپنے مقام کو بلند کیا اور کانگریس پارٹی کے ریاستی یونٹ کے صدر کی حیثیت سے اُبھر کر سامنے آئے۔ اُن کی نگرانی میں کانگریس نے 1980ء میں نیشنل کانفرنس کے خلاف ایک زبردست تحریک کھڑی کر دی۔ کانگریس کے دو کارکن (ایک بجبہاڑہ اور دوسرے گوش بگ پٹن میں) پولیس کاروائی میں ہلاک ہوگئے۔ اس دور میں مفتی صاحب کی شخصیت بہت بڑی طاقت بن کر نمودار ہوئی۔

مفتی صاحب ریاست میں فعال سیاست دان کی حیثیت سے کامیابی سے

سرفراز ہوکر ہندوستان میں وزیر داخلہ کے منصب پر فائز ہوئے۔ وہ پہلے کشمیری تھے جنہوں نے بڑھتی ہوئی فرقہ واریت کے رجحانات سے علی الاعلان اپنی نااتفاقی کا اظہار کیا۔ ملک کے ایک مشہور و معروف اعتدال پسند اور غیر متعصب سیاستدان جناب وی۔ پی۔ سنگھ کی قیادت میں جنتا دل کو تشکیل دینے میں مفتی صاحب نے کلیدی رول ادا کیا۔ ہندوستان کے پہلے مسلم وزیر داخلہ بن کر مفتی صاحب نے جنتا دل میں ایک تاریخ رقم کی۔ وہ جموں و کشمیر کو دلدل سے نکالنے کے اصلی مقصد پر توجہ مرکوز کئے ہوئے تھے۔ انہوں نے کانگریس پارٹی کو اِس قدر مضبوط بنایا کہ یہ سیاسی جماعت اُس شناخت کا دعویٰ کر سکے جس کی اِس پارٹی کو سخت ضرورت تھی۔

مفتی صاحب کا سفر ایک معمولی کارکن سے لے کر ہندوستان کے وزیر داخلہ بننے تک اُن سارے اختلافات، تنازعات اور سخت نکتہ چینیوں کا گواہ ہے جو اُن کو عوام پروری کے مقاصد کی جستجو کے دوران پیش آئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے غیر مقبول ہونے کا خطرہ بھی مول لیا۔ خواہ اُن کی جدوجہد کتنی ہی مشکل تھی لیکن انہوں نے ہمت نہیں ہاری۔

ہر سیاستدان اور قائد کو کامیابی اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے یہی معاملہ مفتی صاحب کے ساتھ بھی رہا۔ بہت سے لوگ اب بھی اُن کے سیکولرزم اور سیلف رول کے فلسفے سے اختلاف کریں گے۔ کشمیر تنازعہ کے موزوں حل کے لئے اُن کی بڑی خواہش تھی۔ مفتی صاحب کا یہ پختہ یقین تھا کہ جموں و کشمیر تنازعے کا حل نکل آئے گا۔ انہوں نے میں سیاسی استحکام میں دخل انداز ہوئے بغیر مختلف فرقوں، خطوں اور ریاست کے منقسم حصوں کی تمناؤں کو پورا کرنے کی کوشش کی۔

مفتی صاحب نے 1999ء میں پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی (PDP) کی

بنیاد رکھی۔ انہوں نے ریاست کے لوگوں کی خواہشات کے ساتھ اپنے واضح مقاصد کو ہم آہنگ کردیا جس سے تقابلی سیاست کے ایک نئے تاریخی دور کا آغاز ہوگیا۔ پی۔ ڈی۔ پی نے اپنے مشمولہ ایجنڈے اور ایک قابل اعتماد اور دوراندیش سیاستدان کی حیثیت سے مفتی صاحب کی نیک نامی کی بدولت رائے دہندگان میں مقبولیت حاصل کی۔ وہ 2005ء تک کانگریس کی شراکت میں ریاست کے وزیر اعلیٰ بنے رہے جبکہ اُس وقت مرکز میں بی۔ جے۔ پی سرکار برسرِ اقتدار تھی۔ مفتی صاحب نے تمام صورتحال کو زمینی اور مرکزی سطح پر بدست خود سنبھالا۔ اس عمل نے اُن کے جواہر کو نمایاں کیا۔ یہی وہ دَور ہے جو ماضی سے ایک فرحت بخش وقفہ لے کر پُر امید مستقبل تک پُل بنا۔ مفتی صاحب کا دورِ حکومت کم ہونے کی وجہ سے امن کی پیش قدمی اور تجدید پذیری رُک گئی۔ تبدیلی کے اثر نے غائب ہونا شروع کردیا جس نے اُن کو اور اُن کی جماعت کو از سرِ نو تحریک اور ترقی کے لئے کمربستہ کردیا۔ باوجودیکہ مفتی صاحب اپنے مقاصد کی جستجو کے لئے بہت کوشاں تھے۔ بدقسمتی سے 2014ء کا چناوی فیصلہ اُن کے حق میں نہیں تھا۔ یہ فیصلہ بالقوئی تفریقی ہونے کے علاوہ ناگزیر فرقہ واریت کا متحمل تھا۔ بالآخر اُنہوں نے کچھ ایسا چُن لیا جو اُن کے مزاج کے مخالف تھا حالانکہ اس یقین کے ساتھ کہ وہ بالآخر صحیح ثابت ہونگے۔ یہ امید صرف ہندوستانی عوام کی تہذیبی جرأت مندی کی وجہ سے قائم ہوئی جس نے بی۔ جے۔ پی سرکار کو بھاری اختیار دیا تھا۔

میری واقفیت اور معلومات کے مطابق بی۔ جے۔ پی کے ساتھ باضابطہ سمجھوتہ عمل میں لانے سے قبل مفتی صاحب نے ہند و پاک دوستی، واجپائی کے مشہور نظریئے کا دوبارہ آغاز اور امداد باہمی جیسے عظیم مقاصد کی یقین دہانی کرائی تھی۔ مفتی

صاحب کو پختہ یقین تھا کہ کشمیر کے منفرد روایتی، جغرافیائی اور سیاسی تشخص کو مضبوط کرنے کے لئے ہندوستان نے ایک سیاسی وقفے کی پیش کش کی ہے۔

مفتی صاحب نے بی۔جے۔پی کے ساتھ سمجھوتہ کیا جس کے لئے انہیں کوئی افسوس نہیں تھا۔ وہ ایک دانشمند اور دور اندیش سیاستدان تھے۔ اپنے سیاسی مزاج اور ذمہ داری سے وابستہ رہ کر انہوں نے تجربات کو سرانجام دیا، حیران کن کوششوں کو تکمیل تک پہنچادیا اور جن مقاصد کی خواہش تھی اُن کو حاصل کیا۔ یہ اُن کا دیرینہ خواب اور خواہش تھی کہ وہ قومی تعاون اور ہند، پاک دوستی سے کشمیر کے پیچیدہ مسئلے کو سلجھائیں مگر جو مقدر میں لکھا ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔ وہ خود کو صحیح ثابت کرنے سے پہلے ہی رحلت کر گئے۔ اُن کے انتقال سے ہم ایک سیاسی قائد سے محروم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی روح کو جنت نصیب کرے!

....

(انگریزی سے ترجمہ: عبدالروف بٹ)

☆☆☆
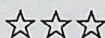
☆......نعیمہ احمد مہجور

مفتی محمد سعید۔۔۔ممکنات کی سیاست کا پروردہ

میں جو کہانی بیان کر رہی ہوں وہ ایک ''سادہ لوح'' انسان سے متعلق ہے جس سے میری ملاقات پچیس سال قبل قومی راجدھانی دہلی میں ہوئی۔ یہ کسی بھارتی وزیر داخلہ سے میرا پہلا آمنا سامنا تھا جو اتفاق سے ایک کشمیری تھا اور جس نے پہلے ہی بی بی سی ورلڈ سروس کو کشمیر کی عسکری تحریک کے حوالہ سے انٹرویو دینے کی حامی بھر لی تھی۔ مجھے انٹرویو لینے کے لئے مقررہ وقت پر آپ کے گھر پہنچنے میں تاخیر ہوگئی۔ میں تیز قدموں کے ساتھ سُبک رفتاری میں آپ کے گھر کے گیٹ میں داخل ہو رہی تھی جہاں میں نے کئی کمانڈوز کو وزیر داخلہ کو گھیرے میں لئے ہوئے پایا۔ حفاظت پر ماموران کمانڈوز نے مجھے آپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آگے بڑھنے کے لئے کہا اور آپ مجھ سے مخاطب ہو کر بول پڑے ''آپ نے آنے میں دیر کیوں کردی؟ میں آپ کا انتظار کر رہا تھا۔'' اس سے پہلے کہ میں اپنے تاخیر کی وجہ بیان کرتی آپ نے مجھے اندر آنے کے لئے کہا۔ میں آپ کے ساتھ اب صرف دس منٹ تک بات کرسکتا ہوں۔ کیا اس سے آپ کا مقصد پورا ہوجائے گا؟ میں نے

راحت کی سانس لے لی اور آپ کی پیروی میں مہمان خانہ میں داخل ہوگئی۔ کھانے کے میز پر کشمیر سے لے کر جنوبی ہندوستان تک کے پکوان میری ضیافت کے لئے رکھے ہوئے تھے۔ ہمارے مابین ایک حساس اور سنجیدہ موضوع پر بات ہونے کے بیچوں بیچ مفتی محمد سعید نے یکسر موضوع بدل کر کشمیری کلچہ کی تاریخ، نان اور حیدر آبادی بریانی پر بات کرنا شروع کر دی۔ کشمیر کی مسلح تحریک اور مسلح تحریک مخالف آپریشنوں سے متعلق زیادہ سے زیادہ جانکاری حاصل کرنے کی میری خواہش پوری نہیں ہوسکی بلکہ کشمیری اور ہندوستانی پکوانوں پر زیادہ گفتگو جاری رہی۔ میں چاہتی تھی کہ حکومت ہند کی طرف سے ملیٹنسی مخالف اُٹھائے گئے اقدام پر آپ سے تُند و تیز سولات پوچھوں لیکن آپ کا رویہ اور طرزِ تکلّم کشمیر کی یخ بستہ چوٹیوں کی مانند سرد اور ٹھنڈا تھا، کوئی ارتعاش اور نہ کوئی اشتعال بلکہ ہر بات میں ٹھہراو اور ہر لفظ میں نرمی۔۔۔۔ یہ میری پیشہ ورانہ صحافتی زندگی کا کوئی کامیاب دن تو نہیں تھا۔ البتہ! ہاں یہ میرا مفتی خانوادے کے ساتھ تعلق قائم ہونے کا پہلا دن تھا۔ اس خانوادے کے ساتھ جس کی کشمیر میں شاید ہی کوئی سیاسی بنیاد موجود تھی۔ جس کی سیاست کی کوئی آماجگاہ وجود میں آنا ہنوز باقی تھا۔

بھارت کی کابینہ میں کم قلیل عرصہ گزارنے کے بعد آپ نے کشمیر میں اپنا زیادہ سے زیادہ وقت صرف کرنے کو ترجیح دی۔ اسی عرصہ کے دوران مجھے آپ اور آپ کی فیملی سے ملنے کا موقعہ دستیاب ہوگیا اور میں اُن کی مہمان نوازی سے خوب لطف اندوز ہوتی رہی۔ محبوبہ مفتی نے اُسی زمانہ میں سیاست میں اپنی قسمت آزمائی کا سلسلہ شروع کیا اور شہر بین کی تقریباً روزانہ کی آواز بن گئی تھی۔ ریڈیو کشمیر سے شہر بین کا پروگرام میں نے بی بی سی لندن سے اپنے پہلے معاہدے کے بعد کشمیر میں اپنے

قیام کے دوران شروع کیا تھا۔شہر بین پروگرام کی عوام الناس میں مقبولیت کی وجہ سے ہر سیاستدان کا یہ خواب بن گیا تھا کہ وہ اس میں شرکت کرے اور وہ تاک میں رہتے تھے کہ کب انہیں اس پروگرام میں شامل ہونے کا موقعہ ملے۔میں مفتی محمد سعید کو شہر بین کے ساتھ بات کرنے کا اصرار کرتی رہی لیکن آپ ہمیشہ محبوبہ مفتی کو شہر بین کے ساتھ بات کرنے کے لئے کہتے۔مفتی صاحب محبوبہ مفتی کے صرف والد بزرگوار ہی نہیں تھے بلکہ وہ آپ کے ایک دوست اور سیاسی مرشد ورہنما تھے جو اس کے ساتھ سیاست اور بھارتی سیاستدانوں سے تجربات وغیرہ غرض ہر موضوع پر بات کرتی رہتی تھی۔مفتی محمد سعید، محبوبہ مفتی کے لئے ایک سیاسی انسائیکلو پیڈیا کی طرح تھے۔ محبوبہ مفتی نے اپنے والد کے ساتھ بلا جھجک اور راست تعلق کی بنیاد پر کبھی کسی من مانی سے کام نہیں لیا اور نہ اپنے والد کی سیاسی حد بندیوں کو پھلانگنے کی کوشش ہی کی بلکہ ہمیشہ وفا شعار بیٹی کی طرح اپنے والد کے ساتھ جز ولاینفک کی طرح وابستہ رہی۔محبوبہ مفتی نے اپنے والد کے کئی فیصلوں پر تحفظات ہونے کے باوجود نہ کبھی اعتراض کیا اور نہ کبھی کسی بحث میں پڑنے کی کوشش ہی کی۔مفتی سعید اپنے سیاسی فیصلوں سے اپنی بیٹی کے اندر اعتماد اور قوت فیصلہ کے ایسے گُن پیدا کرنا چاہتے تھے جن کی بنیاد پر وہ خود اقدام سازی کرنے کی پوزیشن میں آجائیں اور اس کے اندر کشمیر کی سیاست کو اپنے انداز سے ترویج وتشکیل دینے کے اپنے منصوبوں پر غیر متزلزل یقین پیدا ہو سکے۔

میں لندن سے سرینگر واپس آرہی تھی جب ستمبر 2014 میں کشمیر زبردست سیلاب کی زد میں آچکا تھا۔ناساز موسم اور سیلابی صورتحال کی وجہ سے چونکہ سرینگر کے لئے روانہ نہیں ہو سکی اور دہلی میں درماندہ ہو کر رہ گئی۔ان ہی ایام میں

مفتی سعید بھی اپنی اہلیہ کے ہمراہ امریکہ سے واپسی پر دہلی میں رُکے پڑے تھے۔
کیونکہ آپ بھی وادی میں سیلاب کی وجہ سے سرینگر روانہ نہیں ہو سکے تھے۔ آپ
وادی کی صورتحال جاننے کے حوالہ سے بہت بے چینی محسوس کر رہے تھے اور لمحہ بہ لمحہ
حالات سے باخبر ہونے کی کوشش میں رہتے تھے۔ ٹی وی پر سیلاب کی تباہ کاریوں
اور خوفناک مناظر دیکھنے سے آپ بہت غمگین ہو رہے تھے۔ اس دوران اپنا وقت
مطالعہ کُتب اور گفتگو میں صرف کرتے رہے۔ میں نے تھوڑی سی جھجک کے ساتھ
آپ کو مخاطب کر کے پوچھا، کیا آپ اسلام پر لکھی گئی اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیں
گے؟ کیونکہ مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ آپ مذہبی و دینی کتابوں کے برعکس سیاست پر
لکھی کتابوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ چونکہ میں خود پہلے ہی دوران سفر 'رابرٹ پائنی'
(Robert Payne) کی کتاب 'ہولی سورڈ' (Holy Sword) کا مطالعہ
ختم کر چکی تھی۔ کتاب کے چند اوراق کو پلٹ کر آپ اپنے کمرے کے اندر چلے گئے
اور واپسی پر اپنے ہاتھوں میں ایک کتاب ساتھ لائے اور کہا "چونکہ آپ اسلام پر لکھی
گئی کتابوں کے مطالعہ کا شوق رکھتی ہیں تو آپ حضرت محمد ﷺ پر 'کیرن آرم
سٹرانگ" کی یہ لکھی ہوئی کتاب پڑھ لیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے اسلام کے
حوالے سے مغربی طرز فکر آپ کی سوچ پر واضح اور صاف ہو جائے گی۔۔۔" میں
حیران ہو کر رہ گئی جب میں نے یہ دیکھا کہ آپ مغربی مصنفین کی تصنیفات کا مطالعہ
کر رہے ہیں اور وہ بھی اُن کی اسلام پر لکھی ہوئی تصنیفات کا، جو کبھی میرے وہم و
گمان میں بھی نہیں آیا تھا۔ میرے تجسس نے مجھے بے چین کر دیا کہ میں یک دم آپ
سے پوچھ بیٹھی کہ آپ نے اسلامی کتب کا مطالعہ کب سے شروع کیا ہے؟ تو آپ
جواب میں بول پڑے "میں نے علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں طالب علمی کے زمانے

میں سینکڑوں کتابیں اسلام پر پڑھی ہیں۔ میں اسلامی لٹریچر کا مطالعہ شروع کر کے اب دوبارہ طالب علمی کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔۔"

مفتی صاحب نے "ہولی سورڈ" کتاب کا مطالعہ دو دنوں میں مکمل کر لیا اور کتاب کا لب لباب ایک جملہ میں پیش کیا۔ وہ یہ کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک عظیم منصوبہ ساز شخصیت رہے ہیں۔ آپ کی زندگی اور جدوجہد سے بہت سیکھا جا سکتا ہے۔۔ سبحان اللہ۔۔" آپ نے وہ کتاب مجھے کبھی واپس نہیں کی اور نہ ہی میں نے اُن کی دی ہوئی کتاب انہیں کبھی واپس کی۔۔

میں نے آپ سے آرم سٹرانگ کی کتاب کے بارے میں پوچھا تو آپ نے مسکراتے ہوئے کہا "آپ اس کتاب کو پہلے پڑھئے پھر مجھے ایک جملہ میں اس کا لب لباب بتائے تب جا کے میں آپ کو ایک پُر سوز اور سنجیدہ قاری قرار دے سکتا ہوں۔۔۔" دوسرے دن میں نے آپ کو پھر 'ہولی سورڈ' کتاب کو پڑھتے ہوئے دیکھا۔۔۔

یہ جان کر کہ آپ مطالعہ کا زبردست شوق رکھتے ہیں، میں نے آپ کی اہلیہ سے پوچھا کہ آپ کے پاس ایک ضخیم لائبریری ہوگی۔۔۔ وہ ہنستی ہی رہ گئی۔۔۔ اور کہا۔۔ "آج تک میرا کوئی مستقل گھر نہیں ہے۔ اگر آپ ہماری لائبریری کو دیکھنا چاہتی ہو تو آپ کو دہلی، ممبئی، بجبہاڑہ، نوگام، جموں اور پری محل سرینگر کا ایک طویل سفر کرنا پڑے گا۔ ہر جگہ کتابیں بکھری پڑی ہوئی ہیں۔۔ میں تو اپنے عارضی گھروں کی تعداد بھول چکی ہوں اور کتابوں کی تو بات ہی نہیں ہے۔۔۔" اور وہ مسلسل ہنستی ہی جا رہی تھی۔ مفتی صاحب مبہوت ہو کر ہماری گفتگو کو خاموشی سے سُن رہے تھے۔

میں ہمیشہ کشمیر کی مین اسٹریم سیاست کی زوردار ناقد رہی ہوں۔ اس

سیاست سے لوگوں کو بہت سے تکالیف کا سامنا رہا ہے۔ کیوں کہ بعض مین اسٹریم سیاستدانوں نے یہاں کے لوگوں کے ساتھ ہمیشہ کذب بیانی سے کام لیا ہے۔ اس امر واقعہ کی بنیاد پر مین اسٹریم سیاستدانوں کو عوام مخالف طاقتوں کے طور بھی گردانا جاتا ہے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے جب لندن میں مفتی صاحب نے مجھے سیاست میں شامل ہونے کے لئے راضی کر دیا۔ میں نے مفتی صاحب سے پوچھا کہ، کیا وجہ ہے کہ کشمیر میں لوگ مین اسٹریم سیاستدانوں کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے ہیں۔ تو میں کیا دیکھتی ہوں کہ آپ کے چہرے پر تناؤ کے اثرات نمودار ہو گئے۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا کر اپنی گود میں رکھ دیا اور کہا۔۔۔

"کشمیر کے واحد معروف اور ہر دلعزیز لیڈر شیخ محمد عبداللہ کو یہ منڈیٹ حاصل تھا کہ وہ اپنے لوگوں کی تقدیر کا فیصلہ کرتے۔ آپ نے جو فیصلہ کر دیا اس پر بحث و تمحیص نہیں کی جا سکتی لیکن لوگ آپ سے ایسے فیصلہ کی امید نہیں رکھتے تھے جو اُس وقت اُن پر زبردستی تھوپ دیا گیا۔ میرے خیال میں شیخ صاحب کے اسی فیصلہ نے لوگوں کے اندر مین اسٹریم سیاست کے خلاف ناپسندیدگی کا بیج بو دیا۔ یہی وہ بنیادی وجہ ہے کہ آپ ریاست اور اسکے لوگوں کے لئے کتنا بھی کام کریں لوگ آپ کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے۔ آپ کشمیر نواز اور لوگوں کے حق میں کتنی بھی پالسیاں ترتیب دیں لوگ آپ پر یقین نہیں کریں گے۔ اس پر مستزاد کہ جب بھارتی الیکشن سسٹم کے ذریعے سے آپ کا انتخاب ہوا ہو۔ کشمیریوں کو جمہوریت نام کی کسی چیز پر کوئی اعتبار نہیں۔ یہ ان کے لئے کوئی معنیٰ نہیں رکھتی ہے۔۔۔" آپ بلا کسی وقفہ کے مسلسل بولتے رہے۔۔۔

تب آپ کیوں مجھے اس میں شامل ہونے کے لئے کہتے ہیں جب کہ آپ

مفتی محمد سعید اور غلام رسول کار

محبوبہ مفتی اور مفتی محمد سعید

حضرت شیخ العالمؒ کے آستانہ عالیہ پر حاضری

مفتی محمد سعید۔ شہرِ خاص کا دورہ

ترقیاتی عمل میں سُرعت لانے کے لئے اعلیٰ حکام کے ساتھ تبادلہ خیال
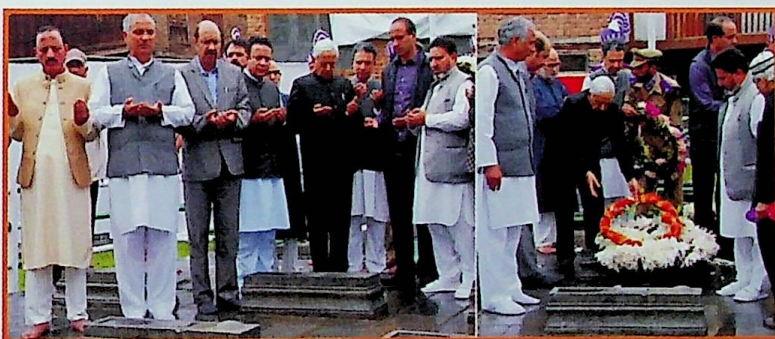
13/ جولائی کو مزارِ شہداء پر حاضری

مفتی محمد سعید - گارڈ آف آنر کا معائنہ
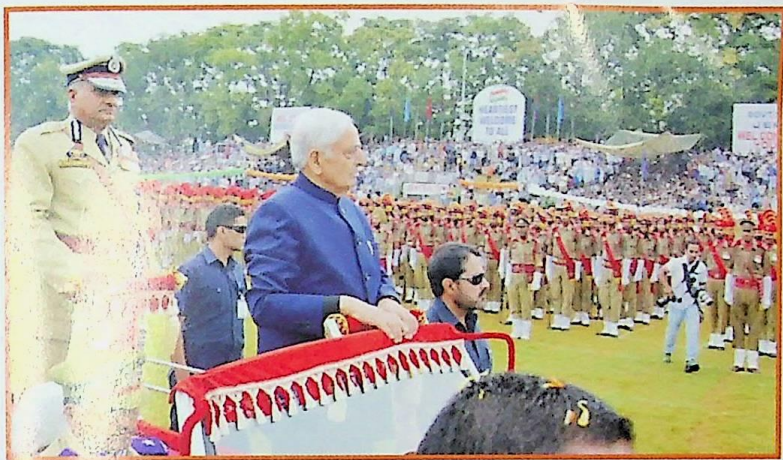
15 راگست یومِ آزادی پر منعقدہ پریڈ کا معائنہ
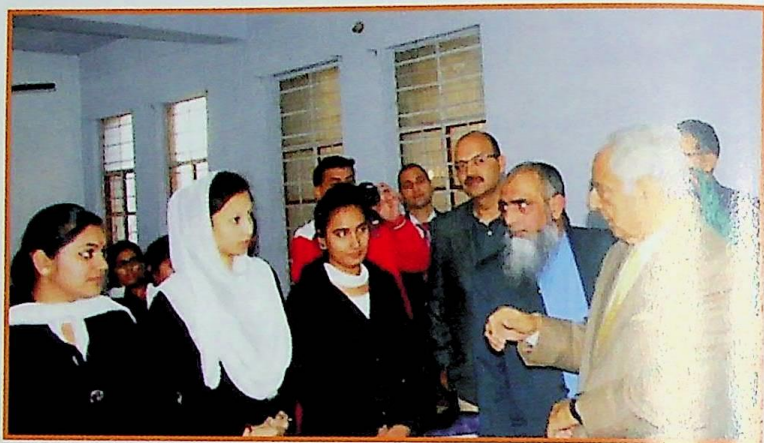
مفتی محمد سعید کالج طالبات کے ساتھ تبادلہ خیال کرتے ہوئے

مفتی محمد سعید طلباء کے ساتھ تبادلہ خیال کرتے ہوئے

یوم آزادی پر منعقدہ ثقافتی پروگرام کا مُشاہدہ

چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

بخوبی جانتے ہیں کہ کشمیری مین اسٹریم سیاست سے نفرت کرتے ہیں؟ میں نے سیدھے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔۔۔

''کیونکہ میں نہیں چاہتا ہوں کہ لوگوں کو بنیادی سہولیات اور بنیادی حقوق سے محروم رکھا جائے۔ لیکن یہ تب ہی ممکن ہے جب دیانتدار اور مخلص لوگ سیاست میں شامل ہو جائیں گے۔ ہماری اشد ضرورت ہے کہ ہم ایک صحیح نظام، منظم ادارے اور مناسب افرادی قوت تیار کریں تب جا کے ہم اپنے بہتر مستقبل کے لئے کام کر سکتے ہیں۔ ہماری ریاست خود اپنے وسائل کو بروئے کار لانے کی پوزیشن میں آنی چاہئے۔ اپنی دولت سے فوائد حاصل کرنے اور بنیادی سطح کے لوازمات کی بہتر سطح پر فراہم کرنے کی اہل ہونی چاہئے۔ اگر ہم سرینگر سے لے کر مظفر آباد تک باہمی اتفاق رائے پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور ہر کشمیری کو اپنے ساتھ شامل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ہم بھارت اور پاکستان دونوں کو مسلہ کشمیر حل کرنے کے لئے مجبور کر سکتے ہیں اور انکے سامنے مطالبہ کر سکتے ہیں کہ ہمیں امن اور عزت کے ساتھ رہنے کا حق اور موقعہ دے دیا جائے۔ اگر ہم نے اپنا وقت، قوّت، سرمایہ اور وسائل ایک دوسرے کے ساتھ کشمکش، لڑنے جھگڑنے، منافرت پھیلانے اور ہرزہ سرائی کرنے میں صرف کردی جو بد قسمتی سے عمداً و قصداً تقسیم ہند کے دن سے چلا آرہا ہے تو ہم کیسے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے اہل ہو کر اپنے سیاسی اور آئینی حقوق کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔۔۔'

''لیکن لوگ تو آزادی چاہتے ہیں'' میں نے سیدھا سوال کیا۔۔۔

''میں آزادی دلانے کا وعدہ تو نہیں کر سکتا ہوں۔ مگر ہاں! میں بھارت کے ساتھ رہتے ہوئے شفاف، دیانتدار اور متحرک اور مؤثر اداروں کے قیام کا وعدہ

کر سکتا ہوں۔تب جا کے ہم اپنے مسئلہ کے خارجی محاذ پر کوئی خاطر خواہ کام اور سرگرمی انجام دے سکتے ہیں۔ہمیں اس کام کا بہر حال کسی ابتدائی نقطہ سے آغاز کرنا ہوگا ورنہ ہم موقعہ گنوا کر کفِ افسوس ہی مَلتے رہیں گے۔۔۔۔۔"

میں آپ پر ٹکٹکی باندھی ہوئی تھی اور وہ خیالات کی دنیا میں کہیں کھویا ہوا تھا۔میں یہ سمجھنے سے بالکل قاصر رہی کہ وہ آیا "بھارتی قوم پرست" یا "کشمیر نواز" تھے یا ایسے سیاستدان جو ستم زدہ اور محروم لوگوں کو بنیادی سہولیات اور حقوق بہم پہنچانے کا عزم اپنے کاندھوں پر اُٹھائے پھر رہے تھے۔میں نے اُن کی اہلیہ، بیٹی، عزیز و اقارب اور اُس کے دیگر ساتھیوں کی وساطت سے جاننے اور پہچاننے کی جی توڑ کوشش کی۔وہ ایک قدیم کتاب کی مانند تھے جس میں ان کہی کہانیوں کا لامتناہی خزانہ موجود ہوتا ہے لیکن یہ کتاب اپنے سر بستہ رازوں کو کسی کے ساتھ بانٹنا نہیں چاہتی ہے۔آپ کی موت سے قبل میں نے بہت کوشش کی کہ اس بات پر راضی کروں کہ آپ مجھے "اندرونی حقیقی بھارتی کشمیر پالیسی" سے آگاہ کریں لیکن وہ اس کے لئے کبھی بھی راضی نہیں ہوئے اور بات یہ کہہ کر ٹال دیتے تھے کہ۔۔" چھوڑ دیجئے ان صحافتی عادات و اطوار کو، ایک سیاستدان کا طرز عمل اور طریقہ اختیار کر لیجئے۔۔۔۔

2014 اسمبلی الیکشن میں منقسم نتائج برآمد ہونے کے بعد ریاست میں بھارتیہ جنتا پارٹی کے ساتھ حکومت قائم کرنے کے آپ کے فیصلہ پر ریاست کے عوام اور بالخصوص وادی کے لوگوں نے غم و غصہ اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔یہ فیصلہ عوام الناس اور پارٹی ساتھیوں دونوں کی توقعات کے برعکس تھا۔درحقیقت یہ ایک بڑا سٹہ تھا جسکی بازی مفتی محمد سعید نے لگادی۔یہاں تک کہ یہ فیصلہ آپ کی

اپنی بیٹی محبوبہ مفتی کو بھی قبول کرنے کے لئے بہت مشکل تھا۔ ایسے فیصلہ کے ہوتے ہوئے مشکل سے ہی شفاف اور جواب دہ انتظامیہ فراہم کرنے کی یقین دہانی کو عملی جامہ پہنانے کی کوئی گنجائش موجود باقی رہتی تھی۔ لیکن آپ اپنے ساتھیوں کو اس کے لئے رضامند اور تیار کرنے میں کامیاب ہوئے۔ جموں میں بھاجپا کو حاصل ہوئے منڈیٹ کو مدنظر رکھ کر اپنی پارٹی کو اسے قبول کرنے کے لئے کہا اور اس دلیل کی بنیاد پر بھاجپا کے ساتھ ہاتھ ملانے میں کوئی قباحت محسوس نہ کرنے کا حوصلہ دے دیا۔ اس غیر معروف فیصلہ کے پیش نظر آپ کا مرکزی حکومت سے وافر اور آزادانہ فنڈوں کی وصولی کا ہدف تھا تاکہ ریاست میں تعمیر وترقی کے نئے دور کا آغاز کیا جاسکے۔

....

(انگریزی سے ترجمہ: غوثیہ رشید)

☆☆☆
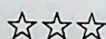
☆......اشوک بھان

ایک غیرت مند کشمیری کو خراج تحسین

(اُس کی وفات سے میں نے ایک پیارے دوست کو کھو دیا)

میں نے مفتی صاحب کو 1972ء کے انتخابات سے دیکھا ہے جب وہ کانگریس پارٹی کی الیکشن مہم کے انچارج تھے۔ کانگریس پارٹی اقتدار میں آگئی اور وہ سید میر قاسم کی وزارت اعلیٰ میں منسٹر بن گئے۔ مفتی صاحب کے ساتھ میرے قریبی روابط اس وقت سے استوار ہوئے جب وہ پردیش کانگریس کمیٹی کے صدر بن گئے۔ رفاقت کا یہ سلسلہ کانگریس پارٹی سے اُن کے کنارہ کش ہونے کے بعد بھی جاری رہا جب وہ 1989ء میں وی پی سنگھ کے ساتھ منسلک ہو گئے جہاں انہیں مرکزی کابینہ میں وزیر بنایا گیا۔ وہ ہمیشہ قیامِ امن کیلئے اپنائے گئے ٹریک ٹو (Track-2) طرز کے حامی رہے۔

مفتی صاحب بحیثیتِ ایک سیاست داں صاف گو، زیرک، باخبر اور ہوشمند شخص تھے۔ وہ دل سے حب الوطن تھے اور نہرو کی اشتراکی سیاست سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ وہ ایک غیرت مند کشمیری تھے۔ مجھے ایک بار ڈاکٹر منموہن سنگھ نے بتایا کہ

وہ مفتی محمد سعید کو ذاتی طور پر زیادہ نہیں جانتے تھے لیکن جب وہ مفتی صاحب سے کئی مرتبہ کانگریس پارٹی کے مذاکرات کار اور وزیر اعظم کی حیثیت سے ملے تو انہیں لگا کہ مفتی محمد سعید دل سے ہندوستانی تھے اور بار بار ایک غیرت مند کشمیری کی حیثیت سے بولتے تھے۔ اپنی سیاسی بصیرت کی بناء پر مفتی محمد سعید نے ہمیشہ نئی دلی کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ کانگریسی بن گئے اور جلد ہی سید میر قاسم کی قیادت والی کانگریس کے باغی گروپ کے ساتھ جڑ کر اُس وقت کے وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق کے خلاف مہم میں مل گئے۔ مفتی مرحوم اپنی قابلیت کی بناء پر ڈی پی دھر، میر قاسم اور دوسرے لیڈروں کے چہیتے بن گئے۔ اسی بناء پر انہیں 1972ء کے انتخابات کا انچارج مقرر کر لیا گیا۔ انہوں نے اگرچہ خود الیکشن نہیں لڑا تاہم انہیں سید میر قاسم کی کابینہ میں وزیر کا عہدہ مل گیا۔ بنگلہ دیش کے قیام کے بعد اندرا گاندھی اور ان کے مشیروں کی ٹیم نے شیخ محمد عبداللہ اور رائے شماری فرنٹ کو مین سٹریم میں لانے کا منصوبہ بنالیا۔ 1975ء میں شیخ محمد عبداللہ کو کشمیر کیلئے رائے شماری کا مطالبہ ترک کرنے پر اعزاز و انعام سے نوازا گیا۔ انہیں کانگریس لیجسلیچر پارٹی کے تعاون سے وزیر اعلیٰ بنایا گیا جبکہ میر قاسم کو مرکزی کابینہ اور کانگریس ورکنگ کمیٹی میں جگہ دی گئی۔ مفتی محمد سعید کو پردیش کانگریس کمیٹی کا صدر منتخب کیا گیا اس وقت ریاست کی سیاست میں بہت سارے اتار چڑھاؤ تھے۔ کانگریس کے کئی کارکن شیخ محمد عبداللہ کو اقتدار سونپنے کے حق میں نہیں تھے ان میں مفتی محمد سعید بھی شامل تھے۔ کچھ لیجسلیٹروں سمیت کئی اہم لیڈروں نے اندرا عبداللہ اکارڈ کو مستحکم کرنے کی وکالت کی۔ مفتی مرحوم نے ان کانگریسیوں سے کنارہ کرنے میں کامیابی حاصل کرلی اور اکارڈ کی مخالفت والی راہ اختیار

کرلی۔ مفتی محمد سعید کو لیجسلیچر پارٹی پر جموں سے تعلق رکھنے والے لیڈر گرداری لال ڈوگرہ کے ذریعے مکمل پکڑ حاصل تھی۔ یہ سلسلہ اُس وقت تک جاری رہا جب 1977ء میں کانگریس پارٹی کو ملک کے انتخابات میں شکست ملی اور اندرا گاندھی خود الیکشن ہار گئیں۔ مفتی محمد سعید اور ڈوگرہ نے شیخ محمد عبداللہ کا سپورٹ یہ سوچ کر واپس لیا کہ شاید کانگریس پارٹی اقتدار میں آئے گی۔ شیخ محمد عبداللہ نے اسمبلی تحلیل کرنے کی مانگ کی جس کو گورنر ایل کے جھا نے قبول کرلیا اور اس طرح ریاست میں ایل کے جھا کے تحت گورنر راج نافذ ہوگیا۔ یہاں سے مفتی اور عبداللہ یا نیشنل کانفرنس اور کانگریس کی سیاسی مخاصمت کا آغاز ہوگیا۔ شیخ صاحب نے سرعام ناموافق الفاظ استعمال کر کے مفتی محمد سعید اور کانگریس کو نشانہ بنایا لیکن مفتی اور کانگریس پارٹی نے اس مہم کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ یہیں سے مفتی محمد سعید ایک لیڈر کی حیثیت سے عوام کی نظروں میں چھا گئے۔

1984ء میں مفتی محمد سعید نے پھر سے عبداللہ خاندان کی طرف رُخ کیا اور نیشنل کانفرنس میں ڈاکٹر فاروق عبداللہ سے قطع تعلق کرنے والے اُن کے برادر نسبتی غلام محمد شاہ کی طرف سے حکومت کا تختہ پلٹنے سے پارٹی میں دراڑ پیدا ہوئی۔ غلام محمد شاہ کو کانگریس لیجسلیچر پارٹی کا تعاون ملا۔

مفتی محمد سعید آر ایس پورہ جموں سے اسمبلی ممبر کی حیثیت سے منتخب ہوگئے۔ غلام محمد شاہ کو شاید یہ بات ناگوار گذری کہ مفتی محمد سعید وزارت اعلیٰ کے عہدے کیلئے ایک فعال اور با اثر لیڈر کی حیثیت سے ابھر رہے ہیں۔ 1986ء میں غلام محمد شاہ کے دورِ حکومت میں ریاست میں امن و قانون کا مسئلہ پیدا ہوا، انہوں نے استعفیٰ دے دیا اور ریاست میں پھر ایک مرتبہ گورنر راج کا نفاذ عمل میں آیا۔ اسی

دوران ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے کانگریس کے ساتھ مخاصمت ترک کر کے 1987ء کے انتخابات سے قبل راجیو گاندھی کے ساتھ ہاتھ ملایا۔ وہ اس طرح مفتی کو غصہ دلانا چاہتے تھے۔ مفتی محمد سعید کو مرکزی کابینہ منتقل کیا گیا غلام رسول کار پردیش کانگریس کے صدر بنائے گئے جبکہ راقم پارٹی کا جنرل سیکریٹری منتخب ہوا۔

مفتی محمد سعید کے وزیر داخلہ رہنے کے دوران کشمیر میں نامساعد حالات شروع ہوئے اور مرکز کو کشمیر کے تیئں سخت گیر پالیسی اختیار کرنا پڑی۔ مفتی مرحوم ہمیشہ دلی کے ساتھ رہے جبکہ ریاستی اسمبلی میں ان کے کئی ایک ساتھیوں جیسے سید علی شاہ گیلانی، عبدالغنی لون، اور جماعت اسلامی کے اسمبلی ممبران نے علیحدگی پسند سیاست کے ساتھ رہنا پسند کیا۔

1999ء میں مفتی محمد سعید کو محسوس ہوا کہ جموں وکشمیر میں سیاسی فلاح کو پورا کرنے کے لئے ایک علاقائی پارٹی کی تشکیل ناگزیر ہے وہ اور ان کے دیگر ساتھیوں بشمول غلام حسن میر اور دیگر سیاسی شخصیات نے پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی کی بنیاد ڈالی۔ محبوبہ مفتی نے کانگریس پارٹی سے استعفیٰ دیا اور پی ڈی پی میں شمولیت اختیار کی۔ اُس دور میں مین سٹریم سیاست کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ پی ڈی پی نے کنارے بیٹھنا پسند کرنے والوں کو ساتھ چلا کر انتخابی عمل کو جواز بخشا۔ محبوبہ مفتی اُن گھرانوں تک جا پہنچی جو زیادتیوں کی وجہ سے متاثر ہو گئے تھے۔ وہ بعض اوقات ہلاک کئے گئے لوگوں کی آخری رسومات میں بھی شامل ہوا کرتی تھیں۔ اس طرح انہیں متاثرہ کشمیری خاندانوں کے ساتھ رابطہ قائم ہوا۔ مفتی صاحب سیاست کے میدان میں صلاحیتوں کی تلاش میں تھے۔ انہوں نے ہر میدان سے بہترین سیاسی شخصیات کو لے کر پی ڈی پی میں شامل کیا۔ ان کے دل میں

سیاستدانوں اور دوستوں کے تئیں عزت و احترام کا جذبہ تھا۔ کل ملا کر یہ کہ وہ ایک شریف النفس شخصیت تھے۔

قسمت نے مفتی محمد سعید کا ساتھ دیا۔ اُن کے دور میں پرویز مشرف اور اٹل بہاری واجپائی اور بعد میں ڈاکٹر منموہن سنگھ کی قیادت والی یو پی اے (دوئم) کے دوران امن عمل کا آغاز ہو گیا۔ کنٹرول لائن کو تجارت اور بس سروس کے لئے کھولا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ 2002ء سے 2005ء تک کے اُن کے دور کو ہیلنگ ٹچ اور بہتر حکومت کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ میں یہاں کچھ ذاتی نوعیت کی باتیں درج کرنے کیلئے اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکتا ہوں۔ اپنے دوست مفتی صاحب کو خراج عقیدت ادا کرتے ہوئے میں بتانا چاہتا ہوں کہ انہوں نے ایک بار اپنے پرنسپل سیکریٹری وجے بقایا کے ذریعے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں اب بھی ہائی کورٹ کا جج بننے کیلئے راضی ہوں۔ میں نے جواباً کہا کہ میں اس میں دلچسپی نہیں رکھتا۔ بعد میں انہوں نے مجھے کوٹلہ لین کشمیر ہاؤس میں شام کو عشائیہ پر مدعو کیا اور مجھ سے ذاتی طور پر یہ سوال کیا۔ میں نے احتراماً اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ اسی دور میں کچھ وزراء کا نام کسی سکینڈل کے حوالے سے منظر عام پر آیا۔ مفتی صاحب نے کانگریس ہائی کمان سے مجھے کابینہ میں شریک ہونے کیلئے درخواست کی۔ محبوبہ مفتی نے اس درخواست کیلئے ان کی حمایت کی تھی۔ مجھے ذاتی طور پر اس بات کا علم ہوا۔ مجھے کانگریس صدر نے پوچھا کہ کیا میں ریاستی کابینہ کا وزیر بننے کا خواہش مند ہوں۔ میں نے ذاتی وجوہات کی بناء پر اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ میں مفتی صاحب کا ایک بہترین دوست کی حیثیت سے مرہون منت رہوں گا اور محبوبہ مفتی کا بھی کیونکہ وہ مجھ قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔

قوم نے ایک بہت بڑے لیڈر ، ایک دانا منتظم ، ایک ہنرمند اور باصلاحیت شخص اور چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھنے والے شخص کو کھودیا۔دوستوں نے ایک محبّ اور شفیق دوست کو کھودیا۔اللہ ان کی روح کو جنت میں جگہ عطاء کرے۔

....

(انگریزی سے ترجمہ: غلام نبی شاکر)
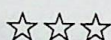
☆☆☆

☆☆☆
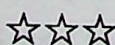
☆......ظفر اقبال منہاس

ہمہ وقتی سیاست دان

مفتی محمد سعید مرحوم نے ایک ایسے معاشرے میں آنکھ کھولی جب کشمیر میں آزادی کی تحریک کا ڈنکا ہر سو بج رہا تھا۔ وہ ایک ایسے ماحول میں پلے بڑھے جہاں مرحوم شیخ محمد عبداللہ کا طوطی غیر منقسم وادی ہی نہیں بلکہ میر پور، پونچھ اور خطۂ چناب میں بھی ہر طرف بول رہا تھا۔ یہ وہ دور تھا جب شیخ صاحب کے تئیں عقیدت کا عالم یہ تھا کہ لوگوں کے ایک حلقے کو اُن کا نام پتوں پر لکھا ہوا نظر آتا تھا۔ مفتی صاحب نے اسی دور میں تعلیم حاصل کی اور ان ہی ایام میں انہوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے قانون کے ساتھ ساتھ عربی میں بھی ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ اگرچہ اُن کا تعلق مذہبی گھرانے سے تھا، تاہم علی گڑھ کی فضاؤں نے جواں سال مفتی کے خیالات و افکار کو بدل کر رکھ دیا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد واپس آکر انہوں نے وکالت کا پیشہ اختیار کیا لیکن اب اُن کا اصلی میدان سیاست کی پُر خار دُنیا تھا جس میں انہوں نے ایک بار جو قدم رکھا تو پھر زندگی کی آخری سانس تک پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ شیخ صاحب اب جیل میں بند تھے، دہلی کے ساتھ اُن کی ٹھن گئی تھی اور اُن کی تائید اور

آشیر واد سے رائے شماری محاذ کے نام سے عوامی حمایت سے آرستہ اور پیرستہ ایک نئی جماعت معرضِ وجود میں آچکی تھی جسے تب عوامی مزاحمت اور حصول آزادی کی ایک علامت کا درجہ حاصل تھا۔ بخشی غلام محمد کی قیادت میں نیشنل کانفرنس کا سارا رعب و دبدبہ اور کروفر سرکاری ایوانوں تک سمٹ کر رہ گیا تھا۔ لوگوں کو رجھانے کیلئے جگہ جگہ مراعات کی دوکانیں کھول دی گئی تھیں، جس میں انتہائی سستے داموں پر راشن اور بجلی کی فراہمی بھی شامل تھی۔ مفتی صاحب نے اپنی دانست اور صواب دید کے مطابق غالباً نوشتۂ دیوار پڑھ لیا تھا، اس لئے انہوں نے اُن کے اپنے بقول عوامی رو میں بہہ نکلنے کی بجائے عملی اور حقیقت پسندانہ سیاست کا حصہ بننا پسند کیا اور وہ غلام محمد صادق، سید میر قاسم اور دُرگا پرشاد دھر پر مبنی دھڑے میں جو ڈی این سی کہلاتا تھا، میں شامل ہوگئے اور کچھ ہی عرصے کے بعد اُن ہی کی سرکردگی میں کشمیر میں نووارد آل انڈیا کانگریس کی ریاستی شاخ کا حصہ بن گئے۔ کانگریس کے ساتھ اُن کی وابستگی جو ساٹھ کی دہائی میں عمل میں آئی، ایک مختصر سے عرصے کو چھوڑ کر تب تک برقرار رہی جب تک کہ انہوں نے 1999ء میں مقامی سطح پر پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی کے نام سے نئی جماعت قائم کرنے کا فیصلہ نہیں کرلیا۔ کانگریس کے ساتھ وابستگی کے دوران مرحوم ریاستی اسمبلی کے ممبر اور کابینہ کے وزیر بھی رہے۔ جبکہ مرکزی سطح پر وہ وزیر سیاحت کے عہدے پر فائز ہوئے اور بعد ازاں اسی عہدے پر سے انہوں نے مرکزی قیادت سے اختلاف کی بنا پر استعفیٰ دیا اور وی پی سنگھ کی قیادت میں جنتا دل میں شامل ہوئے اور اُنہیں ابھی تک کے پہلے اور آخری مسلمان وزیر داخلہ بننے کا بھی اعزاز حاصل ہوا۔ اس سارے عرصے میں ریاست، خاص کر وادی کی پُر آشوب سیاست میں کئی نشیب و فراز آئے جن میں مفتی محمد سعید مرحوم کے متحرک اور فعال

کردار کو کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، جس پر ان مختصر سطور میں بحث کی گنجائش بے حد کم ہے۔ تاہم ایک بات جو اُن کے بدترین نکتہ چین بھی تسلیم کرتے ہیں یہ ہے کہ ہندوستان کے ساتھ ان کی وابستگی ایک پَل کے لئے بھی تذبذب کا شکار نہیں ہوئی۔ وہ جتنے پکے اور پختہ ہندوستانی تب تھے جب انہوں نے سیاست کی وادی میں قدم رکھا، اس سے کہیں زیادہ کٹر بھارت وادی وہ تب تھے جب دہلی کے آل انڈیا انسٹی چیوٹ آف میڈیکل سائنسز میں انہوں نے آخری ہچکی لی۔ اقتدار کے اندر اور اس سے باہر ہر قدم اور ہر موڑ پر انہوں نے ریاست، خاص کر وادی کے عوام کو دہلی کے قریب لانے کی اَن تھک کوشش کی۔ وہ سچے دل سے اس بات کے قائل تھے کہ اس کے سوا اور کوئی دوسرا راستہ نہیں، تاہم یہ کہنا ہرگز ہرگز غلط نہ ہوگا کہ غلام محمد صادق اور ڈی پی در کی سربراہی میں کشمیر کی منفرد تاریخی اور ثقافتی حیثیت سے قطعِ نظر مکمل طور پر قومی یکجہتی National Integration کا تاج گو کہ انہوں نے اپنے سر پر سجانے کی کوشش کی تھی لیکن زندگی کے آخری ایام خاص کر 1990ء میں بپا ہونے والی مسلح جدوجہد کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ اہل کشمیر پر قومی سطح کی جماعتوں کو مسلط کرنے کا تجربہ ناکام ہو چکا ہے اور اُن کے اپنے خیال میں کشمیریوں کا یہ حق بنتا ہے کہ ہندوستان کے وسیع و عریض سمندر میں اُنہیں اپنے جزیرے کی دیوار بندی اور اُس کی حفاظت کی آزادی حاصل ہونی چاہئے۔ 1998ء میں ہفتہ روزہ ''چٹان'' کو دیئے گئے اپنے ایک انٹرویو میں انہوں نے واضح اور دوٹوک لفظوں میں اس کا اعتراف کیا۔ وہ اب اس نتیجے میں پہنچ چکے تھے کہ دہلی اور سرینگر کے تعلقات کو عوامی سطح پر پائیدار اور معتبر بنانے کے لئے بفر (Buffer) کا ہونا ضروری ہے اور اگر اس کی دیکھ ریکھ نہ کی گئی تو اس سے علاحدگی

پسند قوتوں کو تقویت ملے گی۔ اُن کا یہ بھی کہنا تھا کہ 1987ء کے انتخابات اور اُس کے بعد پیدا ہونے والی صورتِ حال کے بعد وہ سیاسی پارٹی اپنی حیثیت اور عوامی ساکھ کھو بیٹھی ہے جو اسے کبھی حاصل تھی۔ ایسے میں ملک اور ریاستی عوام کے مفاد میں بالخصوص ایک ایسی مقامی جماعت کا قیام از بس ضروری ہے جو اِس خلا کو پورا کر سکے۔ پی ڈی پی کا قیام اسی بدلی ہوئی اور حقیقت پسندانہ سوچ کا نتیجہ تھا اور اس بدلی ہوئی سوچ نے زمینی سطح پر انہیں خاطر خواہ کامیابی سے بھی نوازا۔ 1975ء میں شیخ صاحب کے برسر اقتدار آنے کے بعد ایک دور ایسا بھی تھا جب مفتی صاحب کو اسمبلی میں داخل ہونے کیلئے وادی کی بجائے جموں کے آر۔ ایس پورہ اور بھارتی پارلیمانی میں داخل ہونے کے لئے یوپی کے مظفر نگر سے الیکشن لڑنا پڑا۔ لیکن پی ڈی پی کے قیام کے بعد اسمبلی اور پارلیمان دونوں کے دروازے مفتی صاحب اور اُن کے ساتھیوں پر یوں کھُلتے چلے گئے کہ کشمیر کی انتخابی سیاست کے منظر نامے پر یہ نظارہ بھی دیکھنے کو ملا کہ وادی کی تینوں نشستوں پر پی ڈی پی کو نہ صرف کامیابی ملی بلکہ شیر کشمیر کے فرزند جن کی صدارتی تاج پوشی میں ایک محتاط اندازے کے مطابق پندرہ لاکھ کا مجمع شامل ہوا تھا وہ پی ڈی پی کے امیدوار کے ہاتھوں ووٹوں کی واضح برتری سے ہار گئے۔ یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ مفتی صاحب مرحوم نے جس طرح اپنی سیاسی زندگی کا آغاز عام روش سے ہٹ کر غیر پسندیدہ معروضیت (unpopular objectivity) کے ساتھ کیا۔ ایسا ہی ایک فیصلہ انہیں اپنی زندگی کے آخری مرحلے پر 2014ء کے اسمبلی انتخابات کے بعد کرنا پڑا جب انہیں بدلے ہوئے تلخ لیکن زمینی حقائق کی روشنی میں دائیں بازوں کی بی جے پی سے ہاتھ ملانا پڑا۔ خود مرحوم کے اپنے الفاظ میں نارتھ پول اور ساؤتھ پول کا اتحاد تھا۔ تاہم اُن کا یقین تھا

کہ عوامی منڈیٹ کی شکل میں حاصل ہونے والے اس فیصلے کو اگر صدق دِلی سے کام لیا جائے تو مجبوری کی بجائے ایک تاریخی موقع میں تبدیلی کیا جاسکتا ہے۔ اُن کا کہنا تھا کہ دہلی اور سرینگر کے مابین چھ دہائیوں پر پھیلی ہوئی چپقلش نے وادی اور جموں کے مابین ایک گہری خلیج حائل کردی ہے، جسے اس اتحاد کی برکت سے پاٹا جاسکتا ہے۔ انہوں نے اس خلیج کو پاٹنے کی دیانتدارانہ اور پُر خلوص کوشش کی لیکن مثل مشہور ہے کہ تالی کبھی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔ پھر اسی بیچ اُن کی صحت خراب سے خراب تر ہوتی چلی گئی اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ اب وہ چند ماہ کے مہمان ہیں، انہوں نے آخری دم تک اپنی کوششیں جاری رکھیں اور کسی بھی پل ہار نہ مانی۔ عمر بھر کی سیاست گری نے انہیں بہت کچھ سکھا دیا تھا اور وہ دل و جان سے اپنے لوگوں کی خدمت کرنا چاہتے تھے۔ وہ کشمیر اور اہل کشمیر کو تشدد کی آگ سے باہر نکالنے پر کمر بستہ تھے۔ ''بندوق سے نہ گولی سے بات بنے گی بولی سے'' محض ایک نعرہ نہیں تھا بلکہ یہ اُن کے دِل کی آواز تھی۔ وہ جانتے تھے کہ تشدّد اور مار دھاڑ سے کشمیریوں کا کوئی بھلا نہیں ہونے والا۔ وہ امن اور صرف امن کے داعی تھے لیکن امن سے اُن کی مراد قبرستان کی خاموشی یا طاقت کے بل بوتے پر مسلط کیا گیا جبر و استداد ہرگز نہ تھا۔ وہ اپنی کوشش میں کتنے کامیاب ہوئے اور اُن کا کون سا فیصلہ صحیح تھا یا غلط، ظاہر ہے اس پر اختلاف رائے کی گُنجائش موجود ہے تاہم یہ بات اُن کے سیاسی مخالفین کو بھی ماننا پڑی کہ اُن کی وفات سے ریاست کی مین سٹریم سیاست کا ایک اہم باب بند ہوگیا اور ریاست ایک تجربہ کار، جہاندیدہ اور دُور اندیش سیاست دان سے محروم ہوگئی۔

اگر چہ سیاست مفتی صاحب کی اولین ترجیح تھی اور یہ اُنؒ کے لئے ذہنی عیاشی یا وقت گزاری کی بجائے ہمہ وقتی Full Time پیشہ تھا، تاہم اُن کو قریب سے جاننے

والے اس بات کے گواہ ہیں کہ وہ ایک سے زیادہ خوبیوں کے مالک تھے۔ وہ دوستوں کے دوست اور ساتھیوں کے بہترین ساتھی تھے۔ وہ رشتوں کو نبھانا جانتے تھے، اُن کی مہمان نوازی لاجواب تھی۔ 1960ء کے مفتی محمد سعید اور 2014 کے مفتی میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ 2014ء کا مفتی بڑے دِل کا مالک، ایک وضع دار شخص تھا ساری زندگی شیخ محمد عبداللہ کی سیاست کی مخالفت اور تن دہی سے اُن کا مقابلہ کرنے کے باوجود اب وہ اُن کے رول اور اُن کی شخصیت کے سحر کی دِل کھول کر سراہنا کرتے تھے۔ 19/دسمبر 2014ء کو اپنی پارٹی کی آخری میٹنگ میں بھی وہ شیخ صاحب کی تعریف کرنا نہ بھولے۔ عملی سیاست کے میدان میں قدم رکھنے سے پہلے راقم مفتی صاحب سے ایک سے زیادہ بار مل چُکا تھا۔ لیکن دسمبر 2012ء کے بعد مُجھے اُنہیں کافی قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ جنوری 2013ء میں پی ڈی پی میں میری شمولیت کے بعد آخری ایام تک انہوں نے اس ناچیز کی جو حوصلہ افزائی کی، اُسے میں کبھی بھول نہیں سکتا۔ شاید ہی کبھی ایسا ہوا ہو کہ میں اُن سے ملنے گیا یا انہوں مجھے یاد کیا ہو اور وہ مجھے کافی پلانا بھولے ہوں۔ چند واقعات اس وقت رہ رہ کر یاد آرہے ہیں جنہیں یہاں بیان کرنا شاید بے جانہ ہو۔ جون 2013ء میں مجھے اُن کی سربراہی میں پونچھ راجوری کا دورہ کرنے کا موقع ملا۔ پہلی رات ہم نے شاہدرہ شریف کے ڈاک بنگلے میں گزاری۔ اگلی صبح میں نے پہلے ہی ناشتہ کرلیا، بعد میں جب مرحوم نے مجھے ناشتے پر بُلایا تو یہ جاننے پر ناراضگی کا اظہار کیا کہ میں نے اکیلے میں اور الگ سے ناشتہ کیوں کرلیا۔ کہنے لگے اب تمہاری سزا یہ ہے کہ ہمارے ساتھ پھر سے ناشتہ کرو تاکہ آئندہ اس غلطی کو نہ دُہراو۔ وزیر اعلیٰ بننے کے بعد پہلی بار شوپیان تشریف لائے تو ہمیشہ کی طرح اپنی تقریر میں کُھل کر میرا ذکر کیا۔ بعد میں

جب لنچ کی باری آئی تو میں واز ہ وان سے بچنے کے لئے کھانے کی میز سے کھسک گیا اور ساتھ والے کمرے میں چلا گیا۔ چند منٹوں کے بعد ایک کے بعد ایک افسر جس میں ڈپٹی کمشنر بھی شامل تھے مجھے بلانے کے لئے آ گئے۔ سب کا کہنا تھا، چیف منسٹر صاحب آپ کو یاد کر رہے ہیں۔ میں حاضر ہوا تو خوب ڈانٹ پلائی۔ تم کھانے کی میز سے کیوں غائب ہو گئے، میں نے عذر بیان کیا تو بولے، تم یہ کھانا کھا لو جو میں گھر سے ساتھ لایا ہوں اور یوں مجھے اپنے کھانے میں شامل کر لیا۔ اسی طرح دوسری بار تشریف لائے تو جے کے بنک کے اے ٹی ایم کا افتتاح کیا۔ اے ٹی ایم کی مشین سے انہوں نے بنک والوں کے بتانے پر کچھ پیسے نکال کر انہیں دینے چاہئے لیکن بنک کے افسران نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جناب یہ تو آپ کے ہیں۔ بولے میں نہیں لیتا۔ اس پر میرا نام پکارا اور ان سے بولے یہ منہاس صاحب کو دے دو۔ بظاہر یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں لیکن ان میں سے اُن کا بڑا پن جھلکتا تھا۔ اُن کی یہ خوبی قابل داد تھی کہ وہ اپنے ہر ساتھی سے یوں ملتے اور اُس کے ساتھ یوں پیش آتے کہ وہ یہ سوچنے لگتا کہ وہ اپنے لیڈر کے سب سے زیادہ قریب ہے۔ وہ ہمیشہ کہتے کہ میرے ورکر میری آنکھوں کی پتلیاں ہیں اور فخریہ طور کہتے کہ ''میرے ساتھ کون سے عوام تھے، عوام تو شیخ صاحب کے ساتھ تھے، مفتی اگر سیاست میں زندہ رہا تو اپنے ورکروں کی بدولت''۔ وہ اپنے لوگوں کے لئے بہت کچھ کرنا چاہتے تھے اور اس مقصد کے حصول کے لئے دِن رات ایک کرتے تھے۔ وہ عملی دُنیا کے شخص تھے، بڑے بڑے معاملات ہی نہیں بلکہ جزیات پر اُن کی گہری نظر رہتی تھی۔ ایک واقعہ یاد آتا ہے، الیکشن کے دوران میں چیف کوارڈینیٹر کی حیثیت سے پلوامہ کے موجودہ ایم ایل اے محمد خلیل بند کے ساتھ ایک گاؤں میں چلا گیا۔ جہاں حاضری کافی کم تھی۔ شام کو

مفتی صاحب نے پوچھا تو میں نے جواب دیا کہ ڈھائی سو کے قریب حاضری تھی۔ مفتی صاحب نے فوراً جواب دیا۔ ایک سو آپ نے اپنی طرف سے بڑھا دیا۔ میرے ہوش اُڑ گئے۔ مفتی صاحب کی بات ہی صحیح تھی۔ اُس کے بعد میں ہمیشہ کے لئے محتاط ہو گیا اور اُن کو کچھ بتانے سے پہلے پھونک کر قدم رکھتا کہ مبادا کوئی غیر واقعاتی بات منہ سے نکل جائے۔ موت ایک اٹل حقیقت ہے اور اس سے کسی بھی ذی روح کو فرار حاصل نہیں، تاہم یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ مفتی صاحب ایک ایسے مرحلے پر ہم سے بچھڑ گئے جب ریاست کو اُن کی بے حد ضرورت تھی لیکن قدرت کی بے نیازی کے اپنے طور طریقے ہیں جن پر فانی بندوں کو کسی طرح کی دسترس حاصل نہیں۔ ہم سب اللہ کے ہیں اور ہمیں اُسی کی طرف لوٹنا ہے۔

افسوس بے شمار سُخن ہائے گُفتنی
خوفِ فسادِ خلق سے ناگفتہ رہ گئے

☆☆☆

☆ شیرازہ اردو اور ہمارا ادب میں اشاعت کے لئے ارسال کرنے کے لئے اپنی نِگارشات صاف صاف اور کاغذ کے ایک ہی طرف لکھیں۔ تبدیلی پتہ/ یا فون نمبر بدلنے کی صورت میں ہمیں مطلع کرنا نہ بھولیں۔ (ادارہ)

☆......طاہر محی الدین

مفتی محمد سعید۔۔۔چند یادیں، چند باتیں

مفتی محمد سعید کو میں نے پہلی مرتبہ 80 کی دہائی میں لال چوک کے بغل میں اخبار آفتاب کے دفتر میں دیکھا۔ یہ میرے صحافتی کیریئر کا ابتدائی زمانہ تھا۔ مفتی صاحب کبھی کبھی مدیر آفتاب خواجہ ثناء اللہ بٹ سے ملنے آتے تھے۔ مفتی صاحب نے پوری زندگی میڈیا اور پریس کے ساتھ قریبی تعلق رکھا۔ مجھے یاد ہے کہ کبھی کبھی وہ خواجہ ثناء اللہ بٹ کے لئے 555 سگریٹ کے پیکٹ بھی بھجوایا کرتے تھے۔ خواجہ صاحب کی طرح مدیر سرینگر ٹائمز صوفی غلام محمد بھی ان کے قریب تھے۔ یہ دونوں ایڈیٹر بعض اوقات مفتی صاحب سے ملنے ان کی رہائش گاہ پر بھی جاتے تھے۔ اس زمانے میں مفتی سعید ریاستی کانگریس کے صدر تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے پریس نمائندوں کے لئے اہرہ بل میں وازہ وان کی دعوت کا اہتمام کیا تھا۔ کانگریس صدر کے طور ایک بار انہوں نے بنڈ پر واقع خدمت ہاؤس میں پریس کانفرنس کے لئے صحافیوں کو طلب کیا۔ میں آفتاب کی طرف سے حاضر ہوا۔ پریس کانفرنس میں مفتی صاحب کے ہمراہ مرحوم مولوی افتخار انصاری بھی موجود تھے اور وہی بول رہے تھے۔

موصوف نے وزیراعلیٰ مرحوم شیخ عبداللہ کے خلاف ''لال کتاب'' تیار کی تھی جس میں ان کے خلاف زبردست الزامات عائد کئے گئے تھے۔

مولوی صاحب پریس کانفرنس میں ان الزامات کی تفصیل بتا رہے تھے۔ پریس کانفرنس کے خاتمے پر مولوی صاحب باہر گئے تو مفتی صاحب بولے کہ جو کچھ مولوی صاحب نے کہا ہے، اس کو انہی سے منسوب کیا جائے۔ دراصل شیخ صاحب کے خلاف سیاسی جنگ لڑنے کے باوجود مفتی صاحب نہیں چاہتے تھے کہ اس کے خلاف عائد الزامات کو ان سے منسوب کیا جائے۔ ان کا یہ وطیرہ ہمیشہ قایم رہا۔ مفتی صاحب سیاست میں ٹکراؤ اور محاذ آرائی کی بجائے مفاہمت اور اکاموڈیشن کی پالیسی پر عمل پیرا رہے۔ مرحوم کے انتقال پر سرینگر دوردرشن نے ایک ٹاک شو کا انعقاد کیا جس میں یہ بندہ بھی موجود تھا۔ وہاں دوردرشن کے سابق نیوز ایڈیٹر مشتاق تانترے نے ایک دلچسپ قصہ سنایا۔ ان کا کہنا تھا جب وہ دوردرشن میں تعینات تھے تو ایک شام چیف منسٹر ہاؤس سے فون آیا، میں سمجھا کہ کچھ غلطی ہوئی ہے۔ مگر جلد ہی وہاں سے بات کرنے والے صاحب نے بتایا کہ مفتی صاحب چاہتے ہیں کہ آج نیشنل کانفرنس نے ایک پریس ریلیز جاری کیا ہے، اس کو اچھی کوریج ملنی چاہیئے۔ تانترے صاحب کے مطابق، این سی نے انتخابی شکست کے بعد تمام سرگرمیاں معطل کردی تھیں اور پہلی بار ایک پریس بیان شائع کیا تھا۔ وزیراعلیٰ مفتی سعید چاہتے تھے کہ اس بیان کو اچھی تشہیر ملے۔ اس طرح سے وہ اصل میں ایک جمہوری ماحول کا تاثر دینا چاہتے تھے۔

وزیراعلیٰ کے طور مفتی صاحب سے میری کئی بار ملاقات ہوئی۔ پہلی ملاقات جموں میں ہوئی تھی۔ میں اصل میں کرشن دیو سیٹھی صاحب سے ملنے گیا تھا تو

باتوں باتوں میں انہوں نے صلاح دی کہ مجھے چیف منسٹر سے ملنا چاہیئے۔اس کے بعد سیٹھی صاحب نے ہی مفتی صاحب کوفون کر کے میری ملاقات کا ٹائم مقرر کروایا۔

یہاں یہ بتا تا چلوں کہ جموں کے انقلابی دانشور اور کمیونسٹ لیڈر کے ڈی سیٹھی اور سرکردہ صحافی و مدیر کشمیر ٹائمنز آنجہانی وید بھسین کے ساتھ مفتی سعید کا قریبی تعلق زندگی بھر قائم رہا۔ مفتی صاحب کی وفات کے بعد جموں میں میری سیٹھی صاحب سے ملاقات ہوئی تو وہ مفتی صاحب کے لئے رطب اللسان نظر آئے۔ان کا کہنا تھا کہ مفتی صاحب آخر تک انہیں یاد کرتے رہے۔وہ خود محلّہ شہیدی چوک میں واقع قدیم طرز کے گھر میں ان سے ملنے آتے یا پھر انہیں اپنے ہاں بلا لیتے۔اس سے قبل گرمیوں میں جب کبھی سیٹھی صاحب کشمیر آتے تو ان کا قیام مفتی صاحب کے ہاں رہتا تھا۔

مرحوم کا طریقہ یہ تھا کہ جب ملاقات کے لئے جاتے تھے تو چائے کے لئے بول دیتے اور پھر مختلف معاملات خاص طور پر سیاسی صورت حال پر بات کرتے۔ان کی کوشش ہوتی تھی کہ آگے بیٹھے شخص سے جو فیڈ بیک مکمل ہے حاصل کیا جائے۔

2009میں ------۔ (جنوبی ایشیا فری میڈیا ایسوسیشن) نے بھارت سے صحافتی وفد کے دورۂ پاکستان کا اہتمام کیا تھا اس وفد میں کشمیر کے متحدد صحافیوں کے ہمراہ میں بھی شامل تھا۔ پاکستان سے واپسی پر سرینگر میں چیف منسٹر ہاؤس سے فون آیا کہ مفتی صاحب بریک فاسٹ پر ملنا چاہتے تھے۔اگلی صبح ہم مولانا آزاد روڈ پر واقع کوٹھی، جہاں مفتی صاحب بطور وزیر اعلیٰ قیام پذیر تھے، پہنچے تو مفتی صاحب ہم سے سوالات کرتے رہے کہ وہاں پاکستان اور خاص طور سے مظفر آباد

میں کیا دیکھا، کیا سنا اور وہاں صورت حال کیا اور کیسی ہے؟

وہ حقیقی معنوں میں ایک عوامی اور زمینی سیاستدان تھے اور فیڈ بیک حاصل کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں ہونے دیتے تھے۔ آپ کو اخبارات پڑھنے کا بھی شوق تھا۔ ویکلی چٹان بھی پڑھتے تھے۔ وزیر اعلیٰ کے طور ملاقات میں ایک بار مجھ سے کہا کہ کافی دنوں سے چٹان نہیں دیکھا، میں نے کہا کہ جناب، آپ کے ماتحت تو محکمۂ اطلاعات ہے، ان سے کیوں نہیں کہتے۔ اس پر بولے کہ ان سے کون کہے گا، ہو سکے تو آپ بھی بھجوایا کرو۔ اس کے بعد ہم نے اپنے آدمی کی ڈیوٹی لگائی کہ ہر ہفتے چٹان چیف منسٹر ہاؤس پر چھوڑ آئے۔

مفتی صاحب جب دوسری مرتبہ وزیر اعلیٰ بنے تو آپ نے حلف اٹھانے کے ایک ہفتہ بعد مقامی مدیران کو دیگر صحافیوں کو لنچ پر مدعو کیا۔ اس موقعہ پر جب میں نے کچھ کہا تو وہ بولے کہ آپ تو اچھا بھلا ہفتہ روزہ چٹان چلا رہے تھے ڈیلی اخباروں کی ریس میں الجھنے کی کیا ضرورت تھی۔

میں نے علاحدہ بھی نہرو گیسٹ ہاؤس میں ان سے ملاقات کی مگر میں نے انہیں 2002ء کے چیف منسٹر سے بہت مختلف پایا۔ ایک تو وہ عمر رسیدہ ہوئے تھے، دوم وہ صحت کے اعتبار سے کمزور لگ رہے تھے۔ اس کے علاوہ وہ کافی ذہنی تناؤ سے دوچار تھے۔ دراصل، انہوں نے واجپائی کی بی جے پی کو زیر نظر رکھ کر بھاجپا سے اتحاد کیا تھا مگر حالات واجپائی سے بالکل مختلف ثابت ہوئے اور مفتی صاحب، جو ریاست کے لئے بہت کچھ کرنا چاہتے تھے، موجودہ حالات کے ہاتھوں بے بس ہو گئے تھے اور اس کا انہیں بڑا شاک تھا۔

مفتی صاحب ایک سیاست دان تھے اور ظاہر ہے کہ ان کی سیاست سے

اختلاف کرنے والے بہت ہونگے۔ میں ان کی سیاست پر تبصرہ نہیں کرنا چاہتا، البتہ ذاتی تجربہ کی بناء پر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ذاتی خوبیوں اور اوصاف کے اعتبار سے وہ ایک منفرد شخصیت تھے۔ وہ انسانوں کو پہچاننے میں ایک جوہری کی نظر رکھتے تھے اور جب کسی میں انہیں کچھ خاص نظر آتا تو وہ قدرشناسی کا مظاہرہ کرتے۔ ایک مثال پیش کرنا چاہوں گا۔ میرے ایک دوست، جو اعلیٰ سرکاری آفیسر رہ چکے تھے، نیشنل کانفرنس کے ازلی وفادار تھے۔ عسکری تحریک کے ابتدائی زمانے میں، جب این سی کے لوگ معتوب تھے، میں نے اس دوست کو مرحوم شیخ صاحب کے نام پر لڑتے جھگڑتے حتیٰ کہ جنگجوؤں سے بھی الجھتے دیکھا ہے۔ یہ دوست ریٹائرمنٹ کے بعد سیاست کرنے کی خواہش رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ این سی میں جانے کی آرزو رکھتے تھے لیکن این سی نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ بعد میں مذکورہ دوست پی ڈی پی میں شامل ہوگئے انہوں نے کچھ عرصہ بعد بتایا کہ ان کے پی ڈی پی میں جانے کے بعد این سی کے کچھ لیڈران ان کے ہاں آئے تھے اور ان پر این سی میں شمولیت کے لئے اصرار کر رہے تھے مگر انہوں نے جواب دیا کہ اب اس کے لئے کافی دیر ہو چکی ہے۔

میرے بیٹے اور بیٹی کی شادی کی تقریب پر میں نے ان کے ہاں دعوتی رقعہ بھجوایا تھا۔ شادی کے روز اپنے ساتھیوں کو لے کر ہمارے رہائش گاہ پر تشریف لائے۔ دولہا کے بارے میں پوچھا اور جب اسے بلا کر لایا گیا تو مفتی صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر مبارکباد دی اور ساتھ ہاتھ میں ایک لفافہ پکڑوا دیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس لفافے میں گیارہ ہزار روپے بطور دسبوسہ رکھے تھے۔

☆☆☆
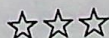
☆......ڈاکٹر شجاعت بخاری

مفتی محمد سعید اور مین سٹریم سیاست

مفتی محمد سعید کی سیاسی زندگی کا سفر بجبہاڑہ اننت ناگ سے لے کر سری نگر کشمیر تک کافی نشیب وفراز کی داستان رہا ہے۔ وہ ایک ایسے سیاسی مجاہد تھے جو اپنے فیصلے یا موقف سے دستبردار ہونے والے نہیں، بلکہ اپنے موقف پر ڈٹے رہنا ان کا شعار تھا۔ ان کی وفات کے بعد ریاست کے اخبارات میں اُن کے بچپن کے ساتھیوں نے جو تحریریں اُن کے حوالے سے رقم کی ہیں، اُن کے مطابق مفتی محمد سعید بچپن سے ہی باغیانہ مزاج رکھتے تھے۔ اُن کے فیصلے فی البدیہہ ہوا کرتے تھے، خاص کر ایک پارٹی سے مستعفی ہونا اور دوسری میں شامل ہونا۔ اُن کے مزاج میں کافی صبر اور برداشت موجود تھا۔ انہوں نے ریاست جموں وکشمیر کے وزیر اعلیٰ کے عہدہ جلیلہ تک پہنچنے کے لئے تین دہائیوں سے زیادہ کے عرصے کا انتظار کیا۔ اگر چہ وہ اس حوالے سے نگاہِ تغافل کے بھی شکار ہوئے تھے تاہم ان کی صاحبزادی نے ان کو ریاست کی سیاست میں مراجعت کرانے میں اہم رول ادا کیا۔

مفتی محمد سعید، کشمیر کے واحد سیاست دان تھے جو ہندوستان اور ہندوستان

کی سالمیت پر پورا یقین رکھتے تھے۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ انہیں ہندوستانیت پر یقینِ کامل ہے۔ جہاں تک ان کے سیاسی نظریہ کا تعلق ہے وہ اپنے سیاسی معاصرین میں واحد شخص تھے جنہوں نے دمِ واپسیں تک اپنے سیاسی موقف میں کوئی تبدیلی نہیں لائی۔ وہ کوئی مین اسٹریم سیاست سے مراجعت شدہ علاحدگی پسند سیاست دان یا اس کے برعکس نہیں تھے بلکہ وہ تاحیات ہندوستان کے سیاسی نقشے پر چھائے رہے۔

طویل مدت تک ان کے سیاسی کیریئر کو ایک مخصوص نکتہ نظر سے دیکھا جارہا تھا جو 1970ء سے 1980ء کے درمیان ایک مخصوص صورت اختیار کر گیا۔ وہ ایک ایسے سیاست دان تھے جنہوں نے تنِ تنہا جموں و کشمیر کے قد آور سیاست دان شیخ محمد عبداللہ کے خلاف انتخابات میں زور آزمائی کی۔ مفتی سعید کو کافی حد تک شیخ خاندان سے سیاسی چپقلش تھی جو نسلوں تک جاری رہی۔ چونکہ نیشنل کانفرنس طویل عرصے تک اقتدار پر قابض تھی اور مفتی سعید بہت سے لوگوں کی نظروں میں کھٹکتے تھے، اسی لئے اُنہیں انتخابات میں قسمت آزمائی کے لئے آر ایس پورہ (جموں) کا رُخ کرنا پڑا۔

مفتی محمد سعید ایک راسخ العقیدہ ہندوستانی مانے جاتے تھے اور وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ ہندوستان اور پاکستان دو طاقتور ممالک ہیں۔ انہوں نے اپنے سیاسی کیریئر کے آخری حصے میں کشمیر اور دلّی کے تعلقات اُستوار اور خوشحال بنانے کی کافی کوششیں کیں۔ ان کے بقول، شیخ محمد عبداللہ نے ہندوستان کے ساتھ کشمیر ایکارڈ کیا تو پھر انہیں اس پر استقامت کے ساتھ رہنا چاہئے تھا۔ مفتی محمد سعید کا استدلال تھا کہ شیخ عبداللہ نے ہندوستان اور اِس کی جمہوریت پر اپنا اعتماد کھو دیا تھا، اسی لئے وہ اپنے موقف سے ڈگمگا رہے تھے۔ انہوں نے طویل مدّت تک جموں و

کشمیر میں کانگریس پارٹی کی قیادت کی اور نیشنل کانفرنس کے ان اعتراضات کو سختی سے رد کیا کہ ان (مفتی) کی پارٹی جموں وکشمیر کے خطے کے امن وامان اور خوش حالی میں ایک رکاوٹ ہے اور جیسا کہ کہا گیا ہے کہ پی ڈی پی کا قیام علاقائی تعصب اور ریاست میں اندرونی خلفشار کا نتیجہ تھا۔ نیشنل کانفرنس کے بقول پی ڈی پی کا قیام مفتی محمد سعید کی بے بسی کا نتیجہ تھا کیونکہ ان کی نظر میں مفتی سعید کی ریاستی سیاست میں مراجعت کرنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ ہندوستان 'مسئلہ کشمیر' کے سیاسی تنازعے کی حیثیت میں عدمِ دلچسپی کا مظاہرہ کرر ہا ہے اور اس کے حل کو غیر ضروری سمجھتا ہے۔

1998ء میں جب مفتی محمد سعید بحیثیت کانگریس امیدوار پارلیمانی رکن اننت کشمیر سے منتخب ہوئے تو ایک دفعہ لوک سبھا میں اِستادہ ہوئے اور زور دار تقریر کر کے لوک سبھا کی توجہ اپنی جانب مبذول کرا کے گویا ہوئے کہ ہندوستان کو چاہئے کہ وہ ریاست جموں وکشمیر کے سادہ لوح عوام کے مسائل ومصائب حل کرنے کے لئے انسانیت کا طریقۂ کار اختیار کریں اور ساتھ ہی کشمیر کے علاحدگی قائدین اور پاکستان کے ساتھ مسئلہ کشمیر کے دائمی حل کے لئے بامعنی مذاکرات کا ماحول تیار کیا جائے۔ یہی موقف پی ڈی پی کے قیام کے پسِ منظر میں کافی نشیب وفراز کے بعد ان کی پارٹی کا سیاسی ایجنڈا بن گیا۔ اس وقت ان کے لوک سبھا کے ساتھی بلرام جاکھڑ نے اسی ایوان پر مفتی محمد سعید کے ان خیالات کی سخت مخالفت کی اور ان خیالات کو غلط ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس کے کچھ دیر بعد کانگریس پارٹی کے ترجمان کپل سبل نے نامہ نگاروں سے بات چیت کرتے ہوئے مفتی سعید کے خیالات کی تردید کی۔ انہوں نے بھی بلرام جاکھڑ کے خیالات کی تائید کرتے ہوئے مسئلہ کشمیر کے حوالے سے کچھ مخصوص دلائل دے کر کہا کہ کانگریس پارٹی کا مسئلہ کشمیر

کے حوالے سے ایک مختلف نکتہ نگاہ ہے (جو شاید کشمیر کے تئیں ہندوستان کی سیاست کی حقیقی عکاسی کرتا ہے)۔

1990ء میں مفتی محمد سعید ہندوستان کے وزیر داخلہ کی کُرسی پر براجماں تھے، چنانچہ، کشمیریوں کے ذہنوں میں مفتی محمد سعید کی منفی شبیہہ تھی، اس لئے ریاست کے لوگوں کے لئے مفتی محمد سعید کا قابلِ قبول قائد تسلیم کرنا ایک بڑا چیلنج تھا لیکن اس حوالے سے ان کی صاحبزادی نے پہلے ہی کانگریس کی ٹکٹ پر اپنا نیا رختِ سفر باندھنے کا عندیہ دیا اور انہوں نے پی ڈی پی کا قیام عمل میں لایا۔ گویا کہ ان دونوں (باپ بیٹی) نے کشمیر کی مین اسٹریم سیاست کا رُخ ہی بدل دیا۔

ان کی گفتگو کا مقصد پاکستان کے زیرانتظام کشمیر پر بم باری کرنا نہیں بلکہ پاکستان اور علاحدگی پسند قائدین کے ساتھ مذاکرات کا سلسلہ شروع کرنا تھا۔ مفتی محمد سعید نے 2002ء میں واجپائی کے صاف وشفاف انتخابات منعقد کرانے کے وعدے کا خوب چرچا کیا اور کافی محنت کر کے انتخابات کو ایک جواز عطا کیا۔ انہوں نے اس الیکشن میں 16 نشستیں حاصل کیں۔ مفتی سعید نے اپنے سیاسی منشور کو عملانے کی کافی کوشش کیں جس کی وجہ سے وہ 2002ء سے 2005ء تک ریاست جموں وکشمیر کے مقبولِ عام وزیر اعلیٰ کے طور جانے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے 2008ء اور 2014ء پی ڈی پی کی انتخابی مہارت میں مفتی سعید کے حوالے سے یہ نعرہ زبان زد عام ہوگیا کہ ''ییلہِ ییہ مفتی، تیلہِ ژلہِ سختی'' (ترجمہ: جب مفتی کا دور آئے گا، تب عوام کے مسائل ومصائب ختم ہوں گے)۔ اس تناظر میں مفتی سعید کے کئی اقدامات ان کی انتخابی مہم میں سود مند ثابت ہوئے جن میں واجپائی مشرف مذاکراتی فارمولہ اور امن وامان کی بحالی قابلِ ذکر ہیں۔ مفتی سعید نے اپنے دورِ

اقتدار میں اقدامات سے امن اور مذاکرات کی بحالی کے لئے راہیں ہموار ہوئیں اور اس کے علاوہ علاحدگی پسند قائدین کے سامنے یہ اقدامات ایک بڑے چیلنج کی صورت میں ابھر گئے۔ یہ 2002ء سے 2005ء تک کا درمیانی دور تھا۔

مفتی محمد سعید ایک نبض شناس لیڈر تھے، انہوں نے ریاست میں سیاسی رجحان دیکھ کر بی جے پی کے ساتھ اتحاد کیا حالانکہ ان کی صاحبزادی شروع میں اس اتحاد کے بالکل خلاف تھیں۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ مفتی محمد سعید ایک سیاسی مجاہد تھے، انہوں نے اپنی بیٹی اور اپنی پارٹی کے دوسرے ساتھیوں کو بڑی حکمت اور دانشوری سے اتحاد کے لئے راضی کیا اور پی ڈی پی۔ بی جے پی اتحاد کے لئے آگے بڑھایا اور ریاست میں حکومت کا قیام عمل میں لایا۔ اس اتحاد کے حوالے سے ان کا استدلال نہایت ہی سادہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ بی جے پی جیسی ہندو پرست تنظیم کے ساتھ کام کرنا کافی کٹھن کام ہے لیکن اگر انہوں (بی جے پی) نے کوئی دوسرا رستہ اختیار کیا تو اس صورت میں ریاست کی وحدت اور یگانگت کو کافی خطرہ لاحق ہوگا۔ مفتی سعید کو نریندر مودی سے کافی اُمیدیں وابستہ تھیں۔ کیونکہ اگر وہ مفتی سعید کی توقعات کو سمجھتے تو وہ 7 نومبر 2015ء کی عوامی اجتماع میں یہ کہہ کر ان پر طنز نہیں کرتے کہ اُن کو پاکستان سے بہتر تعلقات قائم کرنے کے سلسلے میں کسی کے صلاح و مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔ حالانکہ اِس کے بعد مودی 25 دسمبر 2015ء اچانک اور اتفاقاً لاہور پرواز کر گئے اور اس وقت مفتی محمد سعید ایمز (AIMS) کے آئی سی یو میں زندگی کی آخری سانسیں گن رہے تھے۔ قیامِ حکومت کے حوالے سے صلاح و مشورے زوروں پر تھے، میں نے مفتی محمد سعید سے پوچھا کہ وہ اس سیاسی خودکشی پر زیادہ مُصر کیوں تھے کیونکہ عوامی حلقوں میں اس اتحاد کے تئیں ناپسندیدگی کا

اظہار کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہی لوگ ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں جو انتخابات میں حصہ نہیں لیتے ہیں اور جو الیکشن کو ترقی اور خوشحالی کا ذریعہ نہیں مانتے۔ جنہوں نے ہمیں حقِ رائے دیا ہے انہیں کوئی پریشانی نہیں ہے۔ اب وقت ہی فیصلہ کرے گا کہ کون صحیح ہے اور کون غلط۔ مفتی سعید اپنے موقف پر بضد تھے۔

مفتی محمد سعید پاکستان کے ساتھ خوشگوار تعلقات کے زبردست خواہشمند تھے اور کشمیر کے دونوں حصوں کے آر پار پُر امن تعلقات قائم کرنے کے متمنی تھے۔ وہ اس بات کے قائل تھے کہ پاکستان سے مذاکرات کے بغیر مسئلہ کشمیر کا دائمی حل نا ممکن ہے۔ حالانکہ انہوں نے واجپائی کو اس حوالے سے کافی تعاون فراہم کیا تھا اور نریندر مودی نے پاکستان سے مذاکرات کی بحالی کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ اب محبوبہ مفتی کے لئے ایک بڑا چیلنج درپیش ہے کہ کس طرح اپنے سیاسی منتر کو آگے لے جاسکتی ہیں اور کس طرح سے اپنے سیاسی ایجنڈے کی تکمیل کرسکتی ہیں جس کے لئے انہوں نے بی جے پی سے گٹھ جوڑ کیا ہے۔ محبوبہ مفتی دوہری مشکل میں ہیں کیونکہ آج کل اس کی سیاست اس مشکل منزل پر کھڑی ہے جس کا ازالہ کرنے کے لئے دونوں باپ بیٹی کمر بستہ تھے۔۔۔!

....

(انگریزی سے ترجمہ: عبدالمجید لون)

☆☆☆
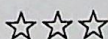
☆......چودھری ذوالفقار علی

بچھڑا وہ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی

مفتی محمد سعید وہ نام ہے جو کئی دہائیوں تک ریاست کے سیاسی منظر پر چھائے رہے اور سیاست میں اقدار کو بنائے رکھا۔ اپنی سیاسی زندگی میں انہوں نے اِس ریاست کے لوگوں کو خوش حال دیکھنے کا ایک خواب دیکھا اور بہت حد تک اس خواب کی تعبیر بھی ڈھونڈی مگر اس خواب کو پورا کرنے سے قبل ہی وہ ہم سے بچھڑ کر اِس جہاں کو جیسے ویران کر گئے۔ بقول شاعر۔

بچھڑا وہ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

اِس سیاسی سفر میں اُن کے ساتھ میرا ساتھ بہت کم عرصہ رہا لیکن جتنی دیر بھی ہم ساتھ چلے، میں نے اس شخصیت کے اندر لوگوں کے دُکھ درد کو پایا۔ یہ وہ شخصیت تھی جنھوں نے ہم کو ہاتھ پکڑ کر سیاسی میدان میں چلنا سکھایا، اپنے حق کی لڑائی لڑنا اور بولنا سکھایا۔ یہی وجہ تھی کہ یتیم ہونے کے 13 سال بعد مجھے یتیمی کا احساس ہوگیا۔ سال 2002ء میں ستمبر کی 30 تاریخ کو میرے قبلہ والد محترم

چودھری محمد حسین کا انتقال ہوا لیکن مفتی محمد سعید صاحب کے پیار، ہمدردی اور سرپرستی نے یتیمی کے درد کو پاس پھٹکنے نہیں دیا لیکن 7 جنوری 2016ء کو مجھے احساس ہو گیا کہ میں سیاسی طور یتیم ہو گیا ہوں۔ مفتی صاحب کے ساتھ میرے تعلقات 13 سال تک رہے لیکن ان برسوں میں انہوں نے میری زندگی کا دھارا بدلنے میں ایک نمایاں کردار ادا کیا اور جس طرح سے ''حق دار کو حق'' دینے کا درس دیا اس کے نقوش ہماری زندگی میں مرتے دم تک رہیں گے۔ مفتی صاحب سے میری پہلی ملاقات 2002ء میں ہوئی جب وہ سرینگر سے جہاز میں جموں کا سفر کر رہے تھے۔ اس ملاقات کے اگلے روز مفتی صاحب نے مجھے چھنی ہمت جموں کی رہائش گاہ پر بلایا لیکن کچھ وجوہات کی بنا پر میں اُن کا حکم بجا نہ لا سکا۔ انتخابات کا دَور تھا اور مفتی صاحب کی سوچ تھی کہ درہال حلقہ سے میں پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی میں شامل ہو کر پارٹی کی سرگرمیوں میں شامل ہو جاؤں لیکن اس وقت بعض وجوہات کی بنا پر میں پی ڈی پی میں شامل نہیں ہو پایا اور سیاسی اکھاڑے میں بطور آزاد اُمیدوار میدان میں آیا۔ انتخابات کے بعد جب پہلی بار مفتی صاحب اس ریاست کے وزیراعلیٰ بنے تو انہوں نے دور اندیشی کا مظاہرہ کر کے مجھ کو سرکاری رہائش گاہ پر بلایا اور میرے ساتھ پیر پنچال خطہ کو لے کر تبادلہ خیال کیا۔ اس ملاقات کے دوران مفتی صاحب نے میرے ساتھ ہند پاک تعلقات، پونچھ راجوری پر اس کے اثرات، بابا غلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی کی تعمیر، مغل شاہراہ کا خواب، شاہدرہ شریف میں حضرت بابا غلام شاہ بادشاہؒ زیارت کی تعمیرِ نو، گوجر و بکروال لوگوں کے مسائل اور حد متارکہ کو بے معنی بنانے، کنٹرول لائن سے راستے کھولنا اور دیگر معاملات پر تفصیل سے تبادلہ خیال کیا۔ بات چیت کے بعد مفتی صاحب نے پیشکش کی اور کہا ''ذوالفقار صاحب ہم چاہتے

ہیں کہ ہمارے اِس مشن کا حصہ آپ بھی بنیں''۔ انہوں نے محبوبہ مفتی صاحبہ سے بھی ملاقات کرنے کا مشورہ دیا۔ سیاست میں قدم رکھنے کا میرا بھی واحد مشن لوگوں کی خدمت کرنا تھا اور مفتی محمد سعید صاحب کے اس مشن میں مجھے اپنا مشن صاف نظر آیا۔ حامی بھرتے ہوئے میں نے محبوبہ جی سے ملاقات کی اور 5 جنوری 2003ء کو باضابطہ طور پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی کا حصہ بن گیا۔ پارٹی میں شمولیت کے بعد مجھے ضلع صدر راجوری منتخب کیا گیا۔

جب مفتی صاحب نے اپنے پہلے 3 سالہ اقتدار کے دوران ان باتوں کی ممکنہ پیروی کی جن کا ذکر پہلی ملاقات کے دوران کیا تھا تو میں نے راحت کی سانس لی اور من ہی من میں کہا کہ ''میں بہتر سائے میں آ گیا ہوں'' اور میرا پی ڈی پی میں شامل ہونا ایک بہترین قدم تھا۔

یوں تو مفتی صاحب نے ہندوستان کا واحد مسلم ہوم منسٹر بن کر اپنا لوہا منوایا ہے لیکن ان کا بین الاقوامی سطح پر بھی ہند پاک تعلقات کے حوالے سے ایک اہم کردار رہا ہے۔ میرا اُن سے زیادہ واسطہ پیر پنچال خطہ کو لے کر پڑا جس کو قلم بند کر رہا ہوں۔

مرحوم مفتی صاحب کا پیر پنچال خطہ کو لے کر ایک عجب پیار تھا۔ شاید اس کی وجہ حضرت بابا غلام شاہ بادشاہؒ زیارت کے ساتھ ان کی بے پناہ عقیدت بھی تھی۔ اس عقیدت کی بنا پر وہ پونچھ اور راجوری کو سیاسی طور مضبوط دیکھنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مفتی صاحب ہمیشہ کہتے تھے ''راجوری پونچھ کے لوگ سیاسی طور کمزور ہیں اور میری خواہش ہے کہ ان لوگوں کو سیاسی طور مستحکم کرنے میں اپنا رول ادا کروں تا کہ ریاست میں سیاسی طور ان کی شنوائی ہو سکے''۔ مجھے لگتا ہے کہ مفتی صاحب اپنے اس

مشن میں بہت حد تک آگے بڑھ گئے تھے۔

پیر پنچال خطہ کے لئے ان کی محبت اس وقت کھل کر سامنے آگئی جب انہوں نے راجوری میں بابا غلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی کے قیام کا تاریخی فیصلہ لیا۔ یہ وہ دور تھا جب راجوری پونچھ کے لوگ حکومت سے پرائمری سکول کھولنے کی مانگ کرتے تھے اور خواب میں بھی کسی نے نہیں سوچا تھا کہ راجوری میں ایک یونیورسٹی قائم ہوگی لیکن مفتی صاحب نے اس خطہ کے لوگوں کے لئے روشنی کا یہ مینار کھڑا کر کے ہی دم لیا۔ اس ادارے کو قائم کرنے کے پیچھے ان کا کوئی بھی سیاسی مقصد نہیں تھا بلکہ وہ تعلیم کے راستے لوگوں کو سیاسی مضبوطی دینا چاہتے تھے جو اُن کا مِشن تھا۔ پونچھ کے خانہ بدوش طبقہ کے ایک دانشور جناب مسعود چودھری کو جب اس ادارے کا پہلا رئیس جامعہ مقرر کیا گیا تو کچھ حلقوں کی طرف سے اس کی مخالفت ہوئی۔ اس معاملے کے حوالے سے جب میں نے مفتی صاحب سے بات کی تو ان کا کہنا تھا ''بابا غلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی کو قائم کرنے کے پیچھے میرا مقصد سیاسی نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ ادارہ روشنی کا مینار بنے۔ اس ادارے کو بنانے اور مسعود چودھری صاحب کا تقرر کرنے کے حوالے سے میرا اٹھایا گیا قدم بالکل صحیح ہے۔'' 15 دسمبر 2004ء کو مفتی صاحب نے اس ادارے کا سنگِ بنیاد رکھا۔ اس تقریب میں مجھے بھی شریک ہونے کا موقعہ ملا۔ مخالفتوں کی پرواہ کئے بغیر مفتی صاحب نے مسعود چودھری صاحب کی مکمل حمایت کی اور اس کا احساس 29 اگست 2005ء کو ہوا جب لوگ دنگ رہ گئے کیونکہ 8 ماہ کے کم عرصے میں اس ادارے کی عمارتیں کھڑی ہوئیں اور ان میں کلاسوں کو شروع کرایا گیا۔ اس ادارے کو قائم کرتے وقت مفتی صاحب کو بہت خوشی تھی اور جموں یا سرینگر میں جب بھی کوئی شخص راجوری سے ان

چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری
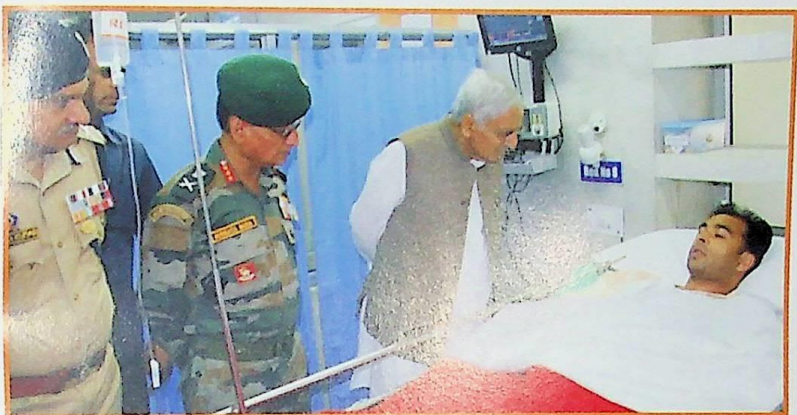
زخمیوں کی عیادت

سیاحتی ڈھانچے کو مستحکم بنانے کے اقدامات پر خیالات کا تبادلہ
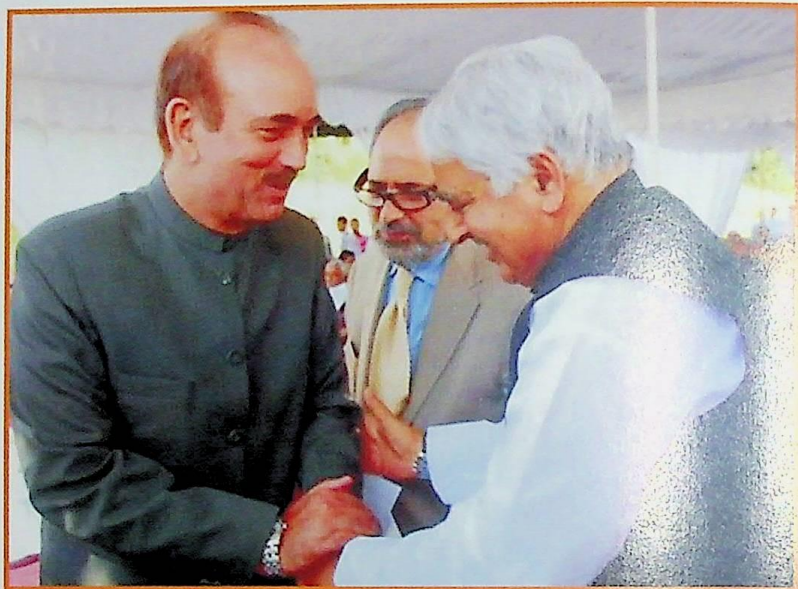
مفتی محمد سعید، مظفر حسین بیگ اور غلام نبی آزاد
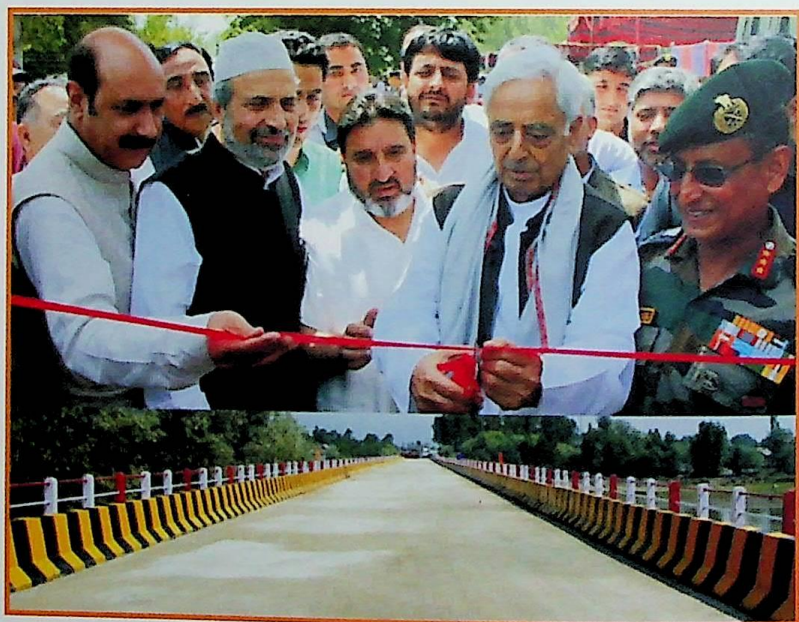
نوتعمیر شدہ پُل کا افتتاح
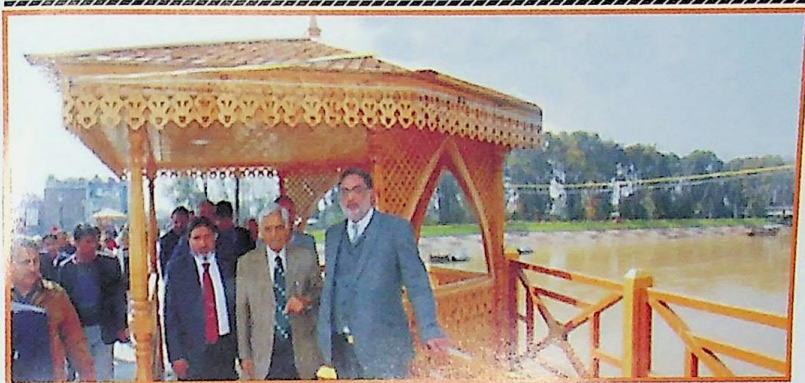
تجدید شدہ تاریخی زیرو برج کا افتتاح کرتے ہوئے

معزز شہریوں کے ساتھ ملاقات

چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری
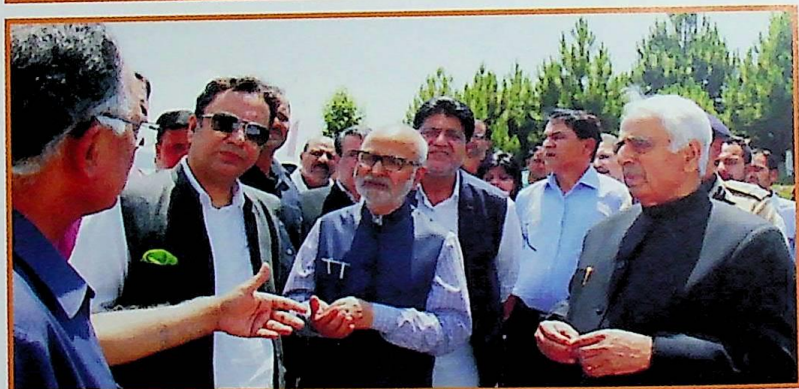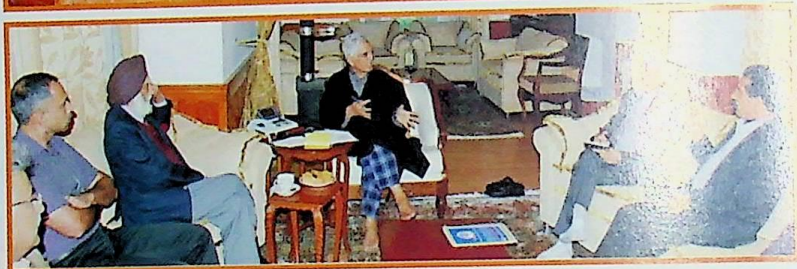
مفتی محمد سعید، سیّد نعیم اختر اور چودھری ذوالفقار علی
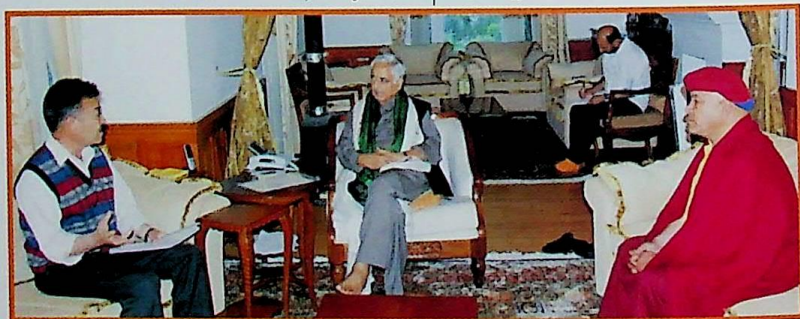
طبی سہولیات میں وسعت اور بہتری کے اقدامات
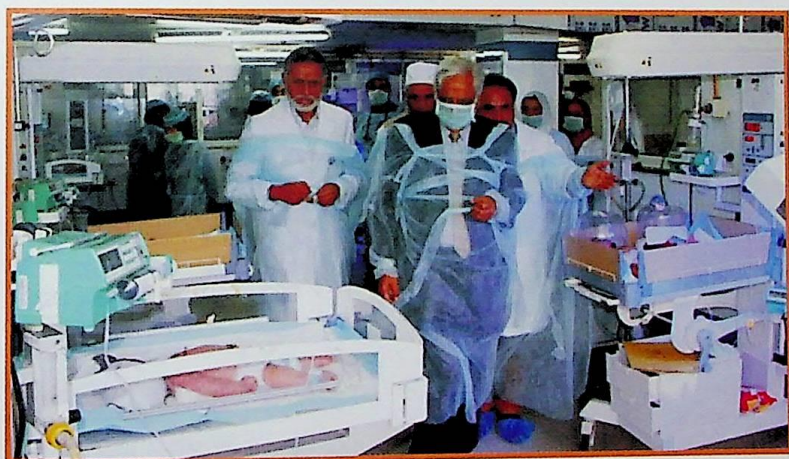
طبی نگہداشت کے مراکز کا دورہ
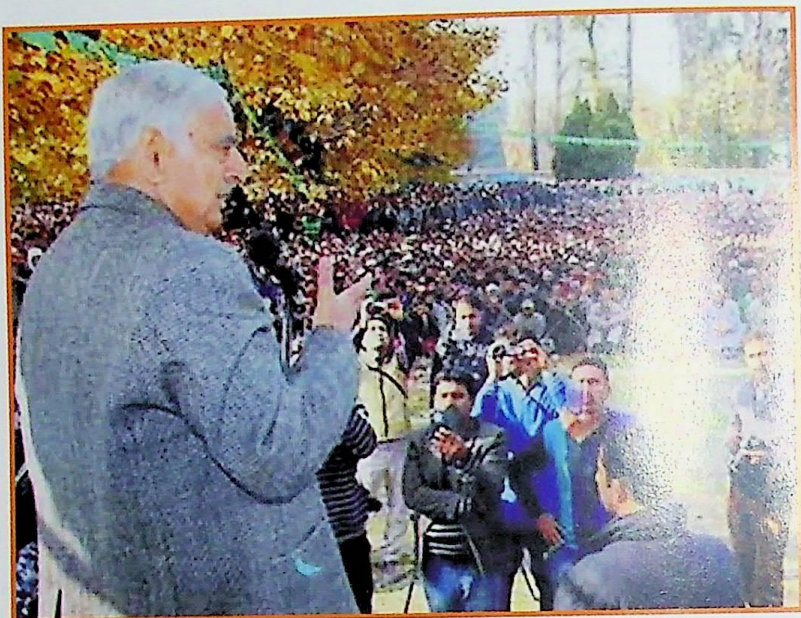
مفتی محمد سعید۔ عوامی ریلی سے خطاب کرتے ہوئے
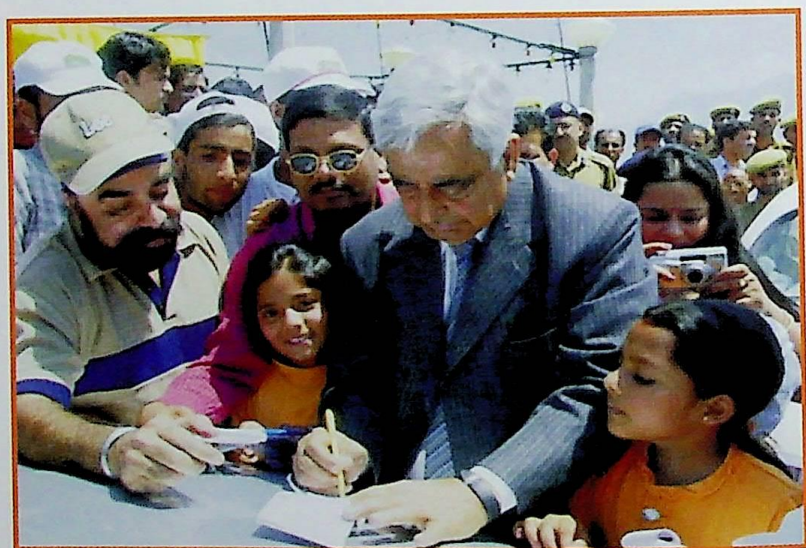
مفتی محمد سعید وادی کی سیر پر آئے ہوئے سیلانیوں کو آٹو بائیوگراف دیتے ہوئے
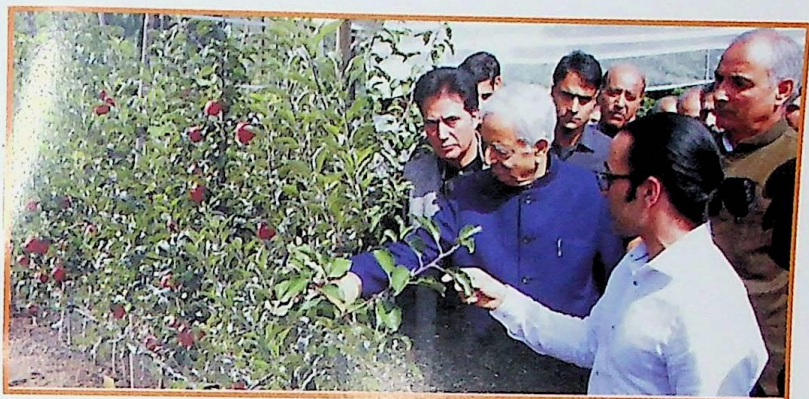
باغبانی شعبہ کے ساتھ دلچسپی
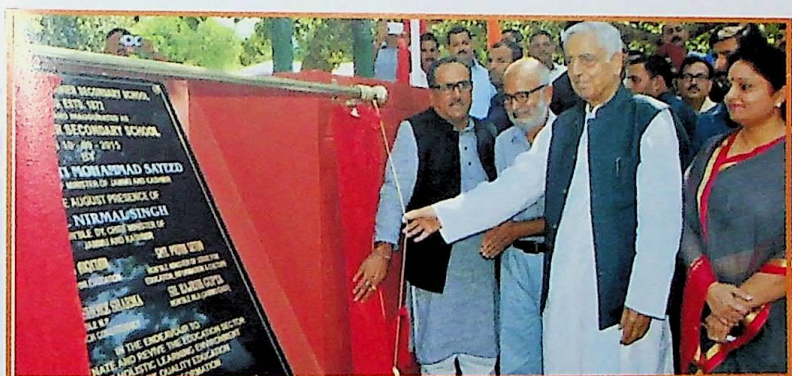
تعلیمی اداروں کے اضافی بلاکوں کا افتتاح

ضلع ترقیاتی بورڈ کے اجلاس سے خطاب

کے پاس آتا تو ان کا پہلا سوال یہ ہوتا تھا ''بابا غلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی کیسی چل رہی ہے''۔ ان کی ہمدردانہ سوچ کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب دوسری بار مفتی صاحب 2015ء میں وزیراعلیٰ بنے تو پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ اس ادارے کے لئے بیرون ریاست سے بین الاقوامی سطح کے ماہر تعلیم پروفیسر مسرّت جاوید کو بطور رئیس الجامعہ چنا اور اس کے پیچھے بھی ایک بڑی سوچ کام کر رہی تھی۔ انہوں نے وائس چانسلر مقرر کرنے کے بعد فوری طور اس ادارے کا دورہ کیا اور مزید 3 نرسنگ کالج کھولنے کا اعلان کیا اور وائس چانسلر کو ان کالجوں کے کے قیام کے لئے جنگی سطح پر کام کرنے کا حکم دیا۔ یہ نرسنگ کالج کشتواڑ، جموں اور راجوری میں کھولے جانے ہیں۔

یونیورسٹی کے بعد مفتی صاحب نے پیر پنجال خطہ کو ایک ایسا رابطہ دیا جس سے لوگوں کے دل مل گئے اور ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ مغل شاہراہ صرف اور صرف مفتی صاحب کی دین ہے۔ اس سڑک کو تعمیر کرنے کے خواب ضرور لوگوں نے دیکھے ہوں گے لیکن ان خوابوں کی تعبیر مفتی صاحب نے نکالی اور تاریخ رقم کر لی ہے۔ مفتی صاحب اس شاہراہ کو سڑک نہیں کہتے تھے۔ ان کے بقول ''مغل شاہراہ صرف ایک شاہراہ نہیں بلکہ لوگوں کے دل ملانے والا راستہ ہے، ثقافتی تبادلے کا ایک ذریعہ ہے، راجوری، پونچھ کے لوگوں کی معاشی حالت کو سدھارنے کا راستہ ہے اور لوگوں کے کلچر کے میل ملاپ کا راستہ ہے۔'' پیر پنجال خطہ کے لئے ان کی دانشورانہ سوچ کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے جب وہ کہا کرتے تھے ''میں چاہتا ہوں کہ پیر پنجال خطہ اس ریاست میں سنٹرل ایشیا کے لئے گیٹ وے کا کام کرے اور انشاء اللہ ایک دن یہ گیٹ وے ضرور بنے گا۔'' اس سڑک کے ذریعے مفتی صاحب نے

لوگوں کے دل ہی نہیں جوڑے بلکہ خطہ چناب کو بھی کشتواڑ اننت ناگ سڑک سے جوڑ دیا۔ اب ان کی سوچ تھی کہ پونچھ کو بھی کشمیر سے سب سے کم فاصلے والی سڑک سے جوڑا جائے اور اس کے لئے 21 نومبر 2015ء کو انہوں نے لورن، گلمرگ سڑک کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس تاریخی فیصلے کے دن میں بھی ان کے ہمراہ موجود تھا اور یہ کسی علاقے میں اُن کے ساتھ میرا آخری دورہ رہا۔ جس طرح مہاتما گاندھی کو کشمیر سے روشنی کی کرن نظر آئی تھی اسی طرح سے مفتی صاحب کو پیر پنچال خطہ سے روشنی کی کرن نظر آرہی تھی اور اس کا خلاصہ انہوں نے کئی بار کیا لیکن اس خطے کے حوالے سے وہ ایک چیز سے کافی فکرمند تھے۔ وہ ہمیشہ کہتے تھے کہ پونچھ میں گوجر پہاڑی کے نام پر لوگ ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوجاتے ہیں اور یہی ٹکراؤ ان کی پسماندگی کی بڑی وجہ ہے۔ وہ کہتے تھے ''میں چاہتا ہوں کہ لوگ ایک سوچ کے ساتھ آگے بڑھیں اور آپسی منافرت کو خیر باد کہیں۔''

پیر پنچال خطہ کو مفتی صاحب سے وہ سب کچھ ملا جو شاید لوگوں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ 2000ء سے قبل اس علاقے میں نامساعد حالات کی وجہ سے لوگ بے حد پریشان تھے لیکن مفتی صاحب نے نہ صرف ٹاسک فورس کو پابند کردیا بلکہ دیگر ایجنسیوں کو بھی جوابدہ بنایا اور لوگوں کو بڑی راحت دلائی۔ ایسا ماحول پیدا کیا گیا کہ لوگوں کو ''عزت سے امن'' والے نعرے کا مطلب سمجھ آنے لگا۔

راجوری و پونچھ کے بیشتر لوگوں کا بسیرا ہندوستان اور پاکستان کے زیر انتظام والے کشمیر کے درمیان کھینچی گئی لکیر کے نزدیک موجود ہے جہاں ہند پاک کے درمیان چار جنگوں میں ان لوگوں نے اپنے مال و جان کا نذرانہ پیش کیا۔ ابھی ان حالات سے ابھرے بھی نہیں تھے کہ ملی ٹینسی کا دور شروع ہوا جس میں لوگوں کو

کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا لیکن مفتی محمد سعید نے ایسی راہ ہموار کردی کہ ہندوستان کے وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی کشمیر آئے اور پاکستان کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھایا جس سے سرحدی علاقوں کے لوگوں کو راحت ملی۔ انہوں نے دونوں کشمیر کے درمیان راستے کھولنے کی بات اٹھائی اور بھارت اور پاکستان سرکار نے ان کی بات کا احترام کیا اور نہ صرف تجارت بلکہ منقسم خاندانوں کو ملانے کے لئے راستے کھول دیئے گئے۔ 67 سال سے بچھڑے بھائی بہن، باپ ماں کو ملانے میں مفتی صاحب کا اہم رول رہا۔ جب بھی پونچھ راولاکوٹ یا اوڑی مظفر آباد کے راستے سے چل کے لوگ ایک دوسرے سے ملتے تھے تو مفتی صاحب کو ایک عجیب سا سکون ملتا تھا۔

پیر پنچال علاقہ کوٹرنکہ سے ان کو بے پناہ محبت تھی۔ وہ کہتے تھے "جب بھی مجھے لوگوں سے ملنے کا دل کرتا ہے تو میں کوٹرنکہ آتا ہوں کیونکہ کوٹرنکہ کے لوگوں سے مل کر میرے دل کو عجیب سکون ملتا ہے"۔ اس علاقے میں میرے والد محترم چودھری محمد حسین نے انس آبپاشی نہر تعمیر کرنے کا ایک خواب دیکھا تھا جس کو لے کر جب میں ان سے ملا اور گزارش کی کہ اب اگر لوگوں نے حکومت میں آنے کا موقعہ دیا تو یہ نہر تعمیر ہونے کا خواب پورا ہونا چاہیئے جس پر مفتی صاحب نے اسی روز حامی بھر لی تھی اور جب وہ دوسری بار وزیراعلیٰ بنے تو سب سے پہلا عوامی جلسہ کوٹرنگہ میں ہی منعقد کیا جہاں انہوں نے 100 کروڑ روپے کی لاگت سے تیار ہونے والے انس آبپاشی نہر پروجیکٹ کا سنگ بنیاد رکھا اور میرے والد کا ادھورا خواب پورا کردیا۔ مفتی صاحب اس علاقے کے نوجوانوں کو روزگار سے جوڑنا چاہتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے علاقے میں آئی ٹی آئی کا قیام عمل میں لایا۔ ان کی خواہش تھی کہ اس علاقے میں ٹیکنیکل کالج کا بھی قیام عمل میں لایا جائے لیکن اس خواب کی تعبیر سے قبل

ہی وہ انتقال کر گئے۔

حالانکہ مفتی صاحب کے ساتھ میرا صرف 13 سال کام کرنے کا تجربہ رہا لیکن اس دوران میں نے سیاست کو اصل معنوں میں سیکھنے کی کوشش کی۔ ہم 6 سال 2008ء سے 2014ء تک حزبِ اختلاف میں رہے تو مفتی صاحب نے اپنی عظیم صلاحیتوں سے ہمیں حزب اختلاف میں رہ کر بھی کمزور محسوس ہونے نہیں دیا۔ وہ حزب اختلاف کو مثبت سوچ کے ساتھ لیتے تھے۔ ہمیشہ کہتے تھے ''حزب اختلاف جمہوریت کی اصل روح و جوہر ہوتا ہے''۔ وہ حزب اختلاف کے کردار کو لے کر کہتے تھے کہ آپ کا کام ہے ''مخالفت کرنا، سچائی سامنے لانا اور توجہ مبذول کرانا ہے''۔ حزبِ اختلاف کو قانون سازیہ کے لئے انہوں 3D فارمولا دیا تھا، ''بحث کرنا، اختلاف رکھنا اور فیصلہ لینا''۔ حالیہ مہینوں میں جب ہم نے نیشنل فوڈ سیکورٹی ایکٹ لاگو کرنے کی بات کی تو ریاست میں تین علاقوں سے راشن کی عدم فراہمی کو لے کر مظاہرے ہوئے۔ میں متفکر ہو کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ مظاہرے ہو رہے ہیں تو انہوں نے ایک سوال پوچھا ''ذوالفقار ریاست میں کتنے راشن ڈیپو ہیں ریاست میں؟'' جس کے جواب میں میں نے کہا کہ ریاست میں 6000 ڈیپو ہیں۔ اس پر ان کا کہنا تھا کہ 3 جگہ مظاہرے ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ کے 5997 ڈیپوؤں پر اچھا کام ہو رہا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ ہدایت بھی دی کہ ان تین ڈیپو کو بھی ٹھیک کرلو۔ مفتی صاحب ہمیشہ مثبت زاوئیے سے چیزوں کو دیکھتے تھے اور ہماری غلطیوں کو بھی انہوں نے درگزر کر دیا۔ وہ دل کے بہت صاف تھے اور اپنے ورکروں کے لئے نہایت ہمدردی رکھتے تھے۔ انہیں ہمارا درد خود کا درد لگتا تھا۔ ایک بار اسمبلی چل رہی تھی اور افضل گورو کی پھانسی کے خلاف پی ڈی پی اسمبلی کے اندر

مظاہرہ کررہی تھی جبکہ میں اپنی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ مفتی صاحب نے مجھے اشارہ کیا اور کہا کہ آپ بھی مظاہرے میں شامل ہو جاؤ جس پر میں بھی اٹھ کھڑا ہوا اور مظاہرے کے دوران مجھے کچھ گہرے زخم آئے۔ اسی شام کو مفتی صاحب کی طرف سے مجھے میسج آیا جس میں لکھا تھا ''مجھے بہت افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ زخمی ہوئے اور میں نے ہی آپ کو مظاہرہ کرنے کے لئے کہا۔ اس کے لئے میں ذمہ دار ہوں''۔

حزبِ اختلاف میں رہ کر انہوں نے جمہوریت کے تقاضے پورا کرنے کی کئی مثالیں قائم کیں۔ ماضی میں بھی جب 1975ء میں مسز گاندھی نے شیخ محمد عبداللہ کو وزیر اعلیٰ کے عہدے پر فائز کیا تو مفتی صاحب اس وقت کانگریس کے ریاستی صدر تھے اور اندرا شیخ مراسم کے باوجود انہوں نے شیخ عبداللہ حکومت کی جم کر مخالفت کی جس پر اندرا گاندھی نے ان سے کہا'' آپ شیخ صاحب کی مخالفت کیوں کررہے ہیں وہ ہمارے ساتھ ہیں۔ ہمیں سنگ سنگ ساتھ چلنا چاہئیے''۔ اس بات کا جواب انہوں نے یوں دیا ''میں حزب اختلاف کا لیڈر ہوں اور جمہوریت کا تقاضہ ہے کہ مجھے لوگوں کی بھلائی کے لئے حکومت کی مخالفت ہی کرنی چاہئیے اور یہی میرا رول بنتا ہے''۔ حزب اختلاف میں رہ کر اس دور میں وہ شیخ محمد عبداللہ صاحب سے شہیدی چوک میں کانگریس کا دفتر جاری رکھنے کو لے کر صرف ایک بار ملے تھے۔

مفتی صاحب نے بہت سے خوابوں کی تعبیر ڈھونڈی لیکن کچھ خواب ادھورے بھی رہ گئے۔ ان کی خواہش تھی کہ جموں کشمیر مسئلے کا حل نکلے، ہندوستان اور پاکستان ایک دوسرے کے ساتھ بہترین ہمسایہ کی طرح رہیں، جموں کشمیر میں سیلف رول قائم ہو اور لوگوں کو عزت کا مقام عطا ہو، نئے تجارتی راستے کھلیں، جہانگڑ میر پور، سوچیت گڑھ، سیالکوٹ اور اسکردو کرگل کے راستے کھل جائیں اور منقسم لوگوں

کے علاوہ عام لوگ بھی ان راستوں پر چل کر سیر وتفریح کریں۔ وہ چناب خطہ کے پٹنی ٹاپ کو خود مختار سیاحتی مقام بنانا چاہتے تھے، چناب خطہ میں سکل ڈیولپمنٹ انسٹی چیوٹ کھولنا چاہتے تھے اور ان کے ذہن میں راجوری پونچھ کو سینٹرل ایشیا کا دروازہ بنانے کا مشن تھا، جو پورا نہیں ہوسکا۔

مفتی صاحب کی بے پناہ سیاسی صلاحیتوں کی وجہ سے حزب اختلاف بھی ان کا احترام کرتا تھا۔ وہ خود حزب اختلاف کی تعریفیں کرتے تھے۔ کشمیر میں ان کے آخری اسمبلی اجلاس میں خطاب کے دوران انہوں نے کم از کم 30 منٹ تک شیخ محمد عبداللہ کے کردار پر تقریر کی تھی اور انہیں اس ریاست کا ایک اہم لیڈر قرار دیا۔ وہ ریاست کے قد آور لیڈر تھے۔ انکساری اُن میں کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ان کے انکسار پر یہ شعر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ؎

کسی کو ہو نہ سکا اس کے قد کا اندازہ
وہ آسمان تھا مگر سر جھکائے چلتا تھا

آخر میں یہی کہوں گا کہ لیڈر وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے ہیں، سیاست دان بھی پیدا ہوتے ہیں لیکن مدبر ایک صدی میں ایک بار ہی پیدا ہوتا ہے اور مفتی محمد سعید اکیسویں صدی کے مدبر تھے جن سے ہم محروم ہوگئے ہیں۔

☆☆☆

☆......پروفیسر شہاب عنایت ملک

مفتی محمد سعید
ہم نہ ہوں گے تو بہت یاد کرے گی دُنیا

جموں وکشمیر کے وزیر اعلیٰ، بے باک مقرّر، دُور اندیش سیاست داں اور وسیع النظر مفکر مفتی محمد سعید مختصر علالت کے بعد زندگی کی جنگ ہار کر اس جہانِ فانی کو خیر باد کہہ کر اپنے معبود حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ واِن الیہ راجعون۔

وزیر اعلیٰ کو 24/ دسمبر 2015ء کو اسپتال میں داخل کر دیا گیا تھا جہاں انہیں انتہائی نگہداشت والے وارڈ میں منتقل کر دیا گیا۔ طبیعت میں کوئی سدھار نہیں ہوا۔ ڈاکٹروں کی کوششیں اور عوام کی دعائیں بھی رنگ نہیں لاسکیں۔ قدرت کو جو منظور ہوتا ہے اس کے سامنے کسی کی بس نہیں چلتی۔

مفتی محمد سعید کا شمار ریاست جموں وکشمیر کے ان مایہ ناز سیاست دانوں میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی مفکرانہ سوچ، بُردباری اور جرت مندانہ اقدامات سے نہ صرف ریاست جموں وکشمیر کے سیاسی حلقوں میں ہلچل مچادی بلکہ قومی سیاست میں بھی ان کو عزت ووقار کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ ایک بے باک، نڈر اور صاف و

شفاف سیاست داں ہونے کی وجہ سے مفتی محمد سعید ہر حلقے میں مقبول تو تھے ہی، ساتھ میں وہ ریاست اور ملک کے تحفظ کے لئے ہر قربانی دینے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔

مفتی محمد سعید اننت ناگ کے تاریخی علاقہ بجبہاڑہ میں 1936ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مقامی اسکولوں میں حاصل کی۔ ایس پی کالج سرینگر سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری کے علاوہ عربی مضمون میں ایم اے کی ڈگری امتیازی نمبرات لے کر حاصل کی اور یوں 1956ء میں اننت ناگ کی مقامی عدالت میں وکالت کے پیشے کو اختیار کیا۔ 1962ء کے قریب سیاست میں جو کود پڑے تو پھر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا اور کامیابیاں ان کے قدم چومتی گئیں۔ مفتی صاحب ریاستی کابینہ میں وزیر اور نائب وزیر بھی رہے اور ریاستی کانگریس کے صدر بھی۔ ایم ایل اے اور ایم پی ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ مرکز میں ٹرانسپورٹ اور سیاحت کے وزیر بھی رہے اور وی پی سنگھ کی سرکار میں وزیر داخلہ بھی۔ مفتی محمد سعید ہندوستان کے اب تک کے پہلے اور آخری مسلمان لیڈر رہیں جنہیں اس اہم ذمہ داری سے سرفراز کیا گیا۔ 1999ء میں مفتی محمد سعید نے ملکی سیاست کو خیر باد کہہ کر ریاست میں واپس لوٹنے کا فیصلہ لیا اور یوں انہوں نے پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی کا سنگ بنیاد رکھا۔ ایسا شاید انہوں نے اس لئے کیا کیوں کہ ریاست جموں وکشمیر میں اس وقت ایک مضبوط اپوزیشن کا زبردست فقدان تھا۔ اپنی محنت، لگن اور مشقت سے پی ڈی پی نے 2002ء کے اسمبلی انتخابات میں 16 سیٹوں پر قبضہ جمایا اور یوں کانگریس کے اشتراک سے مفتی محمد سعید وزیر اعلیٰ کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ کانگریس سے معاہدہ کے مطابق اس

عہدے پر آپ تین سال تک فائز رہے۔ یہ وہ دَور تھا جب ریاست میں ہر طرف بدامنی کا دور دورہ تھا۔ کشمیر کے حالات انتہائی سنگین تھے۔ سابقہ حکومت کی کارکردگی کی وجہ سے کشمیر کے حالات انتہائی نازک بن چکے تھے۔ ہزاروں کی تعداد میں بے گناہ کشمیری نوجوان جیلوں کے اندر اپنی زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ غرض اس دَور میں کشمیری عوام کا کوئی پُرسان حال نہیں تھا۔ ایسے میں مفتی محمد سعید نے ان تمام حالات کا مردانہ وار مقابلہ کر کے امن قائم کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ یہ وہی دور ہے جب کشمیریوں کو عزت ملی، ظلم و تشدد کم ہوا اور ریاست کے تینوں حصوں میں حیرت انگیز ترقی بھی ہوئی۔ امن، ترقی اور خوشحالی واپس لانے کے لئے مفتی محمد سعید نے کلیدی رول ادا کیا۔ مفتی سعید امن کے پیامبر تو تھے ہی، ساتھ میں مسئلہ کشمیر کے پُرامن حل کے متمنی بھی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اس دور میں انہوں نے وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی کے ساتھ مل کر ہندوستان اور پاکستان کے درمیان مذاکرات کا سلسلہ شروع کیا۔ آر پار کی تجارت، اُوڑی مظفر آباد روڈ اور پونچھ راولا کوٹ روڈ کا دونوں ممالک کے عوام کے لئے آمدروفت کے لئے کھلا چھوڑنا اور کاروانِ امن بس سروس شروع کرنا مفتی محمد سعید جیسے دور اندیش سیاست داں کی کوششوں اور جدو جہد کا ہی نتیجہ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کے بعد آنے والے وزراء اعلیٰ کے عہدے پر فائز ہوئے، یہ کوششیں مزید تیز ہوگئیں۔ ہند پاک مذاکرات کی بحالی، مفتی صاحب کی کوششوں کا ہی نتیجہ ہے۔ انہوں نے ریاست کے تینوں خطوں کو ایک ہی نظر سے دیکھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جتنے مقبول کشمیر میں تھے اتنے ہی لداخ اور جموں میں بھی۔ جس کا ثبوت آر ایس پورہ کا اسمبلی حلقہ ہے جہاں سے منتخب ہو کر مفتی محمد سعید اسمبلی میں پہنچے۔ یہ اُن کی سیکولر سوچ ہی کا نتیجہ ہے کہ آر ایس

پورہ کے عوام نے انہیں لبیک کہہ کر اور ووٹوں کی کثیر تعداد سے فتح یاب کر کے انہیں ایوان تک پہنچا دیا۔

راقم کی مفتی سعید کے ساتھ قریبی ملاقاتیں رہیں اور قریب سے ان کو دیکھنے اور سننے کا شرف بھی حاصل رہا۔ 2009ء میں جب عمر عبداللہ ریاست کے وزیر اعلیٰ نامزد ہوئے تو مفتی صاحب نے راقم کو جموں والے گھر میں بلا کر پی ڈی پی میں شامل ہونے کی دعوت دی جسے میں نے اُسی وقت قبول کر لیا۔ اس وقت میرے کچھ خیر خواہ میرے اس فیصلے سے سخت نالاں بھی ہوئے لیکن میں اپنے فیصلے پر اٹل رہا۔ یہ دوسری بات ہے کہ میرے یہ نالاں دوست مفتی صاحب کے اُس وقت زیادہ قریب ہوئے جب مارچ 2015ء میں وہ ایک دفعہ پھر وزیر اعلیٰ کے اعلیٰ ترین عہدے پر فائز ہوگئے۔ جلدی ہی مجھے احساس ہوا کہ میرا لیا ہوا فیصلہ میرے لئے انتہائی اہم اور بروقت تھا۔ جلد ہی میرے مفتی صاحب کے ساتھ اتنے قریب تعلقات قائم ہوئے کہ پارٹی کی ہر اہم میٹنگ میں مجھے مدعو کئے جانے لگا۔ پارٹی کو مضبوط بنانے کے لئے وہ ہمیشہ مثبت راستہ اختیار کرنے کا مشورہ دیتے تھے۔ جموں میں گزشتہ چھ سال متواتر قیام کر کے پی ڈی پی کو مضبوط کرنے میں مفتی صاحب نے دن رات صرف کئے۔ جموں کے عوام سے انہیں بے حد امیدیں تھیں لیکن جب انتخابات میں جموں کو مطلوبہ نشستیں نہیں ملیں تو انہیں اس بات پر افسوس بھی ہوا جس کا ذکر انہوں نے مجھ سے متعدد بار کیا۔ اس کے باوجود بھی وہ جموں کی ترقی کے خواہاں تھے۔ وہ جموں کے لوگوں کا بے حد احترام کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت بناتے وقت نظریات میں اختلاف ہونے کے باوجود انہوں نے بھارتیہ جنتا پارٹی کو ہی حکومت سازی میں اپنا شریک بنا لیا۔ میرے یہ پوچھنے پر کہ اس طرح

کا فیصلہ انہوں نے کیوں لیا، مفتی صاحب نے دوٹوک الفاظ میں کہا کہ یہ عوامی منڈیٹ ہے اور عوام کے جذبات کی ہمیشہ قدر کرنی چاہیے۔ ریاست کی ترقی وترویج سے متعلق مفتی صاحب کی الگ سوچ تھی۔ وہ ریاست کو امن کا گہوارہ بنانے کے علاوہ تعمیر وترقی کے اعتبار سے دنیا کے سامنے ایک ماڈل کے طور پر پیش کرنا چاہتے تھے۔ انہیں کشمیری پنڈتوں کے وادی سے چلے جانے کا بے حد دُکھ تھا۔ اس بات کا اظہار انہوں نے متعدد عوامی جلسوں میں بھی کیا۔ وہ کشمیری پنڈتوں کی باوقار گھر واپسی کے زبردست خواہاں تھے۔ اس سلسلے میں آخری دم تک اُن کی کوششیں جاری رہیں۔ افسوس کہ ان کا یہ خواب ان کی وفات سے ادھورا رہ گیا اور ہم ایک دور اندیش سیاست داں سے محروم ہوگئے۔ ہمیں اُمید ہے کہ مفتی صاحب کی بیٹی اپنے والد کے ادھورے چھوڑے ہوئے مشن کو پورا کرنے میں اپنی صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے ریاست میں امن اور خوشحالی کے لئے مزید کام کریں گی۔ یہی مفتی صاحب کو ہماری طرف سے صحیح خراج عقیدت ہوگا۔
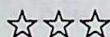
☆......محمد خورشید عالم

مفتی محمد سعید: ایک تابناک صُبح کا خورشید

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مختلف سیاسی نظریات سے وابستہ افراد کو پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی (پی ڈی پی) کے بانی مفتی محمد سعید سے نظریاتی اختلافات ہوسکتے ہیں، تاہم اِس ایک نُکتے پر کسی کو بھی تضاد نہ ہوگا کہ مفتی محمد سعید ایک مصمم بصیرت کے حامل رہنما تھے، جن کے فیصلوں میں دِل اور دماغ، دونوں کا عمل دخل رہا کرتا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ شہرِ خاص کے تنگ و تاریک گلی کوچوں سے لے کر دُور دراز دیہات کے لوگ اُنہیں ایک تیز فہم اور زیرک سیاسی رہنما اور ایک مہذب انسان کے طور جانتے ہیں۔

میں خود کو اس اہل نہیں سمجھتا کہ یہاں پر وہ متعدد واقعات بیان کروں کہ جہاں میں نے مفتی صاحب کو ذاتی اغراض سے عاری اور ہمت و استقلال سے لبریز شخص پایا۔ تاہم بحیثیتِ سیاست داں اُن کا ایک منفرد وصف جو مجھے تاعُمر ترغیب اور تحریک دیتا رہے گا، وہ ہے اُن کا اپنے عملے اور ماتحتوں سے بہتر سلوک۔ میں نے کبھی بھی انہیں کسی شخص سے ناخوش ہوتے نہیں دیکھا نہ میں نے اُن کے ماتھے

پر شکن ہی اُبھرتے دیکھی جبکہ اُنہیں اس بات کا پورا علم ہوتا تھا کہ اُن کے مخالف نے کِس قدر اُن کی پالیسیوں کے نکتہ چیں ہیں۔ میں نے اُنہیں ہمہ وقت اپنے فیصلے پر ڈٹا ہوا پایا۔ شاید ہی کوئی شخص، کوئی ایسا واقعہ ثبوت کے طور پر پیش کر سکے جب مفتی صاحب نے اپنے کسی مخالف کے خلاف کوئی ذاتی جنگ چھیڑ دی ہو۔

مرحوم ایک ایسی شخصیت تھے، جنہوں نے ہر وقت معقولیت اور شائستگی کو بناوٹ پر، اِدراک کو جذباتیت پر اور نظم وضبط کو ہنگامیت پر ترجیح دی۔ اپنے حریفوں کی کمزوریوں کی پوری علمیت رکھنے کے باوجود اُنہوں نے کبھی بھی عوامی جلسوں یا باہمی گفتگو کے دوران اُن کا نام لے کر ذکر نہیں کیا۔

یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ مفتی صاحب اپنی 50 سالہ سیاسی زندگی میں عوام کی بے غرض اور بے لوث خدمت کے عوض ایک قدآور سیاسی شخصیت کے بطور اُبھرنے کے باوجود اُنہوں نے زمینی سطح پر کام کرنے والے اپنے کارکنوں سے وابستگی قائم ودائم رکھی اور لوگوں کی اُمنگوں اور آرزؤوں کو ہر چیز پر مقدم رکھا۔ مرحوم ایک ایسی مہذب اور سلیقہ شعار شخصیت تھے کہ جن کے ساتھ بات کرتے وقت ہر خاص و عام احساسِ طمانیت محسوس کرتا اور نہایت آزادی کے ساتھ اپنا نُقطۂ نظر سامنے رکھتا۔ سرکار میں ہوں یا سرکار سے باہر، عوام اُن کی پہلی ترجیح تھے۔

موجودہ دور میں جب بد عنوانی اور حصولِ زر مُلک کے بیشتر سیاسی لیڈروں کا خاصا بن چکا ہے مفتی صاحب ہی ایک ایسے اِنسان تھے جنہوں نے تاعمر سادہ زندگی اور اعلیٰ اقدار کو اپنی زندگی کا اصول بنایا۔

مرکزی کابینہ میں شمولیت اور سیاست جیسی مُقتدر وزارتوں پر فائز رہنے نیز دو مرتبہ جموں وکشمیر کے وزیر اعلیٰ کا قلمدان سنبھالنے کے باوجود مرحوم نے اگر کوئی

چیز اثاثے کے بطور اپنے پیچھے چھوڑ دی تو وہ ہے، ذاتی اغراض سے مُبرّا اُن کے اصول۔ مرحوم نے جائیداد کی صورت میں محض آدھے کنال پر مُشتمل زمین کا ایک ٹکڑا چھوڑا ہے اور وہ بھی سرینگر شہر سے باہر۔ کیا کوئی فردِ بشر مُجھے موجودہ دور میں دوسری ایسی کوئی مثال پیش کر سکتا ہے؟ مرحوم جیسی بے غرض اور بے لاگ شخصیت تو روشن ضمیر اور بیدار مغز شخصیات کی سَر زمین کشمیر میں ہی پیدا ہو سکتی تھی۔

مفتی محمد سعید کو عوامی مشکلات اور مصائب کا بخوبی احساس تھا اور یہ اُن کی اُن گنت صلاحیتوں کے ہی طفیل تھا کہ زمینی سطح پر نہایت ثمر آور نتائج برآمد ہوئے۔ سرزمینِ کشمیر کے لوگ وہ وقت کبھی نہیں بھول سکیں گے، جب 2002ء کے اسمبلی انتخابات میں جیت حاصل کرنے کے بعد، پہلی بار پی ڈی پی کی قیادت میں مخلوط حکومت معرضِ وجود میں آئی اور سرکار کے تشکیل پاتے ہی مرحوم مفتی صاحب نے کئی دہائیوں سے چلی آرہی افراتفری، بدامنی اور انتشار کے ماحول کو ختم کر دیا۔ یہ مفتی محمد سعید جیسی اعلیٰ بصیرت رکھنے والی شخصیت اور مدّبر سیاسی رہنما کی کاوشوں کا ہی نتیجہ تھا کہ 2002ء کے انتخابات کے بعد ریاست کی سیاسی تاریخ میں ایک یکسر تبدیلی دیکھنے کو ملی، جو ایک مثبت اور خوش آئند علامت تھی۔

مفتی محمد سعید نے کبھی بھی کھوکھلی نعرے بازی سے کام نہیں لیا، نہ ہی اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے عوامی جذبات کا استحصال کیا۔ انہوں نے خیالات کو حقیقت کا جامہ پہنایا۔ مجھے یاد ہے کہ 2002ء میں جب وہ وزیر اعلیٰ کی کُرسی پر فائز ہوئے، سرینگر۔ مظفر آباد بس کے حوالے سے بینر اور ہورڈنگ، اہم راستوں اور چوراہوں پر نصب کئے گئے اور نکتہ چین حضرات اِس چیز کا مذاق اُڑانے لگے۔ تاہم مختصر عرصے میں ہی مفتی صاحب نے اِس خواب کو حقیقت میں بدل کر نکتہ

چینوں کے مُنہ بند کردیئے۔

مفتی صاحب اِس بات پر یقین رکھتے تھے کہ ریاست جموں وکشمیر میں حدِ مُتارکہ (کنٹرول لائن) کے روایتی راستوں کے کھلنے سے سرحد کے دونوں اطراف لوگوں کی آمدورفت میں آسانیاں پیدا ہوں گی، ساتھ ہی اِس سے باہمی تجارت کو بھی فروغ ملے گا اور آر پار دونوں ممالک کے درمیان سیاسی منظر نامے میں بھی ایک مثبت تبدیلی دیکھنے کو ملے گی۔

مفتی محمد سعید صاحب کے دورِ حکومت میں ہی کشمیر کے دو منقسم حصوں کے درمیان سرینگر۔ مظفر آباد بس سروس شروع کی گئی۔ مرحوم کو یقین تھا کہ سرینگر۔ مظفر آباد اور پونچھ راولا کوٹ راستوں کا کھُل جانا اِس خطے میں ایک نئے اقتصادی اشتراک کو فروغ دے گا۔

مفتی صاحب کا اُس وقت کے وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی کو سرینگر آ کر یہاں عوامی ریلی سے خطاب کرنے کی دعوت دینا، کشمیر میں امن کی بحالی کی طرف اٹھایا جانے والا ایک اہم قدم تھا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سرحدی علاقوں سے اضافی فوج کو واپس بُلایا گیا، سرحدوں پر فائر بندی کا اعلان کیا گیا۔ پوٹا کو منسوخ کیا گیا اور سیاسی نظر بندوں کو رہا کیا گیا۔ اِن اہم اقدامات کے علاوہ ہندوستان اور پاکستان نیز مرکز اور علاحدگی پسند رہنماؤں کے درمیان بات چیت کے بند پڑے دروازے بھی وَا ہوئے۔ اندرونِ ریاست مختلف خطوں اور طبقوں سے وابستہ عوام کو ایک دوسرے سے ملانا، مفتی صاحب کی سیاسی سوچ کا محور تھا۔ وہ کشمیر اور جموں دونوں صوبوں کے عوام کے مابین اعتماد کی بحالی کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہے۔

عوامی خواہشات اور اُمنگوں کا احترام کرتے ہوئے نیز لوگوں کی باعزت

طور امن کی بحالی کے تئیں طلب اور تشنگی کو بھانپتے ہوئے مفتی محمد سعید نے 2002 میں ریاست کے وزیر اعلیٰ کی کُرسی سنبھالتے ہی ''ہیلنگ ٹچ''، یعنی زخموں پر مرہم کرنے کی پالیسی اختیار کی تاکہ عوام کے قلوب و اذہان پر لگے زخموں کا مداوا کیا جاسکے۔ اُن کی عزّتِ نفس کا احترام کیا جاسکے۔ ان کے بجھے ہوئے قلوب میں اُمید اور توقعات کی ایک نئی شمع روشن کی جاسکے۔ نیز ایک صحت مند سیاسی عمل کے ذریعے اُنہیں اپنی تقدیر سنوارنے کی ترغیب دی جاسکے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نُوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ وَر پیدا

سرزمینِ کشمیر ایک ایسی روشن ضمیر شخصیت کی آرزومند تھی، جو کشمیر کی آنے والی نسلوں کی رہبری و رہنمائی کر کے اُنہیں امن وسکون اور ترقی کی راہ پر گامزن کرسکے۔ یہ مفتی صاحب کی شخصیت کا ہی خاصہ تھا کہ ریاست میں وزیر اعلیٰ کی کُرسی کا کھویا ہُوا وقار بحال ہوا۔ لوگوں کے دِلوں میں اُمید کی ایک کرن جاگ اٹھی۔ یہ مُفتی صاحب ہی تھے، جنہوں نے لوگوں کو یقین دِلایا کہ انتشار اور بدامنی سے پاک فضاء کی طلب اُن کا حق ہے اور مرحوم نے اپنی تمام تر کوششوں اور عزم و استقلال سے عوام کو اِس حق سے نوازا۔

جہاں بینی سے ہے دُشوار تر کارِ جہاں بینی
جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

....

(انگریزی سے ترجمہ: عبدالروف احمد راتھر)

☆☆☆
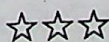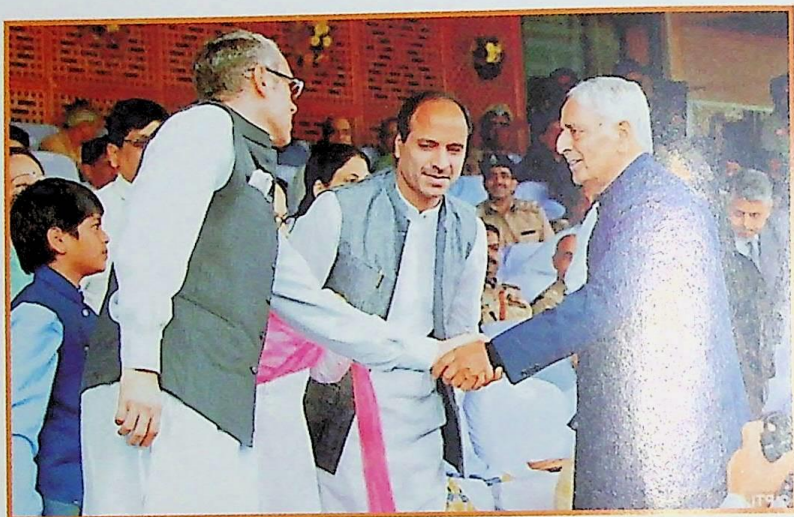
مفتی محمد سعید، محمد اشرف میر اور عمر عبداللہ

ترقیاتی کاموں کا جائزہ
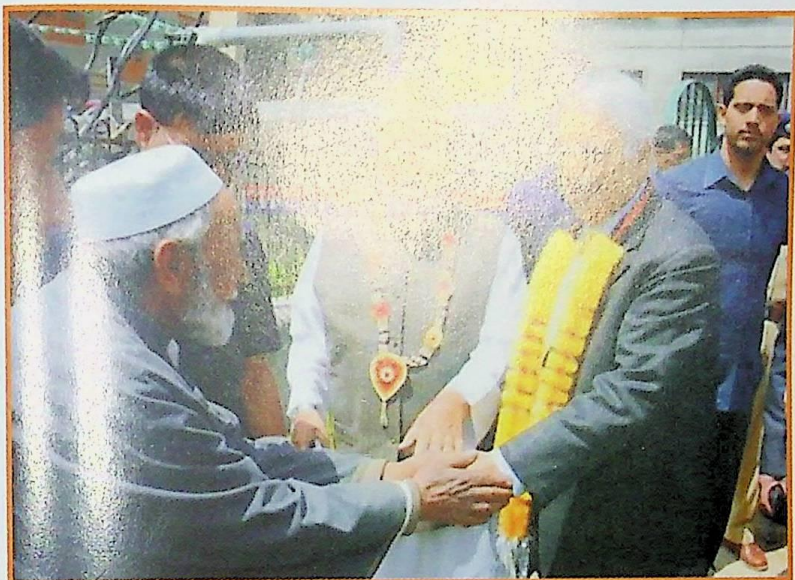
مفتی محمد سعید اور مولانا افتخار حسین انصاری
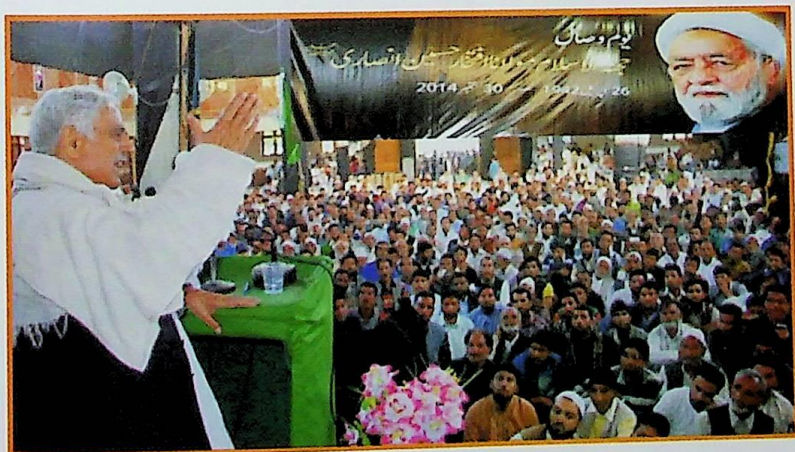
عوام کے جمِ غفیر سے خطاب
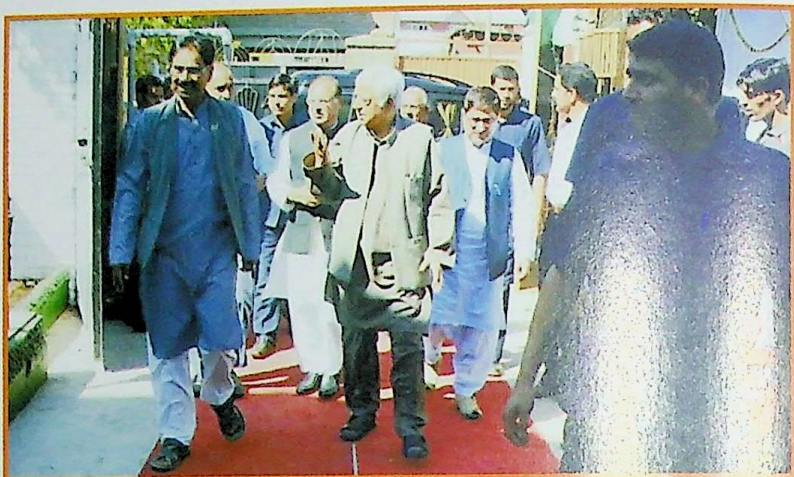
ظفر اقبال منہاس، مفتی محمد سعید، طارق حمید قرہ اور ڈاکٹر عزیز حاجنی

ظفر اقبال منہاس، مفتی محمد سعید اور ڈاکٹر عزیز حاجنی

مفتی محمد سعید اپنے رفقاء کے ہمراہ ٹیگور ہال کی تجدّید کے بعد افتتاح کے موقعے پر

ڈاکٹر عزیز حاجنی، سیّد الطاف بخاری، مفتی محمد سعید، ڈاکٹر حسیب درابو، جہانگیر میر

پریس کانفرنس سے خطاب

مفتی محمد سعید۔ صدر ہسپتال سری نگر کا دورہ

سابق وزیر خارجہ سلمان خورشید، مفتی صاحب، سابق ڈائریکٹر ڈی پی ایس سوسائیٹی، ڈاکٹر عزیز حاجنی
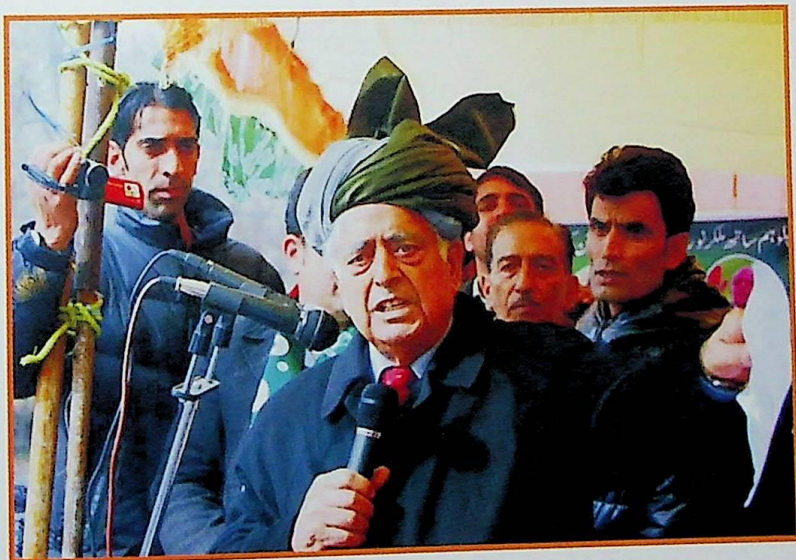
ریاست کے دور دراز علاقوں کے دورے کے دوران عوام سے خطاب

سرینگر ائیر پورٹ پر عازمین حج کو رُخصت کرتے ہوئے
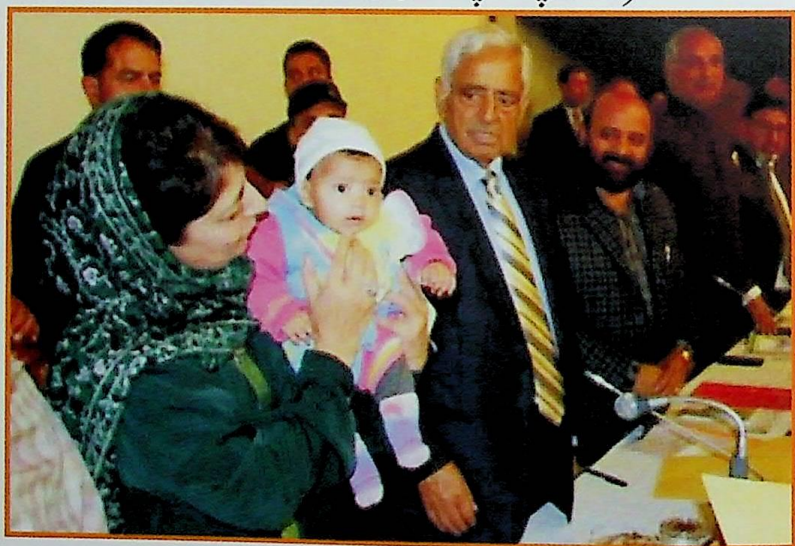
مفتی محمد سعید محبوبہ مفتی کے ہمراہ۔ ریاست میں لاڈلی بیٹی اسکیم کا افتتاح کرتے ہوئے

مفتی صاحب۔ مستحقین میں امدادی چیک تقسیم کرتے ہوئے
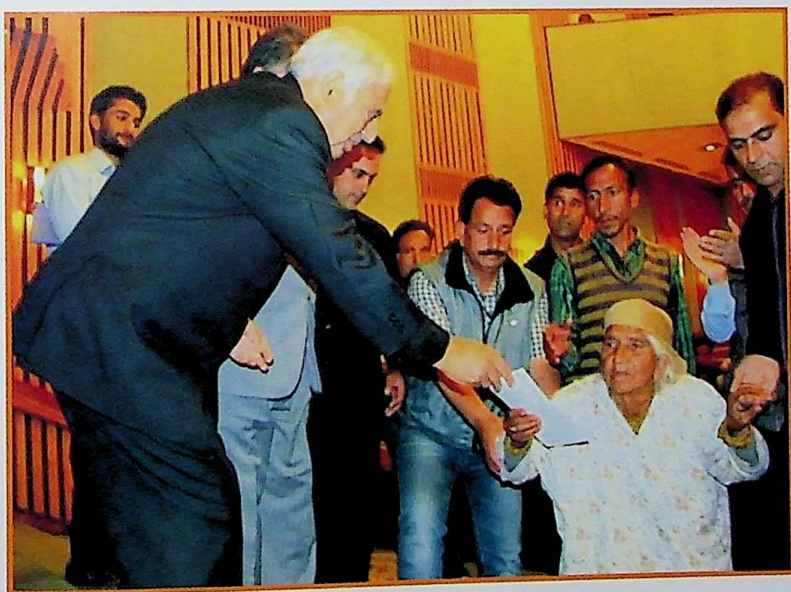
☆......ایڈووکیٹ غلام احمد ٹھاکرو

مفتی محمد سعید: ایک بالغ النظر سیاست داں

کہا جاتا ہے کہ متلوّن مزاجی انسان کی سرشت میں ہے۔ اُس کا روّیہ اور مزاج ہمیشہ ایک نہج پر نہیں رہتا۔ یہ وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی شخص کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ اکثر حالات میں ناممکن بھی ہوتا ہے اور جب بات کسی سیاست دان کے بارے میں کہی جائے، جن کے بارے میں خاص و عام کی رائے یہ ہوتی ہے کہ وہ اکثر اپنے قول و فعل میں تضاد کے شکار ہوتے ہیں، تو معاملہ اور بھی پیچیدہ لگتا ہے مگر مفتی محمد سعید کی کتابِ حیات کا برسوں مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا وہ کسی حال میں متلوّن مزاج نہیں تھے اور نہ وہ قول وفعل کے تضاد کے شکار تھے۔ اپنے کردار و عمل کی اُن کی اپنی ایک واضح شناخت تھی اور وہ اپنے ایک مخصوص فکر و عمل کے پیکر تھے جو واضح بھی تھا۔ غیر مبہم بھی اور دوٹوک بھی۔ وہ سیاسی ملمع کاری سے کوسوں دور تھے۔ وہ ہمیشہ وہی نظِر آئے جو وہ اصل میں تھے۔ اُن کے سیاسی نظریات، خیالات، طرزِ عمل، فکر و سوچ کے بارے میں کئی لوگوں کو اُن سے اختلاف تھا۔ مگر اُن کی

صاف گوئی، نیک نیتی، خلوص، تعمیری خیالات، سنجیدہ مزاجی، سیاسی بالغ نظری، ثابت قدمی اور جمہوری اندازِ فکر نے اُن کے مخالفین کو بھی اُن کا معترف بنایا۔ ایک سلجھے ہوئے، دور اندیش، بالغ نظر سیاست دان اور خیر خواہ لیڈر کی یہی نشانی ہوتی ہے۔ اُن کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ ایک انسان شناس لیڈر تھے۔ اُنہیں دیانت دار لوگوں، قابل اور پڑھے لکھے افراد سے بے حد محبت تھی۔ دوسرے الفاظ وہ گوہر شناس تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایسے افراد کو نہ صرف اپنے اردگرد دیکھنا چاہتے تھے بلکہ اُن کی عزت بھی کرتے تھے۔ اپنی حیثیت اور قابلیت کے مطابق عوام کی خدمت کرتے ہوئے انہیں دیکھ کر وہ فخر محسوس کرتے تھے۔ باتوں باتوں میں اپنے مخاطب کے اندرون میں دور تک جھانکنے کی صلاحیت اُن میں بدرجۂ اتم موجود تھی۔ سیاست دانوں کے اردگرد اکثر چاپلوس اور خوشامدیوں لوگوں کا ایک ہالہ ہوتا ہے۔ کئی لوگ بیروکریسی سے بھی ہوتے ہیں۔ پارٹی ورکروں میں سے بھی اور دوست و احباب میں سے بھی، لیکن جناب مفتی صاحب کی انسان شناسی کے باعث ایسے لوگ یہاں پھُونک پھُونک کر قدم رکھتے تھے۔ کیونکہ مفتی سعید ایسے اشخاص کے قول و فعل کی تحریر کے اچھے قاری تھے۔ اپنے مخالفین کے لئے اُن کے پاس نفرت، دشمنی، بدگمانی اور طعن و تضحیک کے الفاظ ہی نہیں تھے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ سیاست خیالات کی جنگ ہے اور خیالات کی جنگ کا مقصد عوام کی خدمت ہو تو ایسی سیاست عبادت بن جاتی ہے۔ وہ جو کہتے تھے اُس کی ایک بنیاد ہوا کرتی تھی اور اسی کا اعتراف اُن کے سیاسی حریفوں کو بھی تھا۔

کچھ لوگ سیاست میں اپنی سیمابی طبیعت، خود غرضی اور ذاتی نمود و نمائش کے لئے بڑی بے تابی اور اُچھل کود کا مظاہرہ کرتے ہیں اور بعض، چلو اُس طرف کو

جدھر کی ہوا ہو کے مصداق خود کو ہواؤں کے حوالے کرتے ہیں۔ مگر مفتی محمد سعید ابتداء سے ہی ایک معطر ہوا کے جھونکے کی طرح رہے اور سیاسی قد و قامت، بردباری، ثابت قدمی اور جمہوری سوچ و فکر کی ہوائیں اور کامیابیاں اُن میں خوشبو کی طرح سماگئیں۔ وہ بادِ مخالف کے لیڈر بھی رہے اور ہواؤں کا رُخ بدلنے میں اُنہیں لذّت محسوس ہوتی تھی۔ اُنہوں نے سیاست کو عبادت سمجھا اور عوام اُن کا مطمع نظر رہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی ساٹھ سالہ سیاسی زندگی میں ہمیشہ سے ایک حقیقت پسند، عوام دوست اور پختہ فکر سیاسی لیڈر کی حیثیت سے دیکھئے گئے۔ ناکامیوں نے اُنہیں دل برداشتہ نہیں کیا اور نہ کامیابیوں نے اُنہیں اپنے فرائض کے تئیں غافل رکھا۔ وہ اقتدار کی چمک دمک میں کبھی نہیں کھوئے۔ میں جب اُن سے ملاقی ہوا تو مجھ سے ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آئے، اُسی طرح جس طرح ایک مشفق باپ اپنے بیٹے سے پیش آتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ میں اُن کی مشفقانہ مسکراہٹ، جو اُن کے لبوں پر رقصاں رہتی تھی، کبھی نہیں بھولوں گا۔ مفتی محمد سعید مشفقانہ انداز میں بات سنتے تھے۔ انتظامی، سیاسی، سرکاری اور عوامی مصروفیات کے باوجود ایسا لگتا تھا کہ اُن کے پاس وقت کی کوئی کمی نہیں۔ بات اطمینان سے سن کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پدرانہ انداز میں وہ اس طرح بات سمجھا دیتے کہ یہ دل و دماغ پر نقش ہو جاتی۔ دل آزاری کی وہاں کوئی بات ہی نہیں تھی۔ سیاست میں اُن کے اصولوں، نیک نیتی ثابت قدمی، خلوص اور دور اندیشی نے ہی اُنہیں اونچے عہدوں سے نوازا لیکن اس کے باوجود اپنے کارکنوں کے بہت نزدیک رہے۔ وہی انداز سخن، وہی متانت، وہی جمہوری سوچ اور وہی ہمدردانہ رویہ جس نے اُن کے مخالفین کو بھی اُن کی تعریف کرنے پر مجبور کیا۔

کشمیر کی سیاست میں اُن کا اپنا ایک تاریخی اور منفرد مقام ہے۔ اس بارے میں وہ جو بھی تھے وہی دل و جان سے تھے کوئی مبہم نہیں تھا۔ اس بارے میں اس خوش مزاج سیاست دان کی باتیں برملا تھیں جن کے ساتھ بعض لوگ اختلاف کا حق رکھتے ہیں مگر بہرحال یہ دھوکے میں لپٹی ہوئی باتیں نہیں تھیں۔ حقیقت میں کشمیریوں کی خوش حالی، کشمیر کا امن و امان اور ہندوپاک کے درمیان خوشگوار دوستانہ تعلقات اور پُرامن بقائے باہم اُن کا خواب رہا ہے اور اس کا انہوں نے ہزار ہا بار ایوانوں، عوامی جلسوں اور نجی تقریبات کے دوران نہ صرف برملا اظہار کیا بلکہ عملی اقدامات بھی کئے۔ ایک صحافی نے کیا خوب لکھا ہے:

"His Policies were based on the philosophy of common good with long term people-oriented objectives, without falling prey to vote bank politics."

اُن کی تقریر کا لفظ لفظ معنی خیز ہوا کرتا تھا اور اسی طرح وہ عوام میں اُن خیالات کو عام کرنا چاہتے تھے جن سے اُن کی بھلائی وابستہ تھی۔ وہ قومیں واقعی خوش قسمت ہوتی ہیں جن کو ایسے رہبر ملتے ہیں۔ میں تو یہی کہوں گا کہ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدور پیدا

☆......کے ڈی مینی

مفتی محمد سعید اور خطۂ پیر پنچال

مجھے اچھی طرح یاد ہے 2002ء میں پیر پنچال کے پہاڑی سلسلوں میں پُر آشوب حالات کی وجہ سے ہل کاکا علاقہ کے گاؤں مڑھا میں تیرہ افراد جاں بحق ہوئے اور کئی دوسرے افراد زخمی ہوئے تھے۔ اس واردات سے پورے علاقے میں خوف اور وسوسوں کا سا ماحول تھا۔ ان حالات میں عوام کے اعتماد بحال کرنے کے لئے اُس وقت کے وزیر اعلیٰ آنجہانی مفتی محمد سعید جائے واردات پر پہنچے، تو پورا گاؤں آہ وزاری کرتے ہوئے اُن سے مُلتمس تھا کہ انہیں بھی بندوقیں دی جائیں تاکہ آئندہ کے لئے وہ اپنی حفاظت کر سکیں۔ مُفتی صاحب بڑے تحمل اور سنجیدگی سے اُن کی بات سُنتے رہے اور پھر بولے:

''میں آپ کو بندوق دینے کے لئے نہیں آیا یہ کام انتظامیہ کا ہے۔ میں تو بندوق برداروں کے ہاتھ سے بندوق چھڑانے کے لئے آیا ہوں۔ کیوں کہ بندوق کسی مسئلے کا حل نہیں۔ میری حکومت چاہتی ہے کہ وہ ناراض نوجوان جنہوں نے غُصے میں آکر بندوق کا سہارا لیا وہ پھر سے اپنے ماں باپ کا سہارا بنیں۔ میں چاہتا ہوں

کہ اُن سے بندوق لے کر انہیں ریاست کے قومی دھارے میں شامل کیا جائے۔ انہیں موت کی بجائے زندگی کی طرف مائل کیا جائے۔ اور اپنے خاندانوں کے ساتھ پُرسکون زندگی گزارنے کا موقع دیا جائے تاکہ کسی کو بھی بندوق کی ضرورت نہ پڑے۔ میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ جو خاندان بندوق کا شکار ہوتے ہیں اُن کے زخموں پر مرہم لگائی جائے۔ متاثرہ کنبوں کی ہر طرح سے معاونت کر کے انہیں ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کئے جائیں تاکہ ریاست جموں و کشمیر کے عوام ایک بار پھر سے روشن مستقبل کی طرف گامزن ہو سکیں۔''

یہ وہ سوچ تھی جس کے بل بوتے پر مفتی محمد سعید نے 2002ء میں ریاست کی عنانِ حکومت سنبھالی تھی۔ اُس دور میں اگر چہ پوری ریاست نامساعد حالات کے نرغے میں تھی لیکن خطۂ پیر پنچال کے دامن میں واقع اضلاع راجوری اور پونچھ کے عوام اِن حالات سے سب سے زیادہ متاثر تھے۔ پورے خطہ میں امن و قانون کی صورت حال نہایت سنگین تھی۔ پہاڑوں میں بہت سے ایسے علاقے تھے جہاں انتظامیہ اور حفاظتی دستوں کی گرفت میں نہ تھی۔

2002ء میں مفتی صاحب نے اقتدار سنبھالا تو وقت ضایع کئے بغیر وہ اُس سفر پر چل نکلے جو عوام کی فلاح و بہبود کی طرف جاتا تھا۔ آپ نے امن اور دوستی، خلوص اور خیر سگالی، گولی کی جگہ بولی اور زخموں کے بجائے زخموں پر مرہم لگانے کی سوچ اور ادراک سے حالات کو یکسر بدل کے رکھ دیا۔ لوگ جو خوف۔ محرومی اور بیگانگی کا شکار ہو کر بے سہارا ہو چکے تھے انہیں مفتی صاحب کے ان نئے اور انقلاب پرور رجحانات میں اپنے مسائل کا حل نظر آیا۔

ریاست کے دوسرے حصوں کی طرح خطۂ پیر پنچال کے مکینوں پر حکومت

کی اس حکمت عملی کا گہرا اثر ہوا اور علاقے کے بزرگ سنجیدہ اور ذی شعور افراد نے ناراض نوجوانوں کو بندوق چھوڑنے پر آمادہ کرلیا۔ دوسری طرف عوام کے اشتراک اور اُن کی منشا کے مطابق ترقیاتی عمل میں سُرعت لائی گئی۔ اعتماد اور بھروسے کی فضا قائم کرنے کے لئے مثبت کاوشیں ہوئیں۔ مفتی صاحب کی اَن تھک محنتوں کے صدقے حکومت اور عوام کے درمیان عوامی رابطے بڑھنے اور علاقہ پونچھ راجوری میں حالات کے بہتری کی طرف کروٹ لی۔ خطہ پیر پنچال کے عوام کو پُر امن زندگی مفتی محمد سعید کی پہلی دین تھی۔

ریاست جموں و کشمیر کے درمیان کنٹرول لاین پر ہر روز گولہ باری اور تشدد جاری رہتا تھا اور کشمیر کے دونوں حصوں میں کنٹرول لاین کے آر پار نہتے عوام مارے جاتے تھے۔ اس مسئلے پر قابو پونے کے لئے مفتی محمد سعید نے سیاسی سطح پر مرکزی حکومت سے رابطے کئے تا کہ پاکستان سے گُفت شنید کر کے سرحدی علاقوں کے عوام کو راحت دی جا سکے۔ اُدھر کشمیر میں حالات سازگار ہونے پر پاکستان کے اُس وقت کے حکمران پرویز مشرف کا ذہن بھی بدلنے لگا تھا اور اُنہوں نے محسوس کرلیا تھا کہ کنٹرول لاین پر گولہ باری فائدہ مند نہیں ہے کیونکہ کہ دونوں طرف کشمیری مارے جا رہے ہیں اس لئے پاکستان نے 23 نومبر 2003ء کو کنٹرول لاین پر یک طرفہ فائیر بندی کا اعلان کر دیا جس کے جواب میں حکومت ہند نے بھی فائیر بندی سے اتفاق کیا اور 55 برسوں کے بعد 26 نومبر 2003ء کو کنٹرول لاین پر فائیر بندی نافذ ہوگئی۔ اس طرح کنٹرول لاین پر بندوق کی دندناہٹ کی جگہ چڑیوں کی چہچہاہٹ نے لے لی۔ کیونکہ کنٹرول لاین کا 2004 کلومیٹر حصہ خطہ پیر پنچال کے درمیان سے گزرتا ہے اس لئے فائیر بندی کا سب سے زیادہ فائدہ کنٹرول لاین

کے قریب واقع ضلع راجوری اور پونچھ کے عوام کو مِلا جو 55 سالوں سے گولہ باری کے سائے میں جی رہے تھے۔ اُس کے بعد تقریباً دس سال تک کنٹرول لاین پر فائیر بندی نافذ رہی اور عوام کو پرامن ماحول نصیب ہوتا رہا۔ کنٹرول لاین پر فائیر بندی کے لئے مفتی صاحب کی کاوشوں کو خطہ پیر پنچال کے عوام ہمیشہ یاد رکھیں گے۔

کنٹرول لاین پر فائیر بندی ہونے کے بعد مُفتی صاحب نے سری نگر میں ایک عظیم ریلی کا اہتمام کیا جس میں 25000 لوگوں نے شرکت کی۔ مُفتی صاحب نے اِس ریلی میں ہندوستان کے وزیر اعظم اٹل بہاری واجپئی کو مدعو کر کے انہیں کنٹرول لاین پر اعتماد سازی کے اقدامات اٹھانے کی ترغیب دی تا کہ کشمیر کے دونوں حصوں کے عوام کے درمیان رابطے ہوسکیں۔ واجپئی کشمیر میں منعقد ہونے والی اس ریلی سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے اسی ریلی میں سری نگر مظفر آباد تاریخی شاہراہ کھولنے کی تجویز رکھی۔ اس تجویز کا کشمیر کے دونوں حصوں میں خیر مقدم کیا گیا اور دونوں طرف مثبت نفسیاتی اثرات بھی مرتب ہوئے۔ لوگوں نے مفتی محمد سعید اور وزیر اعظم اٹل بہاری وجپئی میں کشمیر جیسے الجھے ہوئے مسئلے کو حل کرنے کے لئے اُن پر اعتماد کرنا شروع کیا جو اس مسئلے کو انسانیت کے دائیرے کے اندر حل کرنا چاہتے تھے۔

پھر کنٹرل لائن پر راستے کھولنے کا عمل شروع ہو گیا۔ 17 اپریل 2004ء کو 55 کلومیٹر لمبی اوڑی مظفر آباد کی ایل او سی شاہراہ کھولی گئی۔ جس کا کشمیر کے دونوں حصوں میں زبردست خیر مقدم ہوا۔ اس سے تقویت حاصل کر کے 20 جون 2006ء کو 46 کلومیٹر لمبی پونچھ راولاکوٹ سڑک بھی کھول دی گئی اور 58 سالوں سے بچھڑے خاندانوں کو پھر سے ملنے کیلئے کنٹرول لاین کے آر پار جانے کا سلسلہ

شروع ہو گیا۔

چونکہ ریاست جموں وکشمیر میں خطہ پیر پنچال وہ علاقہ ہے جو 1947ء کی جنگ بندی کے باعث دو پھاڑ ہوا تھا۔ 1947ء اور 1965ء میں اس علاقے سے قریباً دو لاکھ افراد ایل او سی کے اُس پار چلے گئے تھے۔ اور اب خطہ پیر پنچال کی 62 فی صدی آبادی بچھڑے خاندانوں کے زمرے میں آتی ہے۔ اس لئے کنٹرول لاین پر راستے کھلنے کا سب سے زیادہ فائدہ خطہ پیر پنچال کے اضلاع راجوری اور پونچھ کے عوام کو ہوا اور راستے کھُلنے کے باعث علاقے کے حالات سازگار اور خوشگوار ہوتے چلے گئے اور یہاں کے عوام 1947ء اور 1965ء کے گھاؤ بھول کر امن اور خوشحالی کی طرف گامزن ہو گئے جو مفتی صاحب کی ہی دین مانی جاتی ہے۔

1947ء سے قبل خطہ پیر پنچال برفانی چوٹیوں سے لیکر میدانی علاقوں سے ہوتے ہوئے دریائے جہلم تک پھیلا ہوا تھا اور اس کی حدیں اور سرحدیں مغربی پنجاب سے ملتی تھیں۔ ایک طرح پونچھ کوٹلی۔ میر پور اور راولا کوٹ سے براستہ سڑک جڑا ہوا تھا۔ راجوری جھنگڑ کے راستے میر پور اور کوٹلی سے مُنسلک تھی تو دوسری جانب پونچھ شہر کا براستہ حاجی پیر اوڑی وادی کشمیر سے سیدھا رابطہ تھا۔ لیکن 1947ء کے بعد جب اس خطہ کے درمیان کنٹرول لاین قائم ہوگئی تو علاقہ راجوری اور پونچھ ان تمام تاریخی شاہراہوں سے کٹ کر رہ گیا اور ان اضلاع میں ایک سڑک تھی جو پونچھ اور راجوری کو جموں سے ملاتی تھی۔

1947ء کے بعد پونچھ اور راجوری کے عوام نے ان اضلاع کے وادیٔ کشمیر سے ملانے کے لئے تاریخی شاہراہ مغل روڑ کی تعمیر کے لئے آواز اٹھانا شروع کردی تھی۔ لیکن ماضی میں کسی بھی حکومت نے اس مانگ کی طرح سنجیدگی سے توجہ نہ

دی۔ اگرچہ 1975ء میں شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ کے دوبارہ برسر اقتدار آنے پر مغل روڑ کی تعمیر کے لئے اقدامات اٹھائے گئے تھےاور 1978ء میں کام بھی شروع کرایا گیا تھا لیکن 1982ء میں شیخ صاحب کی وفات کے بعد اس سڑک کی تعمیر کے کام کو روک دیا گیا تھا۔ دُبجن اور چنڈی مڑھ تک جو حصے تعمیر بھی ہوئے تھے وہ بھی بے توجہی کا شکار ہوکر رہ گئے تھے۔

2002ء میں مفتی محمد سعید نے اقتدار میں آنے کے بعد پونچھ اور راجوری اضلاع کو وادی کشمیر کے ساتھ جوڑنے کے لئے مغل روڑ کی تعمیر کے منصوبے بنانے شروع کئے اور 2004ء میں اس سڑک کی تعمیر کا باقاعدہ اعلان کیا گیا۔ ہیر پور اور سورن کوٹ میں دو کنسٹریکشن ڈویژن متعین کئے گئے اور خود مفتی صاحب نے بیک وقت دُبجن شوپیاں اور بفلیاز پونچھ میں اس سڑک کا سنگ بنیاد رکھ کر کام شروع کرایا۔ اگرچہ 2005ء میں مفتی صاحب کو اقتدار چھوڑنا پڑا۔ لیکن وہ اس شاہراہ کی تعمیر کے لئے راجوری اور پونچھ کے عوام کو اتنا باشعور کر گئے تھے کہ آگے چل کر پی ڈی پی کانگریس سرکار نے اس سڑک کو 2006ء میں پرائم منسٹر پیکیج پروگرام میں شامل کرایا اور 2010 میں اس سڑک کو تین سال میں مکمل کرا کے ہلکی گاڑیوں کی آمدورفت کے لئے کھول دیا گیا۔

مغل روڑ کے کھُلنے سے خطہ پیر پنچال کے علاقہ راجوری اور پونچھ کا براہ راست سری نگر سے رابطہ ہو گیا اور براستہ جموں 537 کلومیٹر لمبی مسافت کم ہو کر 169 کلومیٹر رہ گئی۔ اس سڑک کے کھُلنے سے سیاحت کے دروازے بھی کھُلنے لگے۔ اور اب وادی گرجن، بہرام گلہ، بودھل، نوری چھم اور چھتاپانی گلیشر سیاحوں کی توجہ کا مرکز بننے کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ آج کشمیر کا سیب پونچھ اور راجوری

کے بازاروں میں بک رہا ہے۔ یہاں کے بے روزگار نوجوان ہزاروں چھوٹی گاڑیاں خرید کر مسافروں کو سری نگر سے پونچھ اور راجوری لانے لے جانے میں مصروف ہیں۔ اور اب مغل روڑ کھلنے سے خطہ پیر پنچال کے عوام کی اقتصادی، سماجی اور سیاسی زندگی میں انقلاب برپا ہونا شروع ہوگیا ہے۔ یہ شاہراہ اس خطہ کے عوام کو مفتی صاحب کی بہت بڑی دین مانی جاتی ہے۔

اپنی وفات سے تقریباً ڈیڑھ ماہ قبل مفتی محمد سعید نے پونچھ شہر کے شمال میں واقع قصبہ لوان کو ٹنگ مرگ سے ملانے کے لئے براستہ جمیاں گلی بڑا پتھر 42 کلومیٹر لمبی سڑک کا سنگ بنیاد رکھ کر اس علاقے میں ترقی اور خوشحالی کی بنیاد رکھنے کی کوشش کی ہے۔ یہ سڑک آنے والے برسوں میں جب تعمیر ہو جائے گی تو گلمرگ کی دوسری طرف علاقہ پونچھ راجوری میں واقع لوان اور ساوجیاں جیسے صحت افزا مقامات سیاحت کے نقشے پر اُبھر آئیں گے۔

مفتی صاحب کے اس خواب کو یہاں کے عوام کیسے بھلا سکتے ہیں جو تعمیر کی اور بڑھ رہا ہے۔ خطہ پیر پنچال کے اضلاع پونچھ اور راجوری کے عوام 1947ء اور پھر 1965ء کے واقعات کے بعد ایک عرصے تک نامساعد حالات سے دوچار بھی رہے۔ جس کے باعث یہ لوگ اقتصادی پسماندگی اور ناخواندگی سے بُری طرح متاثر ہوئے اور تعلیمی لحاظ سے اس علاقہ کے عوام پچھڑ کر رہ گئے کیونکہ اس خطہ میں نہ تو کوئی یونیورسٹی تھی اور نہ ہی تکنیکل کالج تھا۔ جبکہ عام لوگوں میں اتنی توفیق نہ تھی کہ وہ اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم کے لئے جموں یا پھر سری نگر بھیج سکتے۔ اگرچہ عوامی سطح پر اس خطہ میں ایسی سہولیتیں فراہم کرنے کی مانگ ہوتی رہی لیکن اس طرح کوئی توجہ نہ دی گئی۔ آنجہانی مفتی صاحب جب 2002ء میں برسرِ اقتدار آئے تو آپ زیارت

شاہدرہ شریف پر حاضری دینے کے لئے تشریف لائے۔ آپ نے زیارت پر ہونے والی آمدنی کا جائزہ لیا اور علاقے میں کسی یونیورسٹی کے نہ ہونے کا احساس کرتے ہوئے حضرت سید بابا غلام شاہ بادشاہ کے نام پر نہ صرف یونیورسٹی قائم کرنے کا خواب دیکھا بلکہ اِس خواب کی تعمیر کے لئے دن رات ایک کردیا۔ ریاستی حکومت سے مالی معاونت کا اعلان ہوا۔ راجوری کے علاقہ دھنور میں ایک پورا پہاڑ یونیورسٹی کے لئے وقف کر کے جلد سے جلد اس کی تعمیر کے لئے راہ ہموار کی اور نہایت قلیل عرصے میں نہ صرف یونیورسٹی میں ایم اے اور ایم ایس سی کی کلاسیں شروع ہوگئیں بلکہ کمپیوٹر اور انجینئرینگ کے طلبا کے لئے بھی بابا غلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی کے دروازے کھول دیئے گئے۔ جہاں آج نہ صرف راجوری اور پونچھ کے طلبا اس یونیورسٹی سے مستفید ہو رہے ہیں بلکہ پورے ملک کے طلبا یہاں تعلیم حاصل کرنے آرہے ہیں اور یہ یونیورسٹی ریاست کا اہم ترین تعلیمی اور تکنیکی ادارہ بن کر اُبھرا ہے۔ اس خطہ کے عوام اس یونیورسٹی کے علاوہ مغل روڑ، ٹنگ مرگ لورن روڑ اور کنٹرول لاین کے آر پار یہاں کے بے بچھڑے خاندانوں کو جوڑنے کے لئے ہمیشہ اُن کے احسان مند رہیں گے۔

آنجہانی مفتی محمد سعید نے پہلے اور دوسرے دورِ اقتدار میں تقریباً پونے چار برسوں تک ریاست کی رہنمائی کی۔ اس قلیل عرصے میں آپ نے کشمیر کی ترقی خوشحالی، امن وسلامتی اور عوام کے لئے آن، آبرو اور عزت مند زندگی کے خواب دیکھتے رہے اور اُن خوابوں کی تعبیر کرتے رہے۔ آپ منجھے ہوئے سیاست دان تھے اور عوام کی نبض سے واقف تھے۔ آپ مسئلوں سے نبرد آزما ہونے کی زبردست قوت رکھتے تھے اور فہم وشعور رکھنے والے ایسے دانشور بھی تھے اور ہر وقت کشمیری عوام کے

بہتر مستقبل کے بارے میں متحرک رہتے تھے۔ ریاست جموں وکشمیر کے سیاسی منظر نامے کو آپ نے نئے نئے رجحانات اور خیالات سے متعارف کرایا اور وہ قوتیں جو گولی کا جواب گولی سے سے دینا جانتی تھیں انہیں گولی کا جواب بولی سے دینے کی عادتیں ڈالنے میں کامیاب ہوئے۔ اٹھاون برسوں کے جنگ وجدل اور نفرت زدہ ماحول کے بعد پہلی بار مُفتی صاحب نے کشمیر جیسے الجھے ہوئے معاملے کو حل کرنے کے لئے ایسے پرامن طریقے ڈھونڈ نکالے جس میں ہر فریق کی جیت نظر آتی تھی۔ مفتی صاحب کشمیر کے دونوں حصوں کے درمیان نفرت اور بدگمانی کی خاردار تاروں کو ہٹا کر میل ملاپ کی راہیں نہ صرف ہموار کرنے میں معاون ثابت ہوئے بلکہ انہیں کشادہ کرنے میں محور رہے۔ آج وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن کشمیر کو لیکر اُن کے مثبت رویے اور نئے رُجحانات عوام کے لئے مشعلِ راہ بنے رہیں گے۔

☆☆☆

☆☆☆

☆......مشتاق احمد مشتاق

مفتی محمد سعید اور ذرائع ابلاغ: چند خوشگوار یادیں

اپنے سکول کے دنوں میں جب وادی میں ماحول بڑی حد تک امن وسکون کا تھا اور ریڈیو پر بجنے والے فلمی گانے ہم نوعمر لڑکوں میں خاصے مقبول ہوا کرتے تھے ایک گانا سُن کر مجھے زبردست سرور آتا تھا۔ گانا تھا۔

آدمی مسافر ہے، آتا ہے جاتا ہے
آتے جاتے رستے میں، یادیں چھوڑ جاتا ہے

ریاستی کلچرل اکیڈمی کی طرف سے شیرازہ کی مفتی محمد سعید کی خصوصی اشاعت کیلئے مضمون لکھنے کی فرمائش سے متعلق مکتوب موصول ہوجانے پر یہ فلمی گانا میرے کانوں میں پھر سے گونجنے لگا اور اس کے ساتھ ہی مفتی محمد سعید کے بارے میں بہت سے واقعات یاداشت میں تازہ ہونے لگے۔

دوبار ریاست کے وزیر اعلیٰ اور ملک کے اب تک کے واحد مُسلم وزیر داخلہ رہ چکے مفتی محمد سعید کا سیاسی کیریئر لگ بھگ چھ دہائیوں پر محیط رہا۔ جموں وکشمیر جیسی حساس اور پیچیدہ صورتِ حال کی حامل ریاست میں اتنے طویل عرصہ تک

سیاست میں رہنے والے اہم ذمہ داریاں نبھانے والے ہر بڑے سیاسی لیڈر کی طرح مفتی صاحب کی شخصیت سیاسی طرزِ فکر اور کارناموں کے بارے میں ملی جُلی اور متضاد رائے کا ہونا ناگزیر ہے۔ اس تعلق سے تجزیہ نگاروں کی آرا بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوسکتی ہیں اور آنے والے مورخین کی بھی۔ رہی بات میری، میرا تعلق مفتی صاحب سے نہ ذاتی تھا نہ سیاسی۔ اُن کے سیاسی کیریئر کا آغاز لگ بھگ میرے جنم سے کچھ پہلے ہی ہوا تھا۔ ان سے میرا تعارف ابتداءً ذرائع ابلاغ کے توسط سے ہوا۔ یہ اُن دنوں کی بات ہے جب میں ہائیر سیکنڈری سطح پر پڑھتا تھا۔ خبر اور حالاتِ حاضرہ سے اپنے ہم جماعتوں کے مقابلہ میں مجھے تب بھی گہری دلچسپی تھی۔ اُس وقت کے اخبار پڑھ کے کبھی کبھی یوں لگتا تھا کہ مفتی محمد سعید اُس وقت کے وزیر اعلیٰ اور سب سے قد آور کشمیری رہنما شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ کی حکومت اور سیاست پر تنقید کرنے والی واحد آواز ہے اور اس آواز کو عام طور پر ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھا جارہا تھا۔ پھر ہُوا یوں کہ دس سال کے عرصے کے بعد جس دوران مفتی صاحب ریاست میں نیشنل کانفرنس حکومت کے خلاف بطورِ اپوزیشن زبردست فعال رہے لیکن انتخابی میدان میں اس علاقائی پارٹی کو مات دینے میں کامیاب نہیں رہے۔

مفتی صاحب کے ساتھ میری ملاقات تب ہوئی جب وہ مرکز میں سیاحت کے وزیر تھے اور میں نے اُنہی دنوں انڈین انفارمیشن سروس جوائن کر کے سرینگر کے پریس اِنفارمیشن بیورو سے کیریئر شروع کیا تھا۔ 1987 میں ہوئے ریاستی اسمبلی کے چُناؤ سے مفتی صاحب بظاہر پوری طرح لاتعلق سے رہے تھے اور راجیو فاروق ایکارڈ کے بعد کچھ کچھ اپنی پارٹی یعنی کانگریس کی قیادت سے بھی ناخوش تھے۔ ایسے میں سری نگر میں آل انڈیا ٹیور اور ٹراول آپریٹرس کی کانفرنس کا انعقاد ہورہا تھا جس کی

کوریج کے سلسلے میں مفتی صاحب سے میری ملاقات ہوئی۔ چونکہ اس سے پہلے دو تین سال میں سرینگر دوردرشن سے بطور کیجول نیوز ریڈر خبریں بھی پڑھا کرتا تھا، اس لئے مفتی صاحب بڑے تپاک سے ملے اور یہ جان کر خوش بھی ہوئے کہ میں مرکزی آئی اینڈ بی وزارت کا مستقل مُلازم ہوگیا ہوں۔ انہوں نے کانفرنس کے افتتاحی اجلاس کے بعد مجھے چند چنندہ میڈیا سے وابستہ افراد کو اسی دن بعد دوپہر اُن کی رہائش گاہ پر غیر رسمی ملاقات کے لئے بُلانے کے لئے کہا۔ نوکری کے ابتدائی دنوں میں یہ کام ملنے پر میں بے حد خوش ہوا اور بعدِ دوپہر 8 افراد کی ایک میڈیا ٹیم کو جس میں اُس وقت کے سرینگر میں تعینات پی ٹی آئی، یو این آئی، دو ایک مقامی اخباروں اور دو تین بڑے مقامی روزناموں کے نمائندے شامل تھے، اُن کی رہائش گاہ پر حاضر ہوی۔ وہ سب سے فرداً فرداً تپاک سے ملے اور بعد میں چائے نوشی کے ساتھ ساتھ لگ بھگ ایک ڈیڑھ گھنٹہ گفتگو چلی۔ مجھے اس گفتگو سے کچھ تو اس بات کا اندازہ ہوا کہ مفتی صاحب میڈیا کی اہمیت سے بے حد واقف ہیں۔ دوئم یہ کہ وہ مرکزی وزیر ہونے کے باوجود ریاست کی سیاست اور انتظامی امور میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں اور یہ بھی کہ وہ مرکز کے بجائے ریاست میں اہم ذمہ داری نبھانے کے زبردست متمنی ہیں۔ میرا اندازہ اُس وقت بڑی حد تک درست ثابت ہوا جب چند ماہ بعد اگست میں انہوں نے راجیو گاندھی کابینہ سے بطور وزیرِ سیاحت، میرٹھ فسادات کے خلاف بطورِ احتجاج استعفیٰ دے دیا۔ اُن دنوں وشوانا تھ پرتاپ سنگھ راجیو کابینہ سے استعفیٰ دینے کے بعد جن مورچہ قائم کر چکے تھے اور یوں مفتی صاحب قومی سیاست کے اُس اہم موڑ پر کانگریس چھوڑ کر وی پی سنگھ سے جُڑے۔ یہ واقعہ بعد میں ملک کی سیاست کا دھارا بدلنے کے ساتھ ساتھ مفتی صاحب کے مُلک کا پہلا

مسلم وزیرِ داخلہ بننے کا بھی موجّب ہوا۔ میڈیا سے جُڑے ہونے کی وجہ سے اس کے بعد مفتی محمد سعید کے سیاسی کیریئر پر میری گہری نگاہ رہی اور کچھ مراسم بھی پیدا ہوئے۔ وی پی سنگھ کی سرکار نے جموں وکشمیر میں ملی ٹینسی کے شروع ہو جانے کے بعد حالات کو مثبت رُخ دینے کے سلسلے میں دو بڑے قدم اٹھائے۔ ان میں سے ایک قدم کشمیر پنڈتوں کے وادی سے منتقل ہو جانے کے بعد مرکزی سرکار کے دفاتر میں افرادی قوت کی کمی سے نمٹنے کے لئے مقامی نوجوانوں کی خاص بھرتی مُہم ایک بڑا قدم تھا۔ دوسرا بڑا قدم تھا ریاست کو ملنے والی مرکزی امداد کا فارمولہ خصوصی زمرے والی ریاستوں کے طرز پر لانا جس کی رو سے 1990ء کے بعد سے ریاست کو 90 فی صد مرکزی رقوم گرانٹ اِن ایڈ اور دس فی صد قرضوں کی صورت میں ملنا شروع ہوئیں جبکہ اس سے پہلے 30 فی صد گرانٹ اِن ایڈ اور 70 فی صد لون کی صورت میں ملا کرتا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ جس وقت مرکزی سرکار نے یہ فیصلہ کیا اُس وقت وادی میں حالات انتہائی مخدوش تھے اور پریس انفارمیشن بیورو سے مرکزی سرکار کے اس فیصلہ کے بارے میں جو پریس ریلیز جاری ہوا وہ صرف ایک مقامی اُردو روزنامہ نے بکس میں چھاپا اور دیگر سبھی اخباروں نے اِسے نظر انداز کر دیا۔ بہر حال، یہ بات برسبیلِ تذکرہ آئی۔ 1990ء سے 1996ء تک وادی سے تمام مین سٹریم پارٹیوں کے لیڈر منظر سے ہٹ گئے اور زیادہ تر دلی اور ملک کے دیگر شہروں میں سکونت اختیار کر گئے۔ ایسا مفتی صاحب کے ساتھ بھی ہوا اس لئے بڑی دیر تک مقامی ذرائع ابلاغ کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں رہا۔ 1996ء میں اُن کی صاحبزادی محبوبہ مفتی کا بجبہاڑہ اسمبلی حلقہ سے کانگریس ٹکٹ پر چُنا وَ جیتنا ریاست کی سرگرم سیاست میں مفتی محمد سعید کی واپسی کا خاص محرک بنا۔ 1998ء میں انہوں

نے اننت ناگ پارلیمانی حلقہ سے لوک سبھا چُناؤ جیتا اور یوں ان کا بنیادی سطح پر اپنے کارکنوں اور حمایتیوں سے پھر سے رابطہ اُستوار ہوا۔ ایسے میں 1999ء میں انہوں نے جب محبوبہ مفتی سمیت کانگریس سے استعفیٰ دے کر علاقائی پارٹی پی ڈی پی قائم کرنے کا اعلان کیا تو یہ بھی ریاست کی سیاست میں ایک تاریخی موڑ ثابت ہوا۔ اُس وقت میں دوردرشن کیندر سرینگر کے شعبۂ خبر میں تعینات تھا۔ ہمارے بہت سے ساتھی مفتی صاحب کے اس فیصلہ کو ایک بڑی غلطی مانتے تھے لیکن مفتی صاحب کے اس فیصلہ نے ریاست کے سیاسی منظرنامہ میں ایک زبردست بدلاؤ کی راہ ہموار کی۔ سیاسی ڈسکورس بدل گیا اور نتیجہ کے طور پر 2002ء کے چناؤ کے بعد مفتی محمد سعید کو ریاست کا وزیراعلیٰ بننے کا موقع ملا۔ اُس وقت کے حالات کے تناظر میں تمام تجزیہ نگار مفتی صاحب کے تین سالہ دورِ اقتدار کو کافی موثر قرار دیتے آئے ہیں۔ دوردرشن کیندر سرینگر کے شعبۂ خبر سے وابستہ ہونے کی وجہ سے اس دوران مفتی صاحب کے ساتھ کئی بار ملاقاتیں بھی ہوئیں اور ان کا انٹرویو کرنے کے موقع بھی ملا۔ مفتی صاحب کو ویسے بھی اُن کو میڈیا فرینڈلی لیڈر اور ایک اچھا میڈیا منیجر مانا جاتا تھا۔ اُن کے سیاسی مخالفین بھی بار بار یہ کہتے تھے کہ مفتی صاحب کام سے زیادہ میڈیا مینیج مینٹ سے اپنی سیاست کو آگے بڑھاتے رہے ہیں۔ ذاتی طور پر میرا اس تعلق سے اُن کے ساتھ تجربہ خاصا خوشگوار رہا اور میری نظر میں وہ میڈیا کے استعمال کے تعلق سے بطور وزیراعلیٰ اپنے پیش روں اور اپنے بعد آنے والے وزرائے اعلیٰ کے مقابلے میں خاصے منفرد اور خاصے بالغ نظر تھے۔

نومبر 2002ء میں اُن کے وزیراعلیٰ بننے کے بعد کئی مہینوں تک نیشنل کانفرنس کچھ سکتہ کے عالم میں تھی۔ مفتی صاحب انتظامی اور سیاسی محاذ پر ماحول میں

بہتری اور بدلاؤ کا احساس کرانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ظاہر بات ہے کہ اس تعلق سے دوردرشن جیسے سرکاری ادارہ سے اُن کے کاموں اور مصروفیات کی بھرپور کوریج کی جارہی تھی۔ مفتی صاحب دوردرشن کا شام کا خبروں کا علاقائی بلٹن خود دیکھتے تھے اور کوریج میں کمی پیشی کی خودنشاندہی بھی کرتے تھے۔ کانگریس کے ساتھ اُن کی مخلوط حکومت تھی۔ ایک دن کسی تقریب کی کوریج میں وزیراعلیٰ کو تو خوب ہائی لائیٹ کیا گیا تھا مگر تقریب میں اُس وقت کے نائب وزیراعلیٰ منگت رام شرما کی موجودگی کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا تھا۔ حالانکہ فلم میں وہ صاف دکھائی دے رہے تھے۔ کشمیری خبروں کا بُلٹن ابھی ختم ہو ہی رہا تھا کہ وزیراعلیٰ کی رہائش گاہ سے نیوز روم فون آیا۔ اس استدعا کے ساتھ کہ مفتی صاحب چاہتے ہیں کہ اُردو بلٹن میں نائب وزیراعلیٰ کا حوالہ لازماً دیا جائے۔ اسی تناظر میں مجھے 8 ستمبر 2003ء کا ایک اہم واقعہ یاد آرہا ہے۔ مفتی صاحب دن بھر کے شمالی کشمیر کے دورے پر گئے تھے۔ انہوں نے متعدد زیرِ تکمیل کاموں کا برسرِ موقعہ جائزہ لیا۔ شیری علاقہ میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے سرینگر مظفرآباد سڑک کے کھولے جانے کی بھی بات کی اور اس سے علاقے کے ترقیاتی منظرنامہ میں ممکنہ بدلاؤ کو اُجاگر کیا۔ شام چھ بجے کے قریب مفتی صاحب کے دفتر سے اس دورہ کو اچھے انداز سے پیش کرنے کے حوالے سے فون آیا۔ مجھے یہ زیادہ ٹھیک نہیں لگا اور میں نے فون کرنے والے سے پلٹ کر پوچھا کہ کیا ہم روز سی ایم صاحب کو احسن طریقہ پر کور نہیں کرتے اور اس کے ساتھ ہی میں نے یہ بھی جوڑ دیا کہ آج این سی والوں نے کافی عرصہ بعد شیخ صاحب کی برسی پر ایک بڑا جلسہ کیا ہے جس کو ہمیں آج اچھی کوریج دینی ہے۔ میرا اندازہ تھا کہ سی ایم دفتر کا اس پر ردِعمل منفی ہوگا لیکن مجھے تعجب ہوا کہ فون کرنے

الے نے مجھے ہولڈ کرنے کو کہا اور کچھ دیر بعد انہوں نے کہا کہ مفتی صاحب بے حد
شکور ہیں کہ آپ اُن کو بہت اچھے انداز سے کور کررہے ہیں اور ان کا یہ بھی کہنا ہے
کہ نیشنل کانفرنس کے آج کے جلسے کو ٹھیک ٹھاک ڈھنگ سے دکھایا جائے۔ اپوزیشن
کی جمہوریت میں زبردست اہمیت ہوتی ہے۔ سرکاری میڈیا میں کام کرتے ہوئے
پچھلے 25 سال میں کسی وزیر اعلیٰ کا حزبِ اختلاف کے جلسہ کو اچھی طرح ہائی لائٹ
کرنے کی بات کہنے کا یہ واحد واقعہ ہے۔ اس تعلق سے مفتی صاحب کے ساتھ جُڑی
یک اور خوشگوار یاد جنوری 2004ء کی ہے۔ پی ڈی پی نے یکم جنوری 2004ء کو
سرینگر کے شیر کشمیر پارک میں ایک پیس (Peace) ریلی کا انعقاد کیا۔ پارٹی کے
حامی اس ریلی میں بڑی تعداد میں شامل ہوئے۔ مفتی صاحب اور دیگر مقررین نے
بھارت پاک مذاکراتی عمل کو آگے بڑھانے اور سری نگر اور مظفر آباد کے درمیان آر
پار بس سروس اور تجارت شروع کرنے پر زور دیا۔ میں نے اس ریلی اور اُس وقت
کے سیاسی حالات پر ریلی کی جگہ سے اپنے سائن آف (Sign off) کے ساتھ
دوردرشن نیوز چینل کو ایک رپورٹ بھیجی۔ یہ رپورٹ اس چینل پر اگلے چوبیس گھنٹوں
کے دوران ہندی اور انگریزی کے تمام بلٹنوں میں شامل رہی۔ 2 جنوری کو چلۂ
کلان کی سخت سردی میں، میں گھر سے دفتر کی طرف روانگی کی تیاری میں مصروف تھا
کہ گھر کے فون پر کال آیا۔ کال کرنے والے نے کہا ہم سی ایم دفتر سے بول رہے
ہیں۔ مجھے خدشہ ہوا یا تو ہمارے دن کے کسی بلٹن میں کوئی بڑی غلطی رہی ہوگی یا پھر
کوئی اہم اعلان ہونے والا ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی کال کرنے والے نے کہا لیجئے سی ایم
صاحب کے ساتھ بات کیجئے۔ میری حیرانی کچھ اور بڑھی اور میں نے سلام عرض
کیا۔ مفتی صاحب بولے۔ کیسے ہیں آپ۔ پیس ریلی پہ آپ کی رپورٹ دیکھی

بہت خوب، Keep it up, Congratulations۔ میں نے شکریہ ادا کیا اور فون رکھ دیا لیکن اندر ہی اندر میں بے حد خوش ہو رہا تھا اور مفتی صاحب کے تئیں میرا احترام دوبالا ہو رہا تھا کیونکہ عام طور پر وزرائے اعلیٰ سرکاری میڈیا میں کام کرنے والوں سے بہت کم ہم کلام ہوتے ہیں اور اُن کے کارندے عام طور پر دباؤ سے ہی کام لیتے ہیں لیکن مفتی صاحب سچ مچ بے حد منفرد تھے۔ 2005ء سے 2015ء تک مفتی صاحب کسی بڑے عہدے پر فائز نہیں رہے اور میڈیا سے بھی کم کم ہی ملے لیکن انفرادی طور پر دو ایک بار غیر رسمی ملاقات کے لئے انہوں نے یاد کیا اور ریاست کے حالات و واقعات پر مجھ سے کچھ بات چیت کی۔ 2015ء میں بی جے پی کے ساتھ مخلوط حکومت کے وزیر اعلیٰ کے طور پر جب انہوں نے عہدہ سنبھالا تو اُن کی صحت پہلے سے کافی کمزور اور ناساز تھی پھر بھی دس ماہ کے عرصے میں انہوں نے 3 بار وادی کے تقریباً سارے ہی میڈیا کو کھانے کی دعوت دی اور اُن سے غیر رسمی بات چیت بھی کی۔ نہرو گیسٹ ہاوس میں ہوئی اس طرح کی ایک ملاقات کے دوران جب روزنامہ چٹان کے مدیر طاہر محی الدّین نے سرکار کی اخباروں کے تئیں اشتہارات دینے کی پالیسی پر اعتراض جتاتے ہوئے یہ کہنے کی کوشش کی کہ سرکار کو اخباروں کے معیار کو بھی اس تعلق سے ملحوظ رکھنا چاہئے تو مفتی صاحب نے اپنے فوری جواب سے سب کو حیران کر دیا۔ ''طاہر! آپ کا چٹان جب ہفت روزہ تھا تو بہت اچھا تھا۔ میں بھی انتظار میں رہتا تھا۔ مرحوم شمیم نے بھی آئینہ کو ہفت روزہ سے روزنامہ بنا کر غلطی کی تھی اور ویسا ہی آپ نے بھی کیا''۔ نشست میں موجود سب صحافیوں کے چہروں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ میرے ساتھ بیٹھے میرے ساتھی نے کہا، ''یہ چھُہ پُور کاڑیو'' (''یہ پوری طرح سے ہوشیار مغز ہیں'')۔ بدقسمتی سے اس

والے نے مجھے ہولڈ کرنے کو کہا اور کچھ دیر بعد انہوں نے کہا کہ مفتی صاحب بے حد مشکور ہیں کہ آپ اُن کو بہت اچھے انداز سے کور کررہے ہیں اور ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ نیشنل کانفرنس کے آج کے جلسے کو ٹھیک ٹھاک ڈھنگ سے دکھایا جائے۔ اپوزیشن کی جمہوریت میں زبردست اہمیت ہوتی ہے۔ سرکاری میڈیا میں کام کرتے ہوئے پچھلے 25 سال میں کسی وزیر اعلیٰ کا حزبِ اختلاف کے جلسہ کو اچھی طرح ہائی لائٹ کرنے کی بات کہنے کا یہ واحد واقعہ ہے۔ اس تعلق سے مفتی صاحب کے ساتھ جُڑی ایک اور خوشگوار یاد جنوری 2004ء کی ہے۔ پی ڈی پی نے یکم جنوری 2004ء کو سرینگر کے شیر کشمیر پارک میں ایک پیس (Peace) ریلی کا انعقاد کیا۔ پارٹی کے حامی اس ریلی میں بڑی تعداد میں شامل ہوئے۔ مفتی صاحب اور دیگر مقررین نے بھارت پاک مذاکراتی عمل کو آگے بڑھانے اور سری نگر اور مظفر آباد کے درمیان آر پار بس سروس اور تجارت شروع کرنے پر زور دیا۔ میں نے اس ریلی اور اُس وقت کے سیاسی حالات پر ریلی کی جگہ سے اپنے سائن آف (Sign off) کے ساتھ دوردرشن نیوز چینل کو ایک رپورٹ بھیجی۔ یہ رپورٹ اس چینل پر اگلے چوبیس گھنٹوں کے دوران ہندی اور انگریزی کے تمام بلٹنوں میں شامل رہی۔ 2 جنوری کو چلۂ کلان کی سخت سردی میں، میں گھر سے دفتر کی طرف روانگی کی تیاری میں مصروف تھا کہ گھر کے فون پر کال آیا۔ کال کرنے والے نے کہا ہم سی ایم دفتر سے بول رہے ہیں۔ مجھے خدشہ ہوا یا تو ہمارے دن کے کسی بلٹن میں کوئی بڑی غلطی رہی ہوگی یا پھر اہم اعلان ہونے والا ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی کال کرنے والے نے کہا لیجیے سی ایم صاحب کے ساتھ بات کیجیے۔ میری حیرانی کچھ اور بڑھی اور میں نے سلام عرض کیا۔ مفتی صاحب بولے۔ کیسے ہیں آپ۔ پیس ریلی پر آپ کی رپورٹ دیکھی۔

بہت خوب، Keep it up, Congratulations۔ میں نے شکریہ ادا کیا اور فون رکھ دیا لیکن اندر ہی اندر میں بے حد خوش ہو رہا تھا اور مفتی صاحب کے تئیں میرا احترام دوبالا ہو رہا تھا کیونکہ عام طور پر وزرائے اعلیٰ سرکاری میڈیا میں کام کرنے والوں سے بہت کم ہم کلام ہوتے ہیں اور اُن کے کارندے عام طور پر دباؤ سے ہی کام لیتے ہیں لیکن مفتی صاحب سچ مچ بے حد منفرد تھے۔ 2005ء سے 2015ء تک مفتی صاحب کسی بڑے عہدے پر فائز نہیں رہے اور میڈیا سے بھی کم کم ہی ملے لیکن انفرادی طور پر دو ایک بار غیر رسمی ملاقات کے لئے انہوں نے یاد کیا اور ریاست کے حالات وواقعات پر مجھ سے کچھ بات چیت کی۔ 2015ء میں بی جے پی کے ساتھ مخلوط حکومت کے وزیر اعلیٰ کے طور پر جب انہوں نے عہدہ سنبھالا تو اُن کی صحت پہلے سے کافی کمزور اور ناساز تھی پھر بھی دس ماہ کے عرصے میں انہوں نے 3 بار وادی کے تقریباً سارے ہی میڈیا کو کھانے کی دعوت دی اور اُن سے غیر رسمی بات چیت بھی کی۔ نہرو گیسٹ ہاؤس میں ہوئی اس طرح کی ایک ملاقات کے دوران جب روزنامہ چٹان کے مدیر طاہر محی الدّین نے سرکار کی اخباروں کے تئیں اشتہارات دینے کی پالیسی پر اعتراض جتاتے ہوئے یہ کہنے کی کوشش کی کہ سرکار کو اخباروں کے معیار کو بھی اس تعلق سے ملحوظ رکھنا چاہئے تو مفتی صاحب نے اپنے فوری جواب سے سب کو حیران کر دیا۔ ''طاہر! آپ کا چٹان جب ہفت روزہ تھا تو بہت اچھا تھا۔ میں بھی انتظار میں رہتا تھا۔ مرحوم شمیم نے بھی آئینہ کو ہفت روزہ سے روزنامہ بنا کر غلطی کی تھی اور ویسا ہی آپ نے بھی کیا''۔ نشست میں موجود سب صحافیوں کے چہروں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ میرے ساتھ بیٹھے میرے ساتھی نے کہا، ''یہ چھُہ پوٗر کاڑٕو'' (''یہ پوری طرح سے ہوشیار مغز ہیں'')۔ بدقسمتی سے اس

ملاقات کے بعد مفتی صاحب کے ساتھ دو ایک بار سرکاری تقریبات کے دوران سرسری علیک سلیک ہی ہوئی۔ اُن کی صحت بگڑتی گئی اور بالآخر وہ داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ مگر سیاست بلکہ پوری پبلک زندگی میں اُن کا انتہائی سنجیدہ اور شائستہ طرزِ عمل میری دانست میں سیاست میں سرگرم تمام اصحاب کیلئے قابلِ تقلید ہے۔
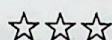
☆☆☆

☆☆☆

☆......ڈاکٹر شمس کمال انجم

آہ! مفتی محمد سعید
نگہ بُلند سخن دلنواز، جاں پُرسوز

مفتی محمد سعید صاحب قومی سیاست میں آفتاب بن کر اس وقت درخشاں ہوئے جب ۱۹۸۹ء میں وی پی سنگھ نے انہیں اپنی حکومت میں ہندوستان کا وزیر داخلہ بنایا۔ میں اس وقت سولہ سترہ سال کی عمر میں تھا اور شعور کی منزلوں پر قدم رکھ رہا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے اس وقت ہندوستان کے مسلم اکثریتی علاقوں میں وی پی سنگھ اور ان کے جنتا دل کی لہر چلی ہوئی تھی۔ بچہ بچہ اس لہر میں پورے جوش وخروش کے ساتھ شامل تھا۔ ایک پبلک میٹنگ میں وی پی سنگھ کو میں نے بھی بچشم خود بہت قریب سے دیکھا تھا اور ان کی تقریر سنی تھی۔ الیکشن کے بعد جب وہ وزیر اعظم ہوئے تو انہوں نے کشمیر سے تعلق رکھنے والے سیاست داں مفتی محمد سعید کو ملک کی وزارت داخلہ کا قلمدان سونپ کر سب کو حیرت زدہ کردیا تھا۔ یہ نام میں نے بھی پہلی بار سنا تھا مگر سنتے ہی اس نام کے ساتھ ایک عجیب سی انسیت پیدا ہوگئی تھی کیونکہ اس نام کے ساتھ 'مفتی' لفظ کا سابقہ لگا ہوا تھا اور جس سے ہم نے یہ سمجھا کہ شاید اس نام کی جو

شخصیت ہے اس کا افتاء وفتاوی سے کوئی تعلق ہوگا۔اس وقت نہ گوگل کا زمانہ تھا نہ انٹرنیٹ وغیرہ کی سہولت کہ کسی بھی چیز کی تحقیق اور دریافت کی جاسکے۔بات آئی اور چلی گئی۔وی پی سنگھ کی حکومت بھی گیارہ مہینوں کے بعد سکوت کا شکار ہوگئی اور میں سعودی عرب چلا گیا۔مدینہ منورہ کی اسلامک یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہوگیا۔یہ غالبا ۱۹۹۴ء کی بات ہے۔میں اپنے دوتین ساتھیوں کے ہمراہ مسجد نبوی میں مغرب کی نماز کی ادائیگی کے بعد کسی ضرورت کے تحت مارکیٹ جارہا تھا۔مسجد نبویؐ کے شمالی دوازے باب ملک فہد کے سامنے مگر تھوڑا مشرق میں اوبیرای ہوٹل واقع تھا۔ہوٹل کے سامنے سے ہم لوگ گزر رہے تھے۔سامنے سوٹ بوٹ زیب تن کیے ہوئے ایک صاحب پر نظر پڑی۔قریب پہنچے تو پہچاننے میں دقت نہیں ہوئی کہ موصوف وہی مفتی محمد سعید ہیں جو کچھ دنوں قبل ہندوستان کے وزیر داخلہ کے عہدے پر فائز تھے۔علیک سلیک ہوا۔تعارف کرایا کہ ہم لوگ بھی ہندوستان سے ہیں یہاں یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں۔بڑی خوش مزاجی سے ملے اور بہت خوش ہوئے۔مجھے اچھی طرح یاد ہے اوپر اپنے کمرے میں لے گئے تھوڑی سی ہلکی پھلکی ضیافت کی اور ہم لوگ رخصت ہوگئے۔مفتی صاحب اس وقت محمد افضل (موجودہ کانگریس ترجمان) اور سید شہاب الدین کے ساتھ ایک وفد کی شکل میں عمرہ کی غرض سے گئے تھے۔ہفت روزہ اخبار نو،لس میں بڑے بھائی سہیل انجم کام کرچکے تھے، کی وجہ سے اس کے مدیر اعلی محمد افضل سے تعارف تھا اور بابری مسجد ایکشن کمیٹی کی وجہ سے سید شہاب الدین اس وقت پورے ملک میں جانے اور پہچانے جاچکے تھے۔حج منزل میں ان دونوں صاحبان سے بھی ملاقات ہوئی۔یہاں پہلی مرتبہ مفتی صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔اس وقت یہ واقعہ نہاں خانۂ ذہن کے کسی گوشے میں پنہاں

ہو گیا۔ ۲۰۰۶ء میں جب بابا غلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی میں بحیثیت اُستاد میری تقرری عمل میں آئی تو ایک بار پھر مفتی صاحب کا نام سامنے آیا اور وہ تمام یادیں یادداشت کی زنبیل سے باہر جھانکنے لگیں۔ اس وقت مفتی صاحب وزیر اعلیٰ کی تین سال کی مدت پوری کر چکے تھے اور آزاد صاحب ریاست کے وزیر اعلیٰ اور یونیورسٹی کے چانسلر کے عہدے پر فائز تھے۔ مفتی صاحب نے دسمبر ۲۰۰۲ء میں اس یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھا اور اگست ۲۰۰۵ء میں اس میں تعلیم کا آغاز ہوا۔

مفتی صاحب کو اس یونیورسٹی سے بڑا والہانہ لگاؤ اور قلبی وابستگی تھی۔ میں جب یہاں آیا تو میں نے ساتھیوں سے بارہا یہ سنا کہ وزیر اعلیٰ رہتے ہوئے مفتی صاحب کا ہیلی کاپٹر کبھی بھی یونیورسٹی ہیلی پیڈ پر بغیر کسی سابقہ خبر کے لینڈ کر جایا کرتا تھا اور وہ کلاسوں میں جا جا کر بچوں سے سوالات کرتے تھے۔ ایک ایک چیز کا معائنہ کرتے تھے۔ ساتھیوں نے کئی مرتبہ ذکر کیا کہ ایک پروگرام میں مسعود صاحب نے اگلی صف میں بیٹھے ہوئے اسسٹنٹ رجسٹراروں کا تعارف کرایا تو مفتی صاحب نے کہا وہ تو ٹھیک ہے۔ آپ کے ٹیچر کہاں ہیں؟ اتنا واضح وژن تھا ان کا۔ انہیں پتہ تھا کہ یونیورسٹیاں انتظامیہ کے بڑے بڑے افسروں سے نہیں اساتذہ کی قابلیت وصلاحیت سے چلا کرتی ہیں۔ اس کے بعد مسعود صاحب نے پیچھے بیٹھے ہوئے اساتذہ کا تعارف کرایا۔ اسی طرح ایم اے عربی کی کلاس میں داخل ہوئے تو پوچھا بھئی سبعہ معلقہ پڑھایا جاتا ہے؟۔ وہ عرب ورلڈ مضمون میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم اے بھی تھے۔ عربی مضمون بھی شامل نصاب تھا۔ اس لیے عربی کی بھی معلومات تھی۔ ابھی وہ یہی بات کر رہے تھے کہ کیا پڑھایا جاتا ہے کیا نہیں۔ نصاب کیا ہے کیسا ہے کہ ایک طالب علم نے یکلخت بول دیا۔ سر! ہمارے پاس کتاب نہیں

ہے۔ مفتی صاحب نے بڑی بڑی آنکھوں سے اپنے خاص لہجے میں شیخ الجامعہ مسعود چودھری صاحب کی طرف دیکھا اور گرج دار آواز میں بولے ''مسعود کیا بات ہے کتاب نہیں ملی؟'' مسعود صاحب نے عربی کے سب سے سینئر استاد کی طرف اسی لہجے میں پوچھا ''عبید کیا بات ہے کتابوں کا کیا ہوا'' عبید صاحب نے کہا دہلی سے چل چکی ہیں بس آتی ہوں گی اور پھر بات بن گئی۔ اس حد تک لگاؤ تھا مفتی صاحب کو اس یونیورسٹی سے اور اس کے طلبہ سے۔ تین سال کی مدت پوری کرنے کے بعد غلام نبی آزاد صاحب ریاست کے وزیر اعلیٰ اور اس یونیورسٹی کے چانسلر بن گئے۔ آزاد صاحب بھی ہر موقع ومناسبت پر یونیورسٹی میں قدم رنجا فرما ہوتے تھے۔ آزاد صاحب کے زمانے میں مفتی صاحب صرف ایک مرتبہ اور وہ بھی بذریعہ روڈ یونیورسٹی تشریف لائے۔ ۱۶ یا ۱۷ دسمبر ۲۰۰۸ء تاریخ تھی۔ پروفیسر واحد صدیق وائس چانسلر اسلامک یونیورسٹی اونتی پورہ ان کے ہمراہ تھے۔ بانی شیخ الجامعۃ مسعود چودھری صاحب نے یونیورسٹی کے کانفرنس ہال میں ایک پروگرام منعقد کرایا۔ اسٹیج پر ایک طرف واحد صاحب تشریف رکھتے تھے اور دوسری طرف مسعود صاحب اور درمیان میں مفتی صاحب خود۔ تینوں صاحبان نے باری باری اپنے تاثرات کا بھی اظہار کیا۔ مسعود صاحب کی فرمائش پر میں نے اس وقت یونیورسٹی کے حوالے سے ایک نظم لکھی تھی جس کا عنوان تھا ''یہ اقرا باسم کی تفسیر ہے کیا''۔ مسعود صاحب کے حکم پر میں نے اس دن بھی یہ نظم پروگرام میں پیش کی۔ پروگرام کے بعد ایک صاحب میرے پاس تشریف لائے اور اس نظم کا ایک نسخہ مانگا۔ اب یہ اچھی طرح یاد نہیں کہ مفتی صاحب نے خود وہ نظم منگوائی تھی یا واحد صاحب نے، بہر حال دونوں میں سے کوئی ایک صاحب اس نظم کا ایک نسخہ اپنے ساتھ لے گئے۔ اس دورے کے بعد مفتی

صاحب گزشتہ دنوں پروفیسر ارشاد حمال صاحب کے زمانے میں اس وقت تشریف لائے جب انہوں نے دوسری مرتبہ وزیراعلی کا چارج سنبھالا تھا۔اس وقت یونیورسٹی نازک دور سے گزر رہی تھی۔لوگوں کو امید تھی کہ مفتی صاحب یونیورسٹی انتظامیہ کی سخت سرزنش کریں گے۔ان کے ساتھ سختی سے پیش آئیں گے۔مگر انہوں نے یونیورسٹی اور وائس چانسلر کی تعریف کر کے سب کو ششدر کر دیا۔بحیثیت چانسلر ان کو کرنا بھی یہی تھا۔کہ ان کے کسی ایک منفی تاثر سے یونیورسٹی کی بنیادیں لرز جاتیں۔ مگر یہاں بھی ان کے وژن نے انہیں ثابت قدم رکھا۔

مفتی صاحب نے اس یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھا تو انھوں نے مسعود چودھری کو بحیثیت شیخ الجامعہ اس یونیورسٹی کو بنانے اور چلانے کی ذمہ داری سونپ کر سب کو حیران اور ششدر کر دیا تھا۔مگر بانی شیخ الجامعۃ کی حیثیت سے انہوں نے حقیقتاً پہاڑوں کو کاٹ کر فرہادِ جنون کے ساتھ جنگل میں منگل کی تصویر پیش کر دی تھی۔گزشتہ دنوں جب پروفیسر حمال صاحب بحیثیت وائس چانسلر اپنی مدت پوری کرنے والے تھے اور نئے وائس چانسلر کی تلاش جاری تھی تو مفتی صاحب نے تمام ناموں کو درکنار کرتے ہوئے گلستان سرسید کے گل سرسبد، پروفیسر جاوید مسرت کو اس یونیورسٹی کا وائس چانسلر بنا کر پوری بی جی ایس بی یو برادری کو مسرت آمیز حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔جس طرح مفتی صاحب نے اپنی بلند نگاہی اور دور بینی سے بانی شیخ الجامعہ مسعود چودھری کا انتخاب کیا تھا اسی طرح پروفیسر جاوید مسرت کا انتخاب کر کے جیسے انہوں نے اس یونیورسٹی کو آب حیات پلا دیا۔پروفیسر جاوید مسرت نے ۲۹/ اکتوبر ۲۰۱۵ء کو چارج سنبھالا اور ۲/ نومبر کو مفتی صاحب نے یونیورسٹی کا دورہ کیا۔ایک ایک شعبے میں جا جا کر طلبہ سے ملاقاتیں کیں۔شعبۂ عربی

میں بھی ان کے آنے کا پروگرام تھا۔ سیکورٹی والوں نے ہمیں بتایا کہ صحت کے پیش نظر مفتی صاحب آپ کے شعبے میں نہیں آئیں گے البتہ شعبۂ مینجمنٹ کے سامنے وہ شعبے کے اساتذہ وطلبہ سے ملاقات کریں گے۔ یہاں آتے ہی سب سے پہلے انہوں نے عربی شعبے کے اساتذہ اور طلبہ سے ملاقات کی۔ ہم لوگ ایک طرف کھڑے تھے۔ وہ ہم لوگوں کی طرف لپکے اور کہنے لگے مجھے عربی زبان، عربی شعبے اور عربی والوں سے بڑی محبت اور لگاؤ ہے۔ ہم نے درخواست کی کہ شعبے میں تشریف لے چلیں تو فرمایا کہ میں سیڑھیاں نہیں چڑھ پاؤں گا مگر وعدہ کرتا ہوں اگلی بار ضرور آپ کے شعبے میں آؤں گا۔ انہوں نے پوچھا کہ ہمارے یہاں عربی میں زیر تعلیم طلبہ وطالبات کس حد تک عربی سیکھنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ انہوں نے سوال کیا کہ عربی زبان سکھانے کے لیے خاص طور سے عربی بول چال کے لیے آپ لوگ کیا کرتے ہیں؟ مفتی صاحب کا یہ دورہ خاصہ معنی خیز اور کامیاب رہا۔ انہوں نے اس دورے سے گویا یہ تاثر دینا چاہا تھا کہ میں پروفیسر جاوید مسرت کے شانہ بشانہ کھڑا ہوں۔ بھلے وہ ریاست سے تعلق نہیں رکھتے مگر میں ان کے ساتھ ہوں۔ دامے درمے قدمے سخنے میرا تعاون ان کو حاصل رہے گا اور پھر اس کے بعد انہوں نے ہمارے نئے وائس چانسلر پر وہ اعتماد اور بھروسہ جتایا جو بے مثال ہے۔ مسرت صاحب نے بڑی دانش مندانہ سوجھ بوجھ، نئی اسپرٹ اور نئے جوش وجذبے کے ساتھ کام شروع کیا اور اس طرح کام کیا جیسے کہ ایک دو ماہ میں برسوں کا کام ہو گیا ہو۔ تمام بی جی ایس بی یو برادری، خطۂ پیر پنجال کے عوام نے مسرت صاحب کے انتخاب میں مفتی صاحب کی بالغ نظری کو سلام کیا اور ان کے اس فیصلے پر اپنی رضامندی اور دلی خوشی کا اظہار کیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مفتی صاحب کا سانحۂ ارتحال اس یونیورسٹی کے لیے ایسا عظیم خسارہ ہے جس کی تلافی شاید ہی ممکن ہو۔ وائس چانسلر پروفیسر جاوید مسرت نے اپنے تعزیتی خطاب میں فرمایا کہ مفتی صاحب نے میرے تقرر سے قبل مجھے دہلی میں ملاقات کے لیے بلایا اور بے انتہا عزت سے پیش آئے۔ انہوں نے اس یونیورسٹی کی وائس چانسلری کا قرعۂ فال میرے نام نکالتے ہوئے مجھے بہر صورت اس ذمے داری کو قبول کرنے کے لیے کہا۔ وائس چانسلر صاحب نے فرمایا کہ مفتی صاحب اس یونیورسٹی کے لیے بڑے جذباتی تھے اور تمام مشکلات کے پہاڑ کو عبور کرتے ہوئے وہ اس دانش گاہ کو عظیم دانش گاہ بنانے کے متمنی تھے۔ ان کا انتقال پوری بی جی ایس بی یو برادری کے لیے ذاتی خسارے سے کم نہیں۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور اس یونیورسٹی کو ان کا نعم البدل عطا کرے۔ آمین

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

☆......ڈاکٹر جاوید راہی

گوجروں کا دُور اندیش محسن

گوجر، جو کہ جموں وکشمیر کا ایک خاص قبائلی طبقہ ہے، ریاست کی آبادی کے ایک اچھے خاصے حصے پر مشتمل ہے۔اس طبقے نے معنی خیز انداز میں اپنی صدیوں پرانی اصل روایات کو برقرار رکھا ہے۔ایک قبیلے کی حیثیت سے یہ طبقہ آج بھی اپنی بستیاں بسانے اور اپنی خاص تہذیب، وراثت اور خانہ بدوش طرز زندگی کے تحفظ کے لئے اور منفرد مقامات کا انتخاب کرتا ہے۔

مہاجرانہ طرز عمل کے نتیجے میں اس طبقے کو روز مرہ کی زندگی میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس طبقے کو درپیش مسائل و مشکلات کی نوعیت بالکل الگ اور جداگانہ ہے، بہ نسبت ان لوگوں کے مسائل کے جو معمول کی زندگی گزارتے ہیں۔وقتاً فوقتاً پیش آنے والی ان مشکلات کا ازالہ کرنے کی خاطر اعلیٰ سطح پر کچھ جرات مندانہ فیصلے لینے کی ضرورت پڑتی ہے۔

دل اور دماغ سے خلوص والے گوجر (جن میں بکر وال بھی شامل ہیں)، آج بھی اپنے طبقے میں بڑے بڑے رہنماوں کو یاد کرتے ہیں، جنہوں نے ہمدردی

کے جذبے کے ساتھ ان کے قبیلے کی بہبودی اور بہتری کے لئے کام کیا ہے۔ ملک کی سابق وزیراعظم اندرا گاندھی، ریاست کے سابق وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ کی اہلیہ بیگم اکبر جہاں، اور مفتی محمد سعید ایسے تین قد آور غیر گوجر لیڈر تھے جنہوں نے اپنی دور اندیشی، عمل اور حکمت عملی سے خانہ بدوش گوجر طبقے کے لوگوں کے دلوں میں اپنا ایک خاص اور منفرد مقام بنایا ہے۔

ریاست کے سرحدی اور پہاڑی علاقوں میں رہنے والے پسماندہ طبقوں خصوصاً گوجر طبقے کیلئے مفتی محمد سعید ایک حقیقی دوراندیش لیڈر تھے جنہوں نے جموں وکشمیر کے وزیراعلیٰ کی حیثیت سے اپنے مختصر عرصہ میں انہیں ان گنت مواقع مہیا کئے جنہوں نے پچھلے چند برسوں کے دوران ان کی اقتصادی، سماجی اور تعلیمی ترقی میں ایک نمایاں کردار ادا کیا۔ اس تصویر کے چند پہلو کچھ اس طرح ہیں:۔

ا۔ بابا غلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی کا قیام

جموں وکشمیر کے وزیراعلیٰ کی حیثیت سے پہلی معیاد کے دوران انہوں نے بابا غلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی کے قیام کی پہل کی اور اس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ پیر پنچال خطے میں یہ پہلی یونیورسٹی راجوری کے گوجر آبادی والے دھنیور دیہات میں قائم کی گئی ہے۔ انہوں نے پولیس محکمہ سے اے ڈی جی کے عہدے سے سبکدوش ہوئے ایک گوجر آئی پی آفیسر، مسعود چودھری کو اس یونورسٹی کا پہلا رئیس الجامعہ منتخب کیا، جنہوں نے بعد میں مفتی صاحب کی رہبری میں اپنی محنت شاقہ سے اس ادارے کو کامیابی کی بلندیوں تک پہنچایا۔

اپنے قیام کے روز اول سے ہی بابا غلام شاہ بادشاہ یونورسٹی نے تمام طبقوں بشمول گوجر اور راجوری و پونچھ اضلاع میں رہنے والے دیگر پسماندہ طبقوں کی

تعلیمی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ یونیورسٹی کو شاہدرہ شریف کے بلند پایہ صوفی بزرگ، بابا غلام شاہ بادشاہ رحمتہ اللہ علیہ، جو کہ کافی محترم ہیں، کے اسم مبارک کے ساتھ منسوب کیا گیا۔ یونورسٹی کیمپس پیر پنچال پہاڑی سلسلے کے شمال مغربی دامن میں ریاست کے دارالحکومت، سرینگر سے 180 کلومیٹر اور جموں سے 154 کلو میٹر کی دوری پر واقع ہے۔ آئین کے مطابق یونیورسٹی کا اصل مقصد معیاری تعلیم فراہم کرانا اور روزگار کے وسائل پیدا کرنے والے مضامین میں تحقیقی سرگرمیاں انجام دینا ہے۔

ب۔　مغل روڈ کی تعمیر

پیر پنچال پہاڑی خطے میں قبائلی مہاجرین کی سڑک کے متوازی، مغل روڈ کی تعمیر خانہ بدوش گوجروں کیلئے مفتی صاحب کا ایک اور تحفہ ہے۔ اس سڑک کی تعمیر سے پہلے چھ ماہی ہجرت کے دوران بلند پہاڑیوں سے آمدورفت کے نتیجے میں مال و جان کا زیاں ہوتا تھا۔ 11500 فٹ کی بلندی پر واقع مغل روڈ جموں خطے کے پونچھ سے کشمیر خطے کے شوپیاں علاقے تک جاتا ہے۔ اس سڑک نے نہ صرف راجوری اور پونچھ اضلاع کو وادئ کشمیر کے شہر سرینگر کو قریب لایا ہے بلکہ وادی اور ان علاقوں میں رہنے والے لوگوں کے درمیان نفسیاتی دوریاں بھی کم ہوئی ہیں۔

ج۔　جموں و کشمیر میں قبائلی امور کی وزارت کا قیام۔

ریاست کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے اپنے دوسرے دور کے دوران 2015ء میں مفتی محمد سعید نے ایک منصوبہ بند طریقے سے سب سے زیادہ پسماندہ طبقے درج قبائل ذاتوں اور دیگر قبائل کی اقتصادی و سماجی ترقی کے ذریعے ان قبائل کو انصاف کی فراہمی یقینی بنانے کیلئے ریاست میں قبائلی امور کی وزارت کا قیام عمل میں
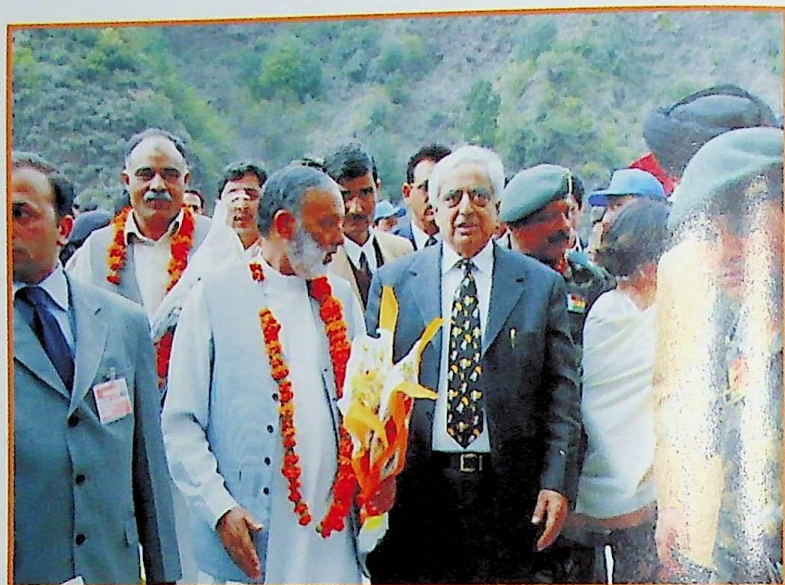
مفتی محمد سعید۔ اوڑی مظفر آباد شاہراہ کھلنے کے بعد اُس پار سے آئے ہوئے مہمانوں کا استقبال

مفتی محمد سعید۔اوڑی مظفرآباد شاہراہ کھلنے کے بعد اُس پار سے آئے ہوئے مہمانوں کے ساتھ تبادلہ خیال
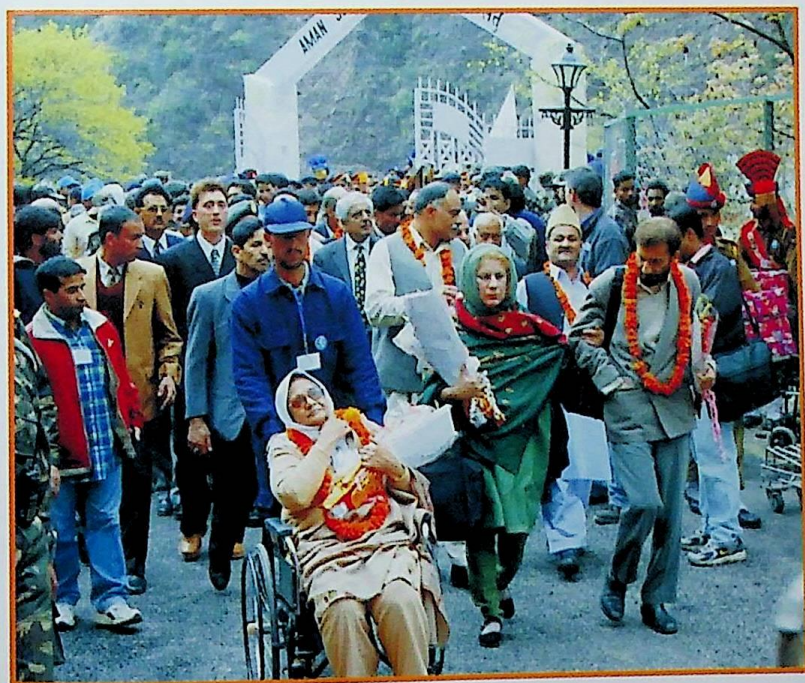
ریاست کے اُس پار سے آئے ہوئے مہمانوں کے ساتھ

عوامی وفود سے ملاقات

جموں ڈیولپمنٹ اتھارٹی کے نئے پروجیکٹوں کا افتتاح

اعلیٰ حکام کے ساتھ ترقیاتی پروجیکٹوں کا جائزہ
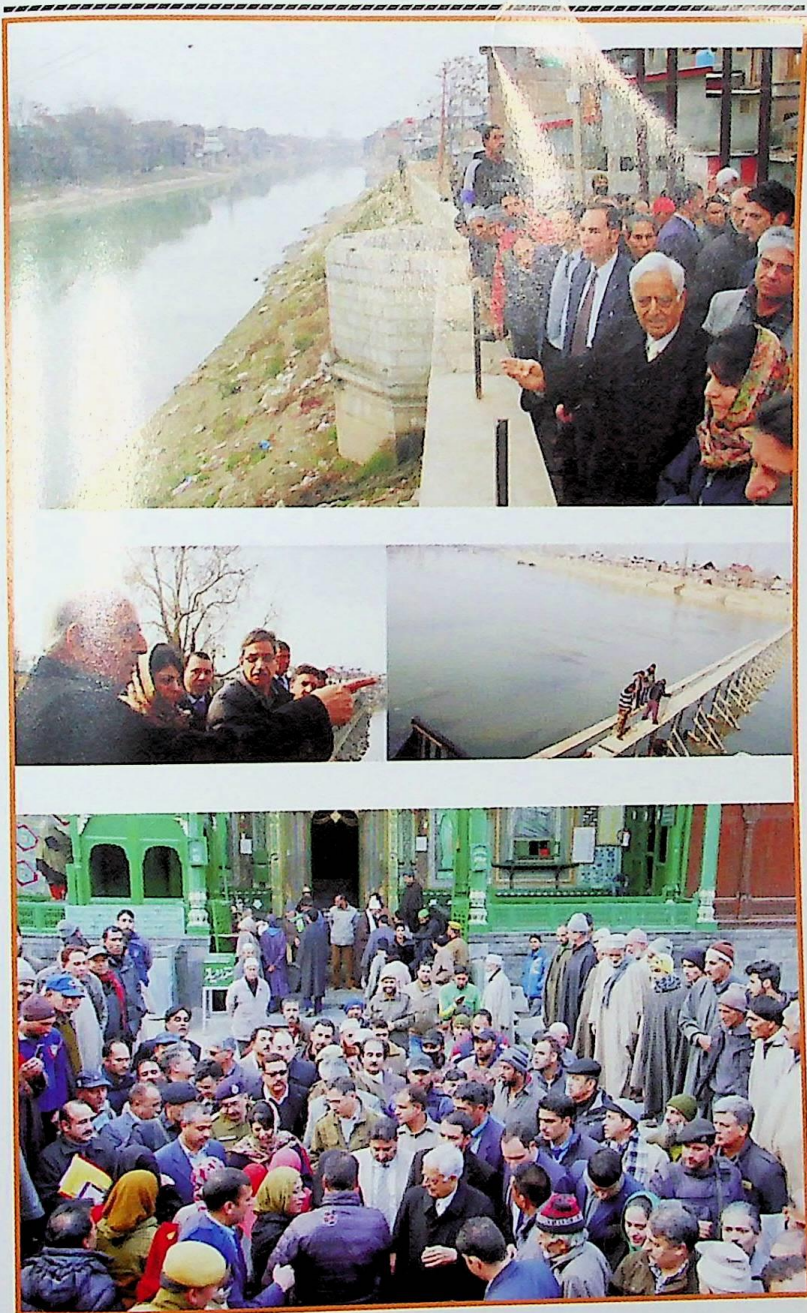
مفتی محمد سعید۔ شہرِ خاص کا دورہ

درگاہ شریف حضرت بل کا دورہ
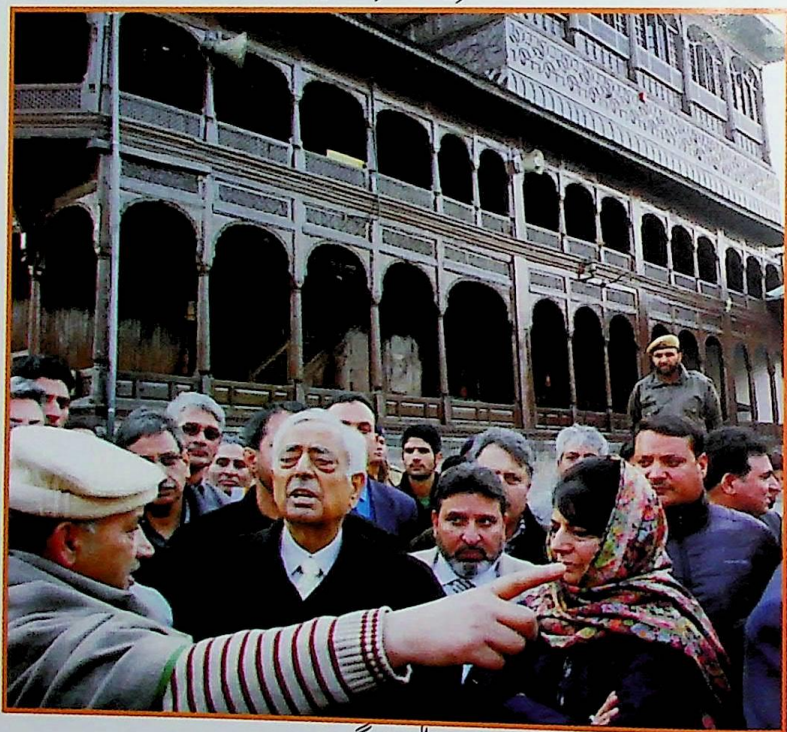
خانقاہ معلیٰ سری نگر کا دورہ

شہرِ خاص کے دورے کے دوران شہریوں کے ساتھ صلاح ومشورے
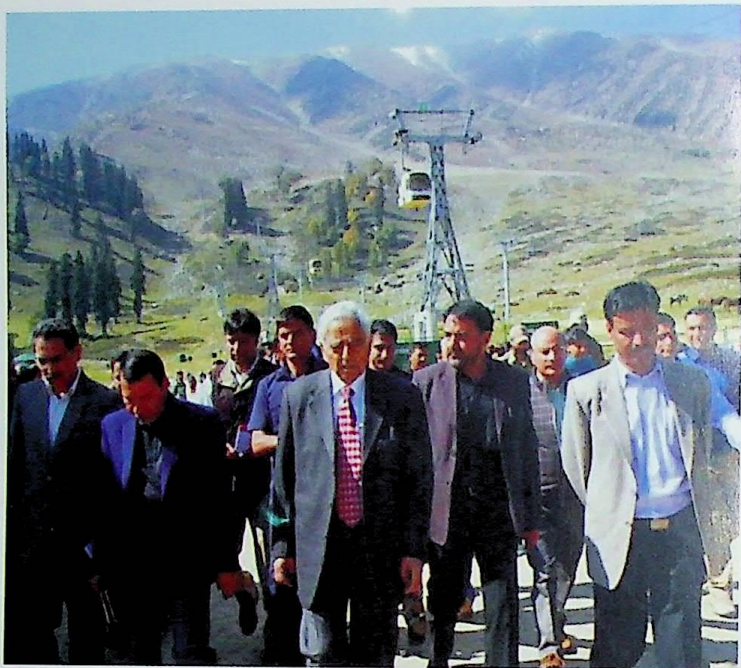
مفتی محمد سعید۔ سیاحتی مقام گلمرگ میں اعلیٰ حکام کے ہمراہ
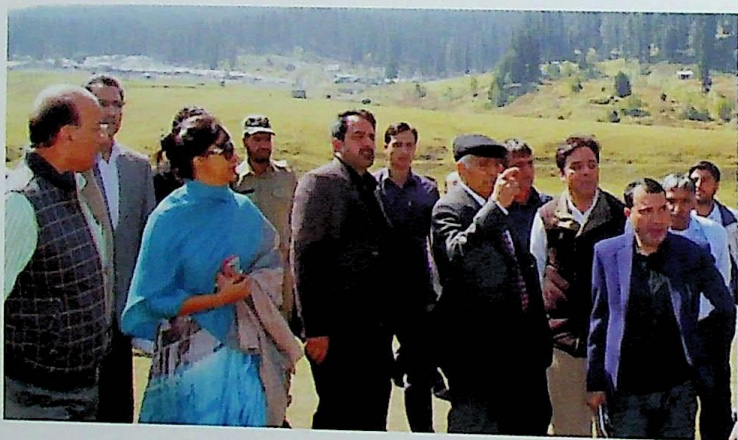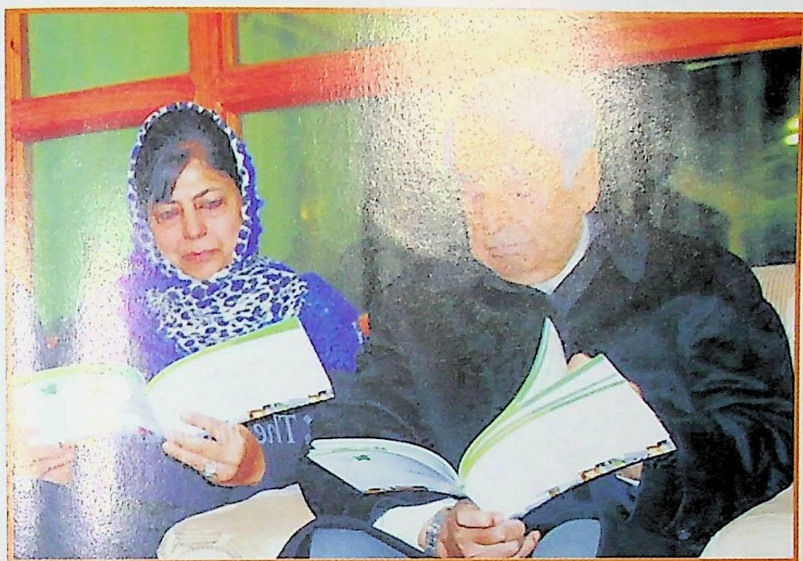
مفتی محمد سعید اور محبوبہ مفتی
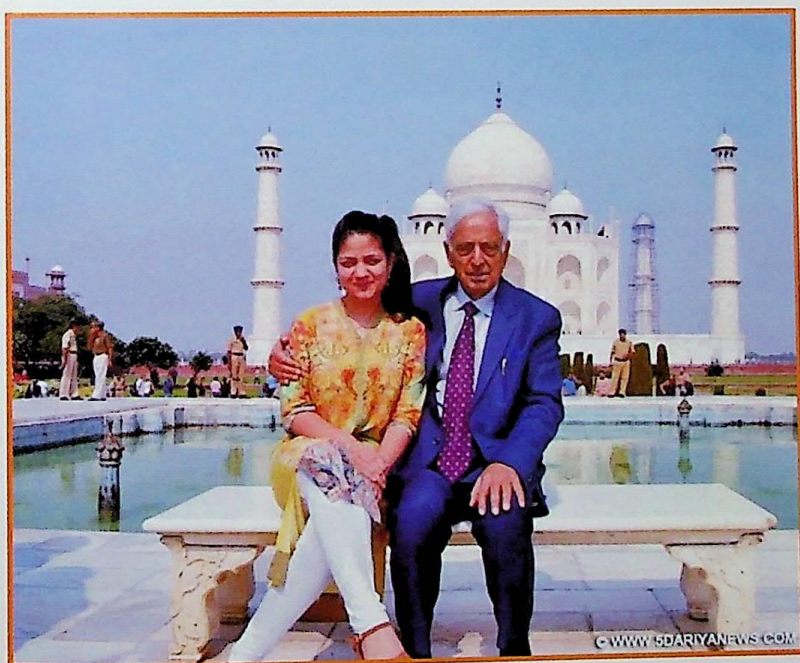
مفتی محمد سعید اپنی پوتی کے ساتھ تاج محل میں

لایا اور اس کو سماجی بہبود کی وزارت سے الگ کر دیا۔ 1991ء میں جب مرکزی حکومت نے گوجر طبقے کو آئین ہند کے تحت درج فہرست قبیلہ قرار دیا، 2015ء میں قبائلی امور کی وزارت کا قیام مفتی صاحب کا ایک تاریخی فیصلہ تھا، کیونکہ یہ فیصلہ درج فہرست قبائل کی مجموعی بہتری کیلئے لیا گیا تھا۔ اس فیصلے سے مفتی صاحب نے کمزور خصوصاً ریاست کے مرکزی قبائلی طبقے، گوجر اور بکروال طبقے کو با اختیار بنانے کے عزم کا اظہار کیا۔ وہ اقتصادی طور کمزور اور سماجی طور پسماندہ طبقوں کو ریاست کی ترقی کے عمل میں شامل کرنے کے خواہاں تھے۔

د۔ قبائلی گوجروں کے تعلیمی نظام میں بہتری۔

اکتوبر 2015ء میں ایس کے آئی سی سی میں گوجر بکروال ترقیاتی بورڈ کی 34ویں میٹنگ کی صدارت کرتے ہوئے مفتی محمد سعید نے کہا کہ گوجر اور بکروال طبقے کی ترقی اور با اختیاری میں تعلیم ایک کلیدی رول ادا کرتی ہے، لہٰذا انہوں نے تجویز دی کہ سرینگر اور جموں میں قائم موجودہ گوجر و بکروال ہوسٹلوں کو محکمہ تعلیم کے ماڈل سکول سکیم کے طرز پر "شاندار اداروں" کے بطور ترقی دی جانی چاہیئے۔ اس کے علاوہ ان کے دور اقتدار کے دوران قبائلی امور کی مرکزی وزارت نے چھاترو ڈوڈہ، کھواس راجوری اور اوڑی بارہ مولہ میں گوجر بکروال طبقے کیلئے تین نئے رہائشی سکولوں کے علاوہ پانچ نئے ہوسٹل عمارتوں کی تعمیر کا فیصلہ لیا۔

ہ۔ سرحدی آبادی میں اعتماد سازی کے اقدامات

گوجر اور بکروال طبقے کی آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ حد متارکہ اور بین الاقوامی سرحد کے نزدیک رہتا ہے جہاں ان کو ملی ٹینسی اور سرحد پار کی گولی باری کا سامنا رہتا ہے۔ اپنے دور اقتدار کے دوران مفتی محمد سعید نے سرحدی علاقوں میں

رہنے والے لوگوں کیلئے اعتماد سازی میں کلیدی رول ادا کیا۔ انہوں نے نہ صرف سرحدوں پر ان کے گھروں کا دورہ کیا بلکہ یونفائیڈ کمانڈ اور ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے حفاظتی ایجنسیوں اور سول انتظامیہ کو سرحدی علاقوں کے لوگوں میں احساس تحفظ پیدا کرنے کی ہدایت دی۔

اس کے علاوہ سرحدوں پر تناؤ کو کم کرنے کیلئے انہوں منقسم خاندانوں کی خاطر سرینگر۔ مظفر آباد اور پونچھ ۔راولاکوٹ بس سروس چلانے کا راستہ بھی ہموار کیا۔ یہاں تک کہ وہ 2015ء میں آر ایس پورہ تحصیل میں سچیت گڑھ سیکٹر کو پنجاب میں امرتسر کی واگہ سرحد (جہاں روزانہ سیکنڑوں سیاح آتے ہیں) کی طرز پر سرحدی سیاحتی مقام کے طور ترقی دینے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ بھارت اور پاکستان کے مابین تجارت کیلئے سچیت گڑھ۔سیالکوٹ شاہراہ کو کھولنا بھی ان کا خواب تھا۔

و۔　خانہ بدوش گوجروں کی باز آبادکاری

خانہ بدوشوں کی باز آبادکاری کے اقدامات کے علاوہ مفتی صاحب نے اپنے دور اقتدار کے دوران ریاست میں خانہ بدوش گوجروں اور ان کے مال مویشیوں کی بلاخلل نقل وحمل کو یقینی بنایا۔ یہ خانہ بدوش بالائی علاقوں خصوصاً پہاڑی علاقوں کا رخ کرتے ہیں جہاں موسم گرما میں ان کے مال مویشیوں کیلئے چارا دستیاب رہتا ہے۔ مفتی صاحب چاہتے تھے کہ گوجر اور بکر وال طبقے میں سماجی بااختیاری اور معاشی ترقی کے ذریعے احساس تحفظ اجاگر ہونا چاہئے۔ ان کی معاشی ترقی کیلئے وہ ڈیری کواپریٹو تحریک شروع کرنے کے نظریے کے حامل تھے۔ ان کا نظریہ تھا کہ مال مویشی کا بیمہ اعتماد سازی کا ایک ایسا جز ہے جو اس طبقے کو اشتراکیت کا احساس دلانے کیلئے اہم ہے۔

ز۔ گوجر طبقے کے لیڈروں کے ساتھ ذاتی مراسم

ان کے ساتھیوں کے علاوہ قبائلوں کے ورکراور سماجی کارکن اور گوجر طبقے کے رہنما مفتی محمد سعید کے بڑے مداح تھے۔وہ گوجر طبقے کی مجموعی ترقی کیلئے اس طبقے میں ہمیشہ کیلئے یاد کئے جاتے رہیں گے۔محترم بزرگ میاں بشیر احمد کے علاوہ قبائلی لیڈر لسانہ پونچھ کے مرحوم چوہدری محمد اسلم، چوہدری محمد شفیع کھٹانہ، مرحوم حاجی بلند خان، درہال راجوری کے مرحوم چوہدری محمد حسین، مرحوم حاجی اسرائیل کھٹانہ ان شخصیات میں شامل ہیں جو اپنے طبقے کی بہبود کیلئے مفتی صاحب کے کافی قریب رہے۔

ح۔ دیگراقدامات

مفتی صاحب کا ماننا تھا کہ علاحدہ قبائلی منصوبے کی ترتیب اور معمول کے منصوبے سے رقومات کو قبائلی منصوبے میں منتقل کرنے سے ریاست میں قبائل کی ترقی کے منصوبے کو ایک نئ جہت ملے گی۔اس کے علاوہ موجودہ گوجر بکروال ہوسٹلوں کو جواہر نوودھیہ دھیالیہ کے طرز پر رہائشی سکولوں میں تبدیل کرنا، گوجری زبان کو آئین ہند کے آٹھویں شیڈول میں شامل کرنا، قبائل کے مثالی دیہات کا قیام، مسکنی اکائیوں کو قائم کرنا، مویشیوں کو مفت ٹیکے لگوانا، خانہ بدوش آبادی کیلئے موبائیل لائیوسٹاک اور طبی مراکز کا قیام، پینے کے پانی کی فراہمی اور گوجر آبادی والے علاقوں کو بہتر سڑک رابطے فراہم کرنا ان کی حکومت کی ترجیحات میں شامل تھا۔

مفتی صاحب کے انتقال پُر ملال سے خانہ بدوش گوجروں نے ایک دُور اندیش محسن کھو دیا ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ: سید مبشر رفاعی)

☆☆☆
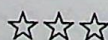
☆......مولانا شوکت حسین کینگ

میری بھی اُن سے تھی شناسائی

جناب مفتی محمد سعید اس جہانِ فانی سے اُٹھ گئے اور ہماری درخشندہ سیاسی تاریخ کا ایک اور اہم باب اختتام پذیر ہوا۔ مرحوم، اننت ناگ کے تاریخی قصبہ بجبہاڑہ کے ایک اعلیٰ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ اِس خاندان کی اپنی منفرد تاریخ ہے۔ آپ کے والدِ نسبتی جناب مولانا غلام مصطفیٰ شاہ ناظمؒ (جو مشہور نعت گو اور روحانی شاعر جناب عبدالاحد ناظمؒ بجبہاڑہ کے نبیرہ تھے) کا نسبی تعلق بھی اسی مفتی خاندان کے ساتھ ہے۔ اسی تاریخی پسِ منظر میں آپ کے بزرگوں نے، جن میں آپ کے برادرِ بزرگ مشہور علمی شخصیت اور مفتی اعظم بجبہاڑہ جناب مفتی محمد عبداللہ صاحب مرحوم و مغفور سرفہرست ہیں، آپ سے یہ اُمید باندھی تھی کہ آپ دینی تعلیم کی تکمیل کے بعد مفتی، مبلّغ اور امام و خطیب کے مناصب پر فائز ہوں گے۔ چنانچہ اِسی نہج پر آپ کی تعلیم و تربیت کی شروعات ہوئیں۔ اپنے خاندان کی بلند پایہ شخصیات سے ابتدائی کتب و رسائل (عربی و فارسی) کے درس کے بعد تکمیل تعلیم کے لئے شہر سرینگر روانہ ہوئے۔ خانقاہِ شیخ الاسلام وازہ پورہ سرینگر میں مطابق دستورِ زمانہ اعلیٰ

مذہبی تعلیم کے حصول کا آغاز کیا۔ مفتی اعظم مولانا مفتی محمد بشیر الدین اور مرحوم جسٹس بہاء الدین فاروقی اِس دورِ درس و تدریس کے ہم درس شخصیات ہیں۔ اورینٹل کالج (زیرِ اہتمام نصرۃ الاسلام) اور مدینۃ العلوم حضرت بل میں اکتسابِ فیض کے ساتھ ساتھ مرّوجہ تعلیم بھی جاری رکھی اور اس میں اعلیٰ استعداد پیدا کر کے بالآخر ایس پی کالج سرینگر سے گریجویشن مکمل کی اور سرینگر سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا رُخ کیا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے رفقاءِ درس میں جناب الحاج شیخ غلام رسول سابق چیف سیکریٹری قابلِ ذکر ہیں۔ یونیورسٹی میں آپ نے ایم اے (عربی) کیا۔ سرینگر کے اساتذہ عربی علوم میں جناب حضرت مولانا عبدالکبیر رینہ (شاگرد سید حضرت علامہ انور شاہ کشمیری) اور حضرت الاستاذ مفسّر قرآن علامہ سید محمد قاسم شاہ بخاریؒ قابلِ ذکر ہیں۔ جب کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اساتذہ کرام شعبہ عربی کی کوئی تفصیل دستیاب نہیں۔ بعد میں آپ نے وہیں ایل ایل بی کی ڈگری کر کے واپس آ کر کشمیر میں میدانِ سیاست میں قدم رکھا اور متوازن سیاسی بیانات سے تہلکہ مچایا۔ یہاں تک کہ خواجہ غلام محمد صادق (سابق چیف منسٹر جے اینڈ کے) آپ کے بیانات سے متاثر ہوئے اور انہوں نے آپ سے ملاقات کر کے آپ کو میدانِ سیاست میں ثابت قدمی کا درس دیا۔ اس سے قبل آپ چند ایام بخشی غلام محمد مرحوم کے ساتھ بھی وابستہ رہے۔ ریاستی اسمبلی کے لئے بارہا منتخب ہوئے اور پارلیمنٹ میں بھی اپنا مقام بنایا۔ ریاست جموں و کشمیر کی حکومت میں متعدد عہدوں پر بحیثیتِ منسٹر کام کرتے رہے۔ مرکزی وزارت میں اولاً وزیر سیاحت مقرر ہوئے اور بعد میں وی پی سنگھ کے دورِ حکومت میں ہوم منسٹر (وزیر داخلہ) کے منصبِ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ آپ آزاد ہندوستان میں اولین مسلمان ہوم منسٹر تھے۔ بعد میں دو دفعہ ریاست کے وزیرِ اعلیٰ

منتخب ہوئے اور انتقالِ پُر ملال کے وقت آپ ریاست کے وزیرِ اعلیٰ تھے۔ اس طرح آپ کی طویل داستانِ حیات اختتام کو پہنچی۔

زمانہ بڑے شوق سے سُن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستان کہتے کہتے

آپ شیخ محمد عبداللہ صاحب مرحوم کے بعد وہ پہلے رہنما تھے جس نے وسیع پیمانے پر شیخ صاحب کی قائم کردہ مقامی سیاسی تنظیم کے مقابلہ میں پی ڈی پی کی بنیاد رکھ کر ایک عظیم کارنامہ انجام دے کر اس پارٹی کا لوہا منوایا۔ میدانِ سیاست میں تادمِ مرگ اتنے سیاسی مراحل طے کرنے کے لئے آپ پر کیا گزری وہ ایک مستقل داستان ہے جو ہماری آئندہ نسل کے لئے مشعلِ راہ ہے کہ محنت و مشقت کے بعد کس طرح کامیابی قدم چوم لیتی ہے۔ اِس مقام پر المیہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی داستانِ حیات قلم بند نہیں کی اور نہ ہی آپ کو وہ موقع ملا۔ ہاں آپ کے ذاتی دستاویزات، ڈائریاں، خطوط اور اربابِ سیاست کے نام ذاتی خطوط کی روشنی میں محترمہ محبوبہ مفتی آپ کی بسیط سوانح حیات لکھ سکتی ہیں۔ بشرطیہ کہ سارا ریکارڈ محفوظ ہو۔

اِس مختصر تمہید کے بعد اب میں اپنے قائم کردہ موضوع پر چند سطور تحریر کرتا ہوں۔ آپ کے ساتھ بالمشافہ ملاقات کی سعادت مجھے اوّلین دفعہ آپ کی سرکاری رہائش گاہ بینکٹ ہال سرینگر میں اُس وقت حاصل ہوئی جب آپ اولین دفعہ وزیرِ اعلیٰ مقرر ہوئے تھے اور بینکٹ ہال میں مذہبی تقریب منعقد ہوئی تھی جس کی صدارت کا قرعہ فال میرے نام نکلا تھا۔ بعد میں جب کیرالہ (ہندوستان) کے مشہور عالم حضرت علامہ ابوبکر الشافعی صدر الشقافتہ السنتہ الہند واردِ کشمیر ہوئے تو محترم ڈاکٹر

غلام قادر علاقہ بند کے ذریعہ دعوت ملی کہ بینکٹ ہال میں موصوف کے استقبالیہ میں شرکت کروں۔ بعد میں چند اور نشستوں کا بھی اس سلسلہ میں انعقاد ہوا جن میں مفتی صاحب مرحوم نے شرکت کا اعزاز بخشا۔ کیونکہ آپ مسلم وقف بورڈ جموں و کشمیر کے سربراہ بھی تھے۔ تین سال کے بعد جناب غلام نبی آزاد وزیر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ انتخابات کے بعد جناب محترم عمر عبداللہ صاحب بحیثیتِ وزیر اعلیٰ برسرِ اقتدار آئے۔ راقم الحروف کو مسلم وقف بورڈ کا ٹرسٹی چن لیا گیا۔ چھ سال کی حکومت کا خاتمہ قیامت خیز سیلاب کے ساتھ ہوا اور انتخابات کے بعد مفتی محمد سعید صاحب دوسری مرتبہ برسرِ اقتدار آ گئے۔

30 جون 2015ء مطابق ۱۲ر رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ (منگل) کو بعد دوپہر وزیر قانون جناب سید بشارت بخاری نے مجھے اطلاع دی کہ مفتی صاحب نے مسلم وقف بورڈ جموں و کشمیر کا نیا بورڈ تشکیل دیا اور آپ بھی ممبر منتخب ہوئے۔

چند ایام کے بعد ۲۲ر رمضان المبارک یکم جولائی کو مفتی صاحب کی صدارت میں بورڑ کی میٹنگ منعقد ہوئی۔ مفتی صاحب سے کئی سال کے بعد بالمشافہ ملاقات میں ان کی شخصیت و خیالات میں کافی فرق پایا۔ صحت کی عمارت میں رخنہ پڑا تھا۔ یاداشت اور سماعت پر بھی قدرے اثر پڑا تھا۔ قوم اور قومی ادارہ جات بالخصوص وقف بورڈ اور اس کے ماتحت ادارہ جات کے لئے زبردست متفکر تھے۔ موصوف کو اندازہ ہو گیا تھا کہ زندگی کا وقفہ اب کم ہے اور کام بہت زیادہ ہے۔ وہ اب کی بار قوم کو کچھ دینے کے متمنی تھے۔ موصوف پارینہ داستان سننے کے موڑ میں نہیں تھے۔ آپ نے مجھ سے استفسار کیا کہ مسلم وقف بورڈ کے زیر اہتمام زیارت گاہوں میں زیادہ نذر و نیاز کی آمدنی کس زیارت سے موصول ہوتی ہے میں نے چند

درگاہوں کے نام گنائے۔آپ نے نفی کردی اور فرمایا زیادہ آمدنی درگاہ حضرت سید حسن منطقیؒ اونتی پورہ کی برلب سڑک درگاہ سے موصول ہوتی ہے۔استدلال کے طور پر فرمایا کہ ایک لمحہ بھی یہاں خالی نہیں رہتا ہے کہ مسافر اپنی گاڑیوں سے اُتر کر یا ٹھہر کر نذ و نیاز ڈال کر آگے بڑھتے ہیں۔

11 ستمبر کو مفتی صاحب نے دوسری میٹنگ نہرو گیسٹ ہاوس چشمہ شاہی میں علی الصبح بُلائی۔ یہ میٹنگ تقریباً دو گھنٹے جاری رہی۔ ۳۱ اکتوبر کو تیسری بورڈ میٹنگ پھر اسی مقام پر بعدِ دوپہر بُلائی۔ حالانکہ اِس سے قبل میں نے عمر عبداللہ صاحب کے دور میں دیکھا کہ وہ سال بھر ایک بورڈ میٹنگ کا انعقاد فرماتے تھے یعنی چھ سال میں ۶ میٹنگوں کا انعقاد۔ دراصل مفتی صاحب نے بھانپ لیا تھا کہ مسلم وقف بورڈ تباہی کے دہانے پر ہے سربراہ حکومت کی مشغولیات کے باوجود وہ اِس ادارہ کے بارے میں زبردست متفکر تھے۔

20 نومبر کو آپ نے اب چوتھی بورڈ میٹنگ جموں میں طلب کی۔ 20 تاریخ کو بعدِ نماز جمعتہ المبارک وزیر اعلیٰ ہاوس میں مفتی صاحب مرحوم کی صدارت میں اِسی تاریخ 5 گھنٹہ تک جاری میٹنگ کا انعقاد ہوا۔ بظاہر یہ جموں وقف کونسل اور مسلم وقف بورڈ جموں و کشمیر کی مشترکہ میٹنگ تھی اور یہ میٹنگ دراصل جموں کونسل کی تھی۔ وقف بورڈ کے ممبران مہمانانِ خصوصی تھے۔ میٹنگ میں بیشتر ممبران، اعلیٰ افیسر، جموں و کشمیر، ڈوڈہ، کشتواڑ کے بیشتر اسمبلی ممبران اور سرکردہ شخصیات شامل تھیں۔ جموں وقف کونسل کے تمام معاملات پر سیر حاصل بحث کی۔ کیا معلوم تھا کہ یہ آخری ملاقات ہے اور آخری مصافحہ۔ آپ کے دفتر سے وابستہ ملازم جناب خورشید احمد صاحب ڈار نے مجھے مطلع کیا کہ آپ علی الصبح پونچھ جارہے ہیں۔ جنوری

کے عشرہ اوّل میں سرینگر کے طویل دورہ کے بعد آپ کی طبیعت بگڑ گئی اور بالآخر مختصر علالت کے بعد 7 جنوری 2016ء مطابق ۲۶ ماہِ ربیع الاوّل ۱۴۳۷ھ جمعرات کی شب میں انتقال کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

میں نے آپ کا قطعہ تاریخ وفاتِ حسرت آیات یوں قلمبند کیا۔

"رہبر عظیم"

۱۴۳۷ھ

رفت مفتی محمد سعید، صاحبِ جاہ وجلال　　"رہبرے عظیم" آمد سال تاریخ وصال

۱۴۳۷ھ

بعدِ نمازِ عصر سرینگر کے شیر کشمیر سٹیڈیم میں تقریباً پچاس ہزار افراد نے جناب نعیم اختر اندرابی کی قیادت میں نمازِ جنازہ میں شرکت کی۔ بجبہاڑہ میں بھی نماز جنازہ میں ہزاروں لوگوں نے جناب مفتی ضیاء الحق ناظمی کی قیادت میں نمازِ جنازہ میں شمولیت کی اور آپ تاریخی باغ دارشکوہ میں سپردِ خاک کئے گئے۔

مرحوم گونا گوں صفات کے مالک تھے۔ مہمان نواز، کم گو، پُر رعب ووقار، سخت کوش، دُور رس، دور بین، صاحبِ اخلاق و کردار کے مالک تھے اور سب سے بڑھ کر ایک سیاسی نظریہ کے داعی اور ترجمان تھے۔ اِس سیاسی نظریہ سے کبھی انحراف نہیں کیا۔

☆☆☆

☆......منشور بانہالی

آئینۂ ایام:

بانہال میں تاریخی استقبال

جولائی 1999ء میں جب مفتی محمد سعید صاحب نے کانگریس پارٹی سے کنارہ کشی کر کے پیوپلز ڈیموکریٹک پارٹی کا قیام عمل میں لایا اور اِس کے بعد ستمبر 2002ء میں ریاستی اسمبلی کے لیٔے انتخابات کرانے کا اعلان کیا گیا۔ انتخابات مرحلہ وار طریقہ پر کرائے گئے اور 10 / اکتوبر 2003ء کو ووٹوں کی گنتی کی گئی۔ نیشنل کانفرنس کو انتخابات میں زبردست دھچکا لگ گیا اور اِسے صرف 28 نشستیں حاصل ہوسکیں۔ کانگریس کو بیس نشستیں اور نو وارد پی ڈی پی کو 16 نشستیں حاصل ہوگئیں۔ حکومت سازی کے لئے کانگریس پارٹی نے مفتی صاحب کی پارٹی سے ہاتھ ملایا اور نیشنل کانفرنس نے حزب مُخالف کے طور پر اپنا رول نبھانا جاری رکھا۔ وزیر اعلیٰ کے عہدے کے لئے کچھ دنوں تک تعطل جاری رہا اور کافی گفت وشنید کے بعد کم سے کم مشترکہ پروگرام کے تحت مرحوم مفتی محمد سعید کو پہلے تین سال کے لئے بطور وزیر اعلیٰ حلف دینے کے فیصلے پر اتفاق ہوا اور باقی تین سال کے لئے غلام نبی آزاد کو وزارتِ

اعلیٰ پر رہنے کے لئے اِتفاق ہوا۔ فاروق عبداللہ جو اس وقت برسر اقتدار تھے نے بحیثیت وزیر اعلیٰ کام کرنا پسند نہیں کیا۔ اس لئے اسمبلی کو التوا میں رکھ کر 17 اکتوبر 2002ء کی درمیانی شب سے ریاست میں گورنر راج کا نفاذ کیا گیا جو 30 اکتوبر 2002ء تک برقرار رہا اور اس طرح سے فاروق عبداللہ کی سرکار اپنے چھ سال کی مدت پورا کر سکی۔ کانگریس اور پی ڈی پی کے مابین 31 نکات پر مشتمل ایک معاہدے کے تحت 30 اکتوبر 2002ء کو کانگریس کے اس وقت کے صدر غلام نبی آزاد نے گورنر کو اُن تمام اراکین بشمول آزاد ممبران اسمبلی کی فہرست پیش کی جو مفتی محمد سعید کے حامی قرار پائے۔ جس کے نتیجے میں گورنر نے 2 نومبر 2002ء کو مفتی صاحب کو حلف وفاداری اور حکومت سازی کی دعوت پیش کی۔ اِس مخلوط سرکار کو 52 ممبران اسمبلی کی حمایت حاصل رہی جس میں کیمونسٹ پارٹی اور پنتھرس پارٹی کے ممبران کی بھی حمایت شامل رہی۔ مفتی محمد سعید نے ''زخموں مرہم لگانے'' ہیلنگ ٹچ پالیسی کے تحت اور ہندو پاک باہمی دوستی کے دو اہم امور پر خاصی توجہ دی، جس پر مرکز نے اُنہیں فراخدلانہ مالی امداد کی پیش کش کی اور حفاظتی امور سے متعلق معاملات میں بدلاو لانے پر زور دیا گیا۔ لوگوں نے راحت کی سانس لی اور اقتصادی طور پر بھی ایک طرح کی راحت کا احساس پیدا ہونے لگا۔ فروری 2003ء میں مرحوم مفتی محمد سعید صاحب بحیثیت وزیر اعلیٰ پہلی بار بانہال کے علاقے میں آگئے، آپ کی آمد پر اِس علاقے میں کافی بڑے پیمانے پر استقبال کی تیاریاں کی گئیں اور یہاں کے ایک جوان سال ورکر امتیاز احمد کھانڈے نے لوگوں کو جوق در جوق لاکر کے ہائیر سیکنڈری سکول کے وسیع میدان میں جمع کر دیا جس میں یہاں کے مہومنگت، پوگل پرستان، نیل اور کھڑی وغیرہ علاقہ جات کے سیاسی ورکر اور عوام

لوگ جمع ہو گئے۔ اُس وقت یہاں کے عوام کی ایک ہی مشترکہ مانگ تھی اور وہ تھی بانہال علاقے کے لئے ڈگری کالج کے قیام کی منظوری۔ مفتی صاحب کے ہمراہ کئی سرکردہ سیاسی رہنما تھے جن میں کانگریس کے سینئر رہنما شری منگت رام شرما، جو بعد میں نائب وزیر اعلیٰ بھی رہے۔ اِس کے علاوہ مقامی ایم ایل اے مولوی عبدالرشید، کانگریس کے ہی خواجہ غلام محمد سروری، سینئر رہنما خواجہ محمد ایوب خان، ڈوڈہ کے ایم ایل اے عبدالمجید وانی اور پی ڈی پی کے کئی صوبائی زعماء اور سیاسی ورکر تھے۔ مقامی ایم ایل اے اور دیگر سیاسی ورکران نے وزیر اعلیٰ کے سامنے صرف ایک ہی مانگ پیش کی وہ تھی بانہال میں ڈگری کالج کے قیام کی مانگ۔ لیکن وزیر اعلیٰ نے سب سے پہلے رام بن میں ڈگری کالج کو منظور کرنے کے لئے کہا جس کا انہوں نے بعد میں رام بن میں جا کر اعلان کیا۔ اِس کے عرصہ بعد 2004ء میں مفتی صاحب پھر اِس علاقہ میں آ گئے اور یہاں کے دور افتادہ پہاڑی علاقہ مہو منگت اور کھڑی وغیرہ علاقہ جات میں چلے گئے اور اُس وقت ریاست کے نائب وزیر اعلیٰ غلام نبی آزاد بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ یہاں پر لوگوں نے آپ کا والہانہ طریقے سے استقبال کیا۔ یہاں کے لوگوں کی سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ انہیں پیدل چل کر یہ سفر طے کرنا پڑتا تھا اور انہیں ہائیر سیکنڈری ایجوکیشن کی کوئی سہولیت میسر نہ تھی۔ آپ نے موقعہ پر ہی مہو اور منگت تک سڑک تعمیر کرنے کے احکامات دیئے اور مہو علاقے کے ہائی سکول کو ہائیر سیکنڈری درجے تک ترقی دینے کی منظوری دی اور منگت علاقے کے لئے ہائی سکول کی منظوری دے دی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد آپ نے یہاں کے کھڑی علاقہ کے لئے بھی ہائیر سیکنڈری اسکول کی منظوری دے دی، جس سے یہاں کے لوگوں کی شکایت کا بہت حد تک ازالہ ہو گیا اور اِن دیرینہ مانگ کو پورا کیا گیا۔ اب

یہ علاقہ پوری طرح سے سڑک کے ذریعے سے جڑ چکا ہے اور یہاں پر سیاحوں کی آمد کے لئے بھی اِمکانات پیدا ہو رہے ہیں۔ کیونکہ یہ علاقہ سیاحت کے اعتبار سے ایک بہت ہی پُر فضا اور دلکش علاقہ ہے جو آج تک سڑک نہ ہونے کے سبب عام لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہا ہے۔ اب حال ہی میں یہاں کھڑی کے علاقے میں تحصیل کا قیام بھی عمل میں لایا گیا ہے جس سے یہاں پر ترقی کے مزید امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔ تاہم اس علاقے کو اگر ٹورسٹ نقشہ میں لایا جائے تو یہ سیاحوں کے لئے بے حد دلچسپی کا موجب بن سکتا ہے۔

☆☆☆

☆☆☆

☆......پروفیسر شہاب عنایت ملک

مفتی محمد سعید۔۔۔ایک ہر دلعزیز لیڈر

ملک کے پہلے اور اب تک کے آخری مسلمان وزیر داخلہ مفتی محمد سعید کا شمار ہماری ریاست کے اُن دور اندیش سیاست دانوں میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی مفکرانہ سوچ، دور اندیش خیالات اور سیکولر کردار کی وجہ سے ملکی سیاست پر انمٹ نشانات چھوڑے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی مفتی سعید کا شمار ہندوستان کے چوٹی کے رہنماؤں میں ہوتا ہے۔ اگر چہ کہ اُنھوں نے اپنی سیاسی زندگی کا بیشتر حصہ کانگریس میں گزارا اور اس پارٹی کے کئی اہم عہدوں پر فائز بھی رہے لیکن 1998ء میں انہوں نے ملکی سیاست کو خیر آباد کہہ کر اپنی ریاست کے عوام کی خدمت کرنے کا فیصلہ لیا اور یوں اپنے ہم خیال ساتھیوں سے مل کر پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی (پی۔ڈی۔پی) کا قیام عمل میں لایا۔ اُس وقت ریاست کے عوام بیس (20) برس کی افراتفری کی وجہ سے بے چینی اور بے قراری کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ حکمران جماعت کے سامنے چوں کہ اپوزیشن نام کی کوئی چیز سامنے نہیں تھی اس لئے وہ بھی یکطرفہ فیصلوں کے عمل میں مصروف تھی۔ ایسے ہی حالات مفتی محمد سعید کو ملکی سیاست

سے واپس ریاستی سیاست میں لائے۔ان سے ریاست کے عوام کی یہ مفلوک الحالی نہیں دیکھی گئی۔انہیں یہ محسوس ہوا کہ قوم کو اس وقت ان کی سخت ضرورت ہے اس لئے وہ قوم کی خدمت کے لئے میدان میں کود پڑے اور یوں انہوں نے آزادی کے بعد پہلی دفعہ ایک مضبوط اپوزیشن پارٹی پی۔ڈی۔پی کا قیام عمل میں لایا جو بہت جلد ایک تحریک بن کر اُبھری۔آزادی کے بعد چوں کہ ریاستی عوام کا ایک مخصوص طبقے نے زندگی کے ہر شعبہ میں استحصال کیا ہوا تھا اسی لئے انہوں نے مفتی محمد سعید کی ہر آواز کو لبیک کہا جس کا نتیجہ 2002ء کے انتخاب میں نکلا جس میں اس نوزائیدہ سیاسی جماعت نے اسمبلی کی 16 سیٹوں پر قبضہ جمایا۔اس کا سہرا مفتی محمد سعید کے سر ہی جاتا ہے جنہوں نے اپنے وسیع سیاسی تجربے اور مفکرانہ ذہن کی وجہ سے ریاستی عوام کو پہلی دفعہ ایک مخصوص سیاسی طبقے کی اجارہ داری سے آزاد کرنے کی کامیاب کوشش کی۔

ریاستی اسمبلی میں صرف 16 نشستیں ہونے کے باوجود کانگریس کے ساتھ مل کر Common Minimum Programme پر دستخط کرنے کے بعد مفتی صاحب ریاست جموں وکشمیر کے وزیراعلیٰ بن گئے۔اس کرسی پر انہیں صرف تین سال کام کرنے کا موقع ملا لیکن ان کی وسیع النظری، گہرے سیاسی شعور اور دانشمندانہ سوچ کی وجہ سے ریاست جموں وکشمیر نے زندگی کے مختلف شعبوں میں حیرت انگیز ترقی کی۔اخوانیوں کا راج ختم ہوگیا، ڈر اور خوف کی فضا بھی تبدیل ہوئی۔پڑوسی ملک کے ساتھ تعلقات بہتر ہوئے۔آر پار تجارت شروع ہونے کی وجہ سے نفرتیں محبتوں میں تبدیل ہوگئیں۔ہیلنگ ٹچ (Healing Touch) پالیسی کو عملی طور پر لاگو کر کے بھٹکے ہوئے نوجوانوں کو واپس لانے کا سلسلہ شروع ہوا۔

بے روزگار نوجوانوں کے لئے روزگار کے مواقع فراہم کئے گئے، سب سے بڑھ کر یہ کہ ریاست کے تینوں خطوں کو برابر کا حق ملا۔ ہنگامی سطح پر پوری ریاست میں تعمیراتی کام ہوئے، سڑکوں کو وسیع کیا گیا، تعلیمی نظام میں بہتری لائی گئی اور سب سے زیادہ یہ کہ عوام عزت و وقار کی زندگی بسر کرنے لگے۔ مسلۂ کشمیر کے پُرامن حل کے لئے ایک پر فضا ماحول تیار ہوا، رشوت خوری کی بدعت میں بڑی حد تک کمی آ گئی ساتھ ہی ریاست بجلی کے بحران سے باہر نکل آئی۔ عوام کے مطابق مفتی سعید کا یہ دور تاریخی اعتبار سے سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل اس لئے ہے کیوں کہ آزادی کے بعد پہلی دفعہ کسی حکومت نے عوام کے بنیادی مسائل کی طرف توجہ دی۔
یہ سب اُسی وقت ممکن ہوسکا جب مفتی صاحب جیسے دور اندیش سیاست داں نے ذاتی دلچسپی لے کر حکومت کے مختلف اداروں کو یہ احکامات جاری کئے کہ اُن کا بنیادی کام رشوت خوری نہیں بلکہ عوام کی فلاح و بہبود ہے۔ ریاست کے اس مایہ ناز سیاست دان نے اگر چہ صرف تین سال بحثیت وزیر اعلیٰ اس حساس ریاست پر حکومت کی لیکن یہ تین سال کا دورِ حکومت ریاست کے عوام بلا لحاظ مذہب و ملت آج بھی یاد کرتے ہیں۔

مفتی محمد سعید مسلۂ کشمیر کے پرامن حل کے متمنی تھے اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے انہوں نے ایک فارمولہ تیار کیا جسے 'سیلف رول' کا نام دیا گیا۔ یہ فارمولہ اٹانومی فارمولے سے اس لئے مختلف ہے کیوں کہ اس میں نہ صرف آر پار تجارت پر زور دیا گیا ہے بلکہ سرحدوں کو غیر ضروری بنانے کی بھی بات کی گئی ہے۔ مشترکہ کونسل کے قیام کے علاوہ سیلف رول برِصغیر میں جموں و کشمیر کی تاریخی حیثیت بحال کرنے کے لئے روایتی راستوں کو کھولنے کا عزم بھی کرتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ فارمولہ
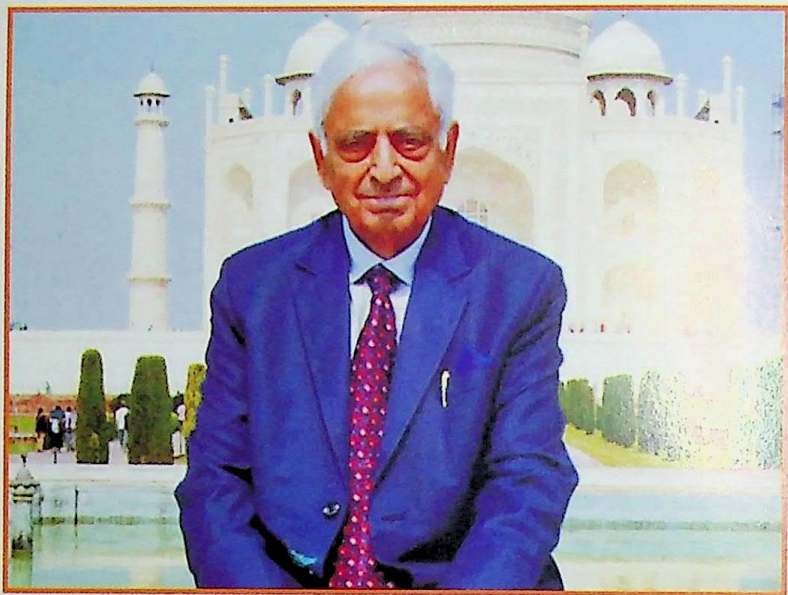
مفتی محمد سعید - تاج محل میں
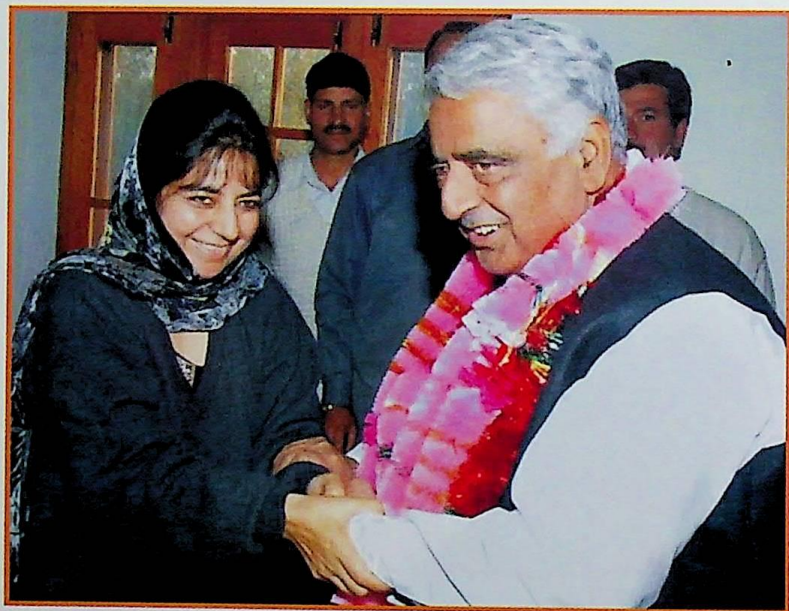
مفتی صاحب اپنی صاحبزادی محبوبہ مفتی کے ساتھ
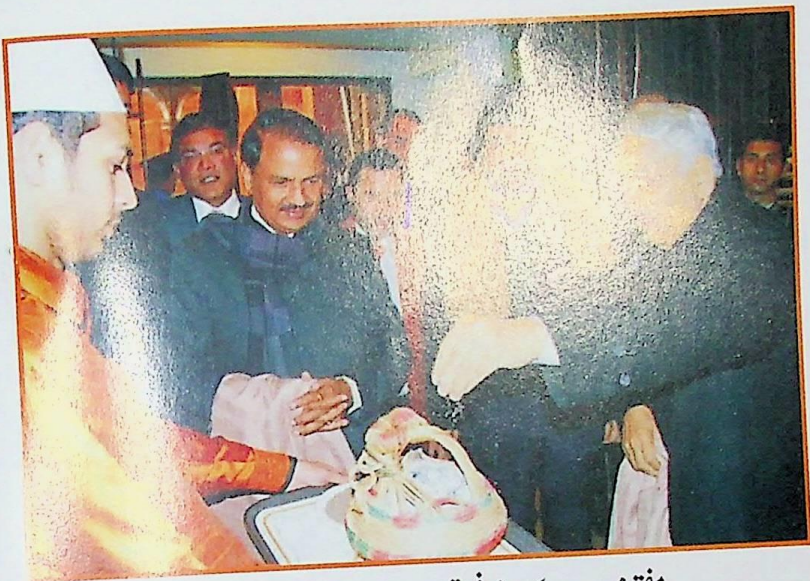
مفتی محمد سعید۔ایک ثقافتی تقریب کا افتتاح کرتے ہوئے
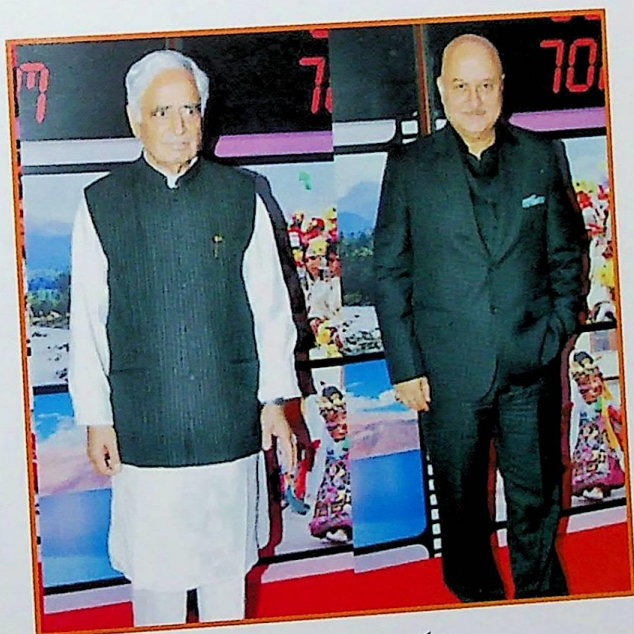
انوپم کھیر اور مفتی صاحب
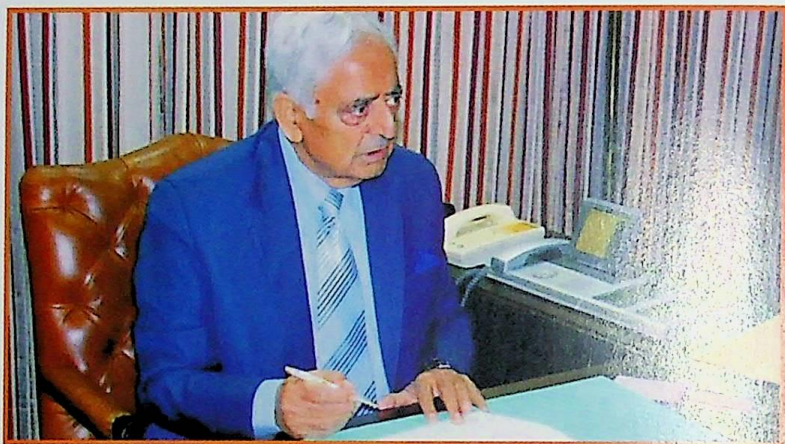
وزیرِاعلیٰ کا حلف لینے کے بعد مفتی صاحب سیکریٹریٹ میں اپنے دفتر میں
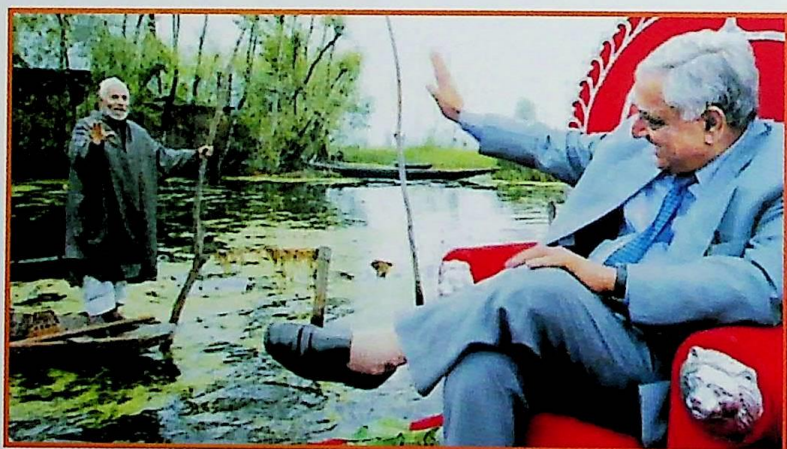
مفتی صاحب- جھیل ڈل کے اندرونی علاقوں کا دورہ
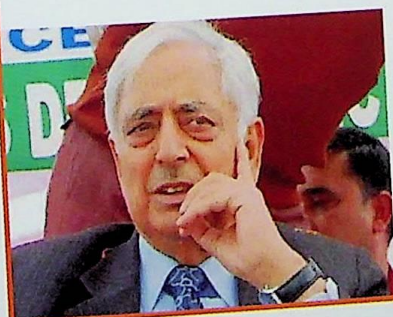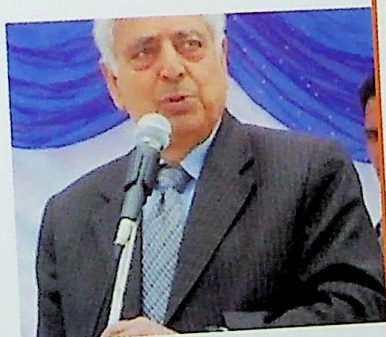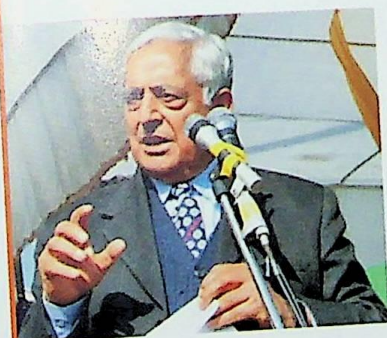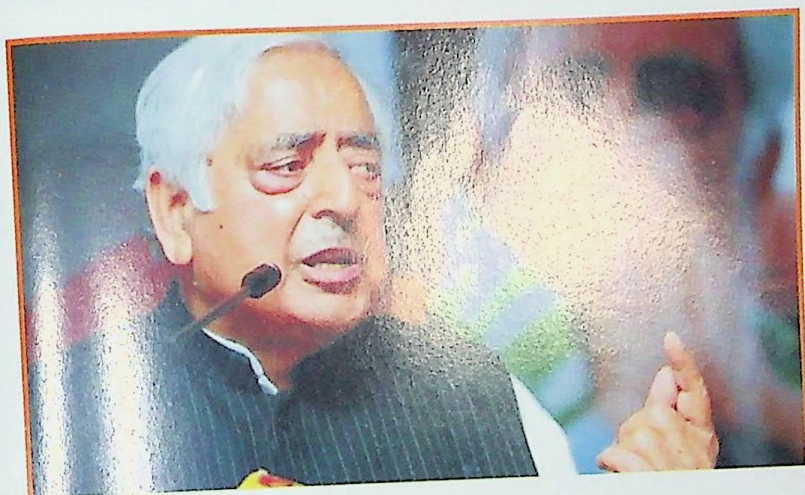
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری
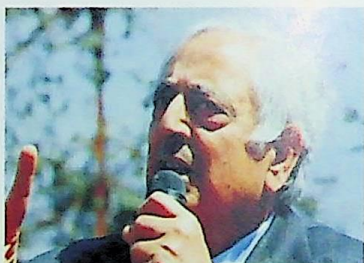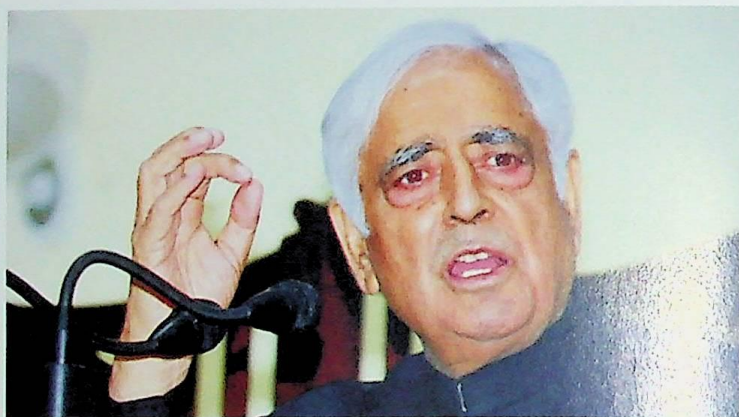
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری
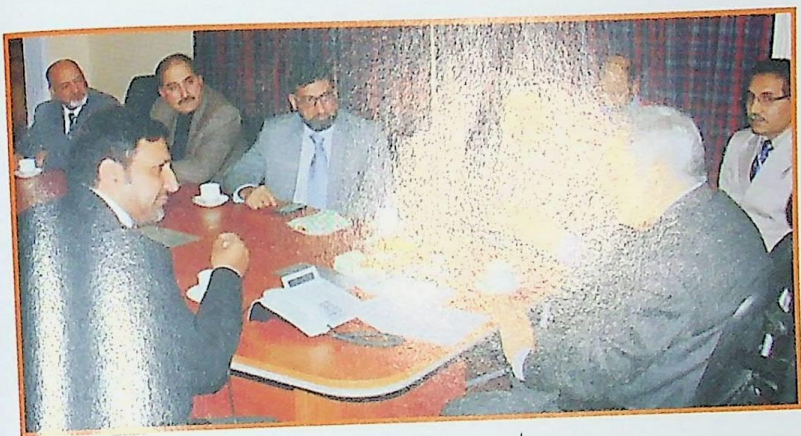
اعلیٰ عہدیداروں سے صلاح ومشورہ
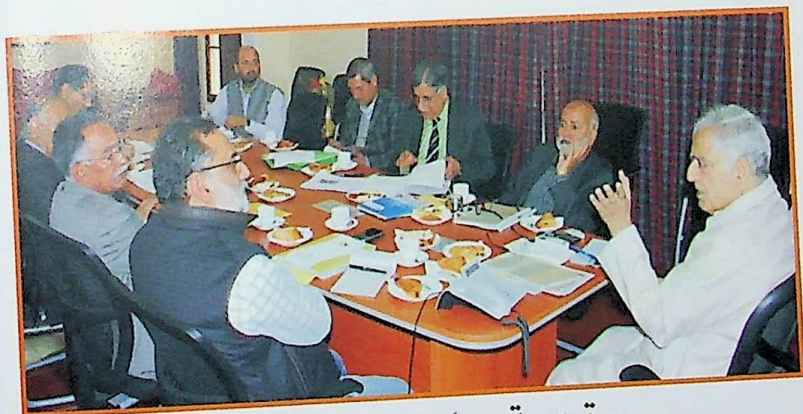
قریبی ساتھیوں کے ساتھ صلاح ومشورہ

مفتی محمد سعید، رام ولاس پاسوان، ڈاکٹر حسیب درابو اور چودھری ذوالفقار علی کے ساتھ محو گفتگو
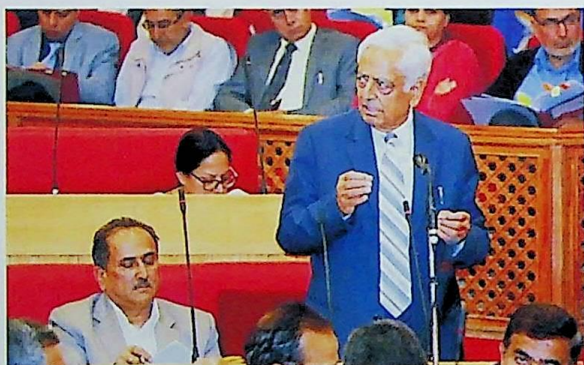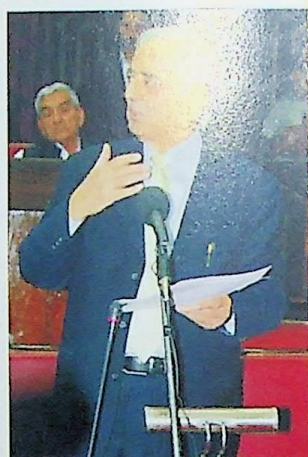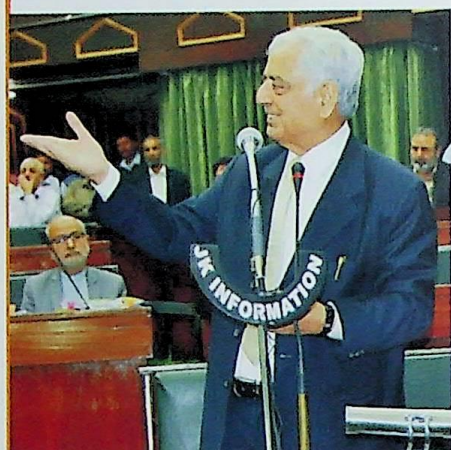
ریاستی اسمبلی میں خطاب

مفتی محمد سعید، عبدالحق خان، عبدالرحمان ویری اور چودھری عبدالغنی کوہلی

ٹیولپ گارڈن کا معائنہ

AFSPA کو بھی ختم کرنا چاہتا ہے۔اس فارمولے کے مطابق ریاست کا اپنا صدر ہوگا، آئین ہند کی دفعہ 356 کے خاتمے پر بھی سیلف رول واضح طور پر زور دیتا ہے۔ ریاستی انتظامیہ میں مقامی لوگوں کی بالادستی، ریاست کے خصوصی آئین کا احترام، اقتصادی خود کفالت اور باعزت روزگار کی ضمانت کے لئے ریاست کے آبی و دیگر وسائل کی واپسی کے علاوہ سیلف رول ریاست کے تینوں خطوں اور ذیلی خطوں کے درمیان اختیارات کی منتقلی اور ترقی کے برابر موقع فراہم کرنے پر بھی زور دیتا ہے۔ آئین ہند کے اندر تلاش کیا گیا مسلۂ کشمیر کو حل کرنے کے لئے مفتی صاحب کا تیار کردہ یہ فارمولہ میں سمجھتا ہوں کہ ایک بہترین فارمولہ اس لئے ہے کیوں کہ اس میں ریاست کے تینوں خطوں کے عوام کے بنیادی مسائل حل کرنے کی بات کی گئی ہے۔ بلدیاتی سطح تک اقتدار کی منتقلی، فوجی انخلاء AFSPA کا خاتمہ وہ مسائل ہیں جو اس اہم مسئلے کے پرامن حل کے لئے آئے دن روڑے اٹکاتے رہتے ہیں۔اس اہم فارمولے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مفتی صاحب دن رات کام کر رہے تھے اسی لئے انہوں نے اس فارمولے کو اپنی پارٹی کا عہد بھی بنالیا تھا۔

مفتی محمد سعید جہاں ایک دوراندیش سیاست داں اور مفکر تھے وہیں ایک شعلہ بیان مقرر بھی تھے۔ دلائل کے ساتھ اپنی بات پیش کرنے کا ہنر وہ بخوبی جانتے تھے۔اس بات کا ثبوت ہمیں ان سیاسی جلسوں میں بخوبی مل جاتا ہے جہاں مفتی صاحب اپنے الگ انداز میں دلائل کے ساتھ کسی بھی موضوع پر اس طرح بات کرتے تھے کہ سننے والا نہ صرف دنگ رہ جاتا ہے بلکہ وہ بہت کچھ سوچنے پر بھی مجبور ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی یہ قدآور سیاست داں جب کسی جلسے میں خطاب کرتا تھا تو سننے ولوں کا ایک طوفان اُمڈ آتا تھا۔سیکولر خیالات رکھنے والا یہ مایہ

ناز سیاست داں ہر طبقے اور ہر فرقے میں نہ صرف مقبول تھا بلکہ مذہب کے نام پر سیاست کرنا ان کے نزدیک گناہِ عظیم تھا کیوں کہ ان کے مطابق ہر مذہب آپسی بھائی چارے، امن، سلامتی اور انسانیت کا درس دیتا ہے۔ دیگر کئی سیاسی رہنماؤں کی طرح مفتی صاحب نے کبھی بھی مذہب کو اپنے لئے آلۂ کار نہیں بنایا بلکہ انہوں نے انسانی اقدار مضبوط کرنے کے لئے ہندوستان کے طول وعرض میں کام کیا۔ اپنی کرسی کی پروا کئے بغیر وہ متعدد مرتبہ انسانی جانوں کے ضائع ہونے پر چیخ پڑے۔ انسانی اقدار کو مضبوط کرنے کے لئے انہوں نے اپنی کرسی کی اُس وقت قربانی دی جب وہ ہندوستان کے وزیر سیاحت تھے۔ انہیں انسانی جانیں تلف ہونے کا اتنا غم ہوا کہ بطور احتجاج انہوں نے ہندوستان کی اہم وزارت سے استعفیٰ دے کر دوسروں کے لئے ایک مثال قائم کردی۔ یہ اخلاقی جرأت بہت کم سیاست دانوں میں ہوتی ہے۔

مفتی محمد سعید میں ایک اچھے قائد کی تمام خوبیاں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ وہ اپنی پارٹی کے کارکنان کی نہ صرف عزت کرتے تھے بلکہ انہیں صاف و شفاف سیاست کے گُر بھی سکھاتے تھے۔ یہی نہیں ان کارکنان سے وہ کام لینے کا ہنر بھی جانتے تھے۔
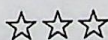
☆......رشید کانسپوری

مفتی محمد سعید:
جموں و کشمیر کی سیاست کا درخشندہ ستارہ

کشمیر نے جہاں شیخ محمد عبداللہ جیسے سرکردہ سیاستدانوں کو جنم دیا ہے، جنھوں نے اپنی صلاحیتوں اور قابلیتوں کا بین الاقوامی سطح پر بھرپور مظاہرہ کیا اور دُنیا بھر میں کشمیر، جو پہلے سے ہی اپنی خوبصورتی، دلکش مناظر اور حسن و جمال کے لئے مشہور ہے کی شہرت وہیں مفتی محمد سعید جیسا کشمیر کا فرزند بھی سیاسی آسمان پر درخشندہ ستارے کی مانند طلوع ہوا، جس نے نہ صرف کشمیر بلکہ پورے ملک کو اپنی روشنی سے تابندہ کیا۔

آپ قصبہ بجبہاڑہ کے معروف علمی، دینی اور ادبی بصیرت رکھنے والے بابا خاندان کے مفتی غلام محمد کے گھر میں ۱۲؍ جنوری ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوئے۔ ضلع اننت ناگ کا یہ اہم تاریخی قصبہ سری نگر جموں شاہراہ کے دونوں کناروں سری نگر سے لگ بھگ پچاس کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ جہاں مختلف مکتبہ ہائے فکر کے مسلمان اور پنڈت رہتے ہیں۔ یہاں کے لوگوں کا بھائی چارہ، امن دوستی اور میل جول قابلِ

ستائش ہے۔ اس قصبے نے غلام مصطفےٰ مصفا، سید رسول پونپر، پروفیسر غلام محمد شاد، موہن لال آش، پروفیسر بشیر احمد نحوی وغیرہ جیسے علماء وشعراء کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سے عالموں، شاعروں اور دانشوروں کو جنم دیا ہے۔

علم وفن سے مالا مال بجبہاڑہ میں مرّوجہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد مفتی مرحوم نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم اے عربی اور ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کیں۔ واپس وارِدِ کشمیر ہو کر وکالت کا پیشہ اختیار کیا جو اُن کی طبیعت کو راس نہ آیا کیونکہ مفتی محمد سعید بچپن سے ہی انقلابی ذہن رکھتے تھے اور انہوں نے گزشتہ صدی کی پانچویں دہائی کے اواخر میں ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس کی رُکنیت حاصل کرکے عملی سیاست میں حصہ لیا اور 1962ء میں بجبہاڑہ اسمبلی حلقہ سے پہلی بار ممبر اسمبلی منتخب ہوئے۔

1975ء میں اندرا عبداللہ اکارڈ کے بعد شیخ محمد عبداللہ کو جموں وکشمیر کا وزیر اعلیٰ بنایا گیا اور اس وقت کے وزیر اعلیٰ سید میر قاسم کو مرکزی حکومت کی وزارت میں شامل کیا گیا۔ مفتی مرحوم کو ریاستی لیجسلیچر کا لیڈر اور ریاستی کانگریس کا صدر بنایا گیا۔

1986ء میں جب مرکز میں راجیو گاندھی وزیر اعظم تھے تو مفتی صاحب کو مرکزی وزارت میں شامل کیا گیا اور انہیں سیاحت کا قلمدان تفویض کیا گیا۔ 1987ء میں انہوں نے کانگریس پارٹی کو خیرباد کہا اور وی پی سنگھ کی جن مورچہ پارٹی میں شامل ہو کر 1989ء سے 1990ء تک قریب ایک سال مرکزی وزارت میں پہلے مسلمان وزیر داخلہ کی حیثیت سے وزیر رہے۔ اگرچہ پی وی نرسمہا راؤ کے عہدِ حکومت میں دوبارہ کانگریس میں شمولیت اختیار کی لیکن 1999ء میں مفتی محمد

سعید نے ریاست میں پیوپلز ڈیموکریٹک پارٹی (پی ڈی پی) کی بنیاد ڈالی تا کہ اپنی تمام تر توجہ ریاستی عوام کی طرف دے کر یہاں کی فلاح و بہبود کے لئے کام کر سکیں۔ انہوں نے پارٹی کی بھاگ ڈور خود سنبھالی۔ خود بحیثیت پارٹی سرپرست اور اپنی دختر محبوبہ مفتی کو صدر بنایا اور پارٹی کے پھیلاؤ میں جُٹ گئے۔ اپنی صلاحیتوں اور انتھک محنت کی وجہ سے بہت کم عرصہ میں 2002ء کے اسمبلی انتخابات میں سولہ نشستیں جیت کر کانگریس کے ساتھ اتحاد کر کے مفتی مرحوم پہلی بار ریاست کے وزیر اعلیٰ بن گئے۔ معاہدے کے مطابق پورے تین سال تک وزیر اعلیٰ کے عہدے پر فائز رہے اور اگلے تین سال کے لئے غلام نبی آزاد بطور وزیر اعلیٰ بنائے گئے۔

اپنے سیاسی سفر کے دوران مفتی صاحب نے بے شمار مصائب و مشکلات کا سامنا کیا لیکن اپنی ذہانت، قابلیت اور سوجھ بوجھ سے ہر طرح کی پریشانیوں پر قابو پالیا اور اپنے آپ کو سیاسی میدان میں مردِ آہن ثابت کیا۔ ان مصائب و پریشانیوں کو جس طرح سے مفتی مرحوم نے مسکراتے ہوئے گلے لگایا اور پوری بُرد باری اور اطمینانِ قلب سے اپنے تجربات، قابلیت اور تدبر سے کئی مسائل حل کیے۔ 2004ء میں جموں و کشمیر پیوپلز ڈیموکریٹک پارٹی کا ایک رُکن راجیہ سبھا اور ایک رُکن لوک سبھا تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے جنہوں نے یونائیٹیڈ پراگریسو الائنس (یو پی اے) کو حمایت کی۔

مفتی مرحوم نے اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ اس وقت کیا جب 2014ء میں کشمیر خطے کی تینوں لوک سبھا نشستوں پر کامیابی حاصل کی اور عرصۂ دراز تک عوام میں مقبول رہی سیاسی پارٹی نیشنل کانفرنس کو مات دی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس سال ریاستی اسمبلی انتخابات کے دوران ستاسی (87) میں سے

اٹھائیس (28) نشستیں جیت کر نیشنل کانفرنس جو اس وقت ریاست میں برسر اقتدار تھی کو حکومت چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور انتخابات میں دوسری بڑی ابھرنے والی پارٹی بھارتیہ جنتا پارٹی کے ساتھ اتحاد کر کے ریاست میں حکومت قائم کر کے پورے چھ سال تک بطور وزیر اعلیٰ رہنے کا معاہدہ کیا اور یکم مارچ 2015ء کو وزیر اعلیٰ کا حلف لیا لیکن موت کا کوئی کلینڈر نہیں اور اس دارِ فانی سے اپنی اپنی باری پر ہر ایک کو جانا ہے۔ اس طرح مفتی محمد سعید مرحوم بھی دنیائے فانی سے 7/جنوری 2016ء کو رخصت ہوئے جبکہ انہیں چند روز قبل چھاتی اور گردن میں تکلیف ظاہر ہونے کی وجہ سے سری نگر سے دہلی مزید علاج و معالجہ کے لئے روانہ کیا گیا تھا جہاں پر اُن کی حالت ڈاکٹروں کی کافی کوششوں کے باوجود بھی بتدریج بگڑتی گئی اور ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

مفتی مرحوم کی دیانت، سیاسی لیڈر شپ، شرافت، ہمدردی، ایمانداری، انسان دوستی اور عوامی خدمت گزاری کا جذبہ ان کی شخصیت کے نمایاں اوصاف تھے۔ وہ اچھے قانون دان اور عوام کے رہنما تھے۔

راقم الحروف مفتی محمد سعید کی قابلیت اور ذہانت کا اس وقت سے قائل ہے جب مجھے پہلی بار 1983ء کے انتخابات کے دوران کنگن قصبہ میں ان کی تقریر سننے کا موقع ملا جہاں مسز اندرا گاندھی نے بھی اس بھاری عوامی اجتماع کو خطاب کیا اور ہمیں سرکاری ملازمت کے دوران لا اینڈ آرڈر ڈیوٹی انجام دینے کے لئے سری نگر سے وہاں بھیجا گیا تھا۔ ایک گھنٹے کی تقریر کے دوران مفتی مرحوم نہ کہیں رُکے اور نہ ہی کوئی واقعہ یا جملہ دُہرایا اور نہ کوئی لفظ ڈھونڈنے کی ضرورت محسوس کی۔ سامعین کو لگتا تھا گویا مرحوم کوئی تحریر پڑھتے ہیں۔ اُن کی تقاریر میں جو سب سے بڑی خوبی میں نے

پائی وہ یہ تھی کہ وہ کبھی بھی کسی شخص کی ذات کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔

2004-2005ء میں میری تعیناتی بحثیت ایس ایچ او تھانہ پولیس پہلگام میں ہوئی۔ مفتی صاحب ہر ہفتے پہلگام آیا کرتے تھے اور کم از کم ایک رات وہاں پر گزارتے تھے۔ اس دوران میں ان کے بہت نزدیک رہا اور میں نے اُن کے کچھ عادات کو باریک بینی سے دیکھا۔ پہلگام کی ڈیولپمنٹ میں بہت زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔ وہاں پر زیرتعمیر کاموں کی خود نگرانی کرتے تھے اور متعلقہ حکام کو نئے نئے منصوبے ہاتھ میں لینے کے احکامات جاری کرتے تھے۔ میں نے انہیں کبھی غصہ کرتے نہیں دیکھا۔ پہلگام علاقہ میں تعینات سرکاری اہلکاروں کے کام کو سراہتے تھے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے اور اسی حوصلہ افزائی کے سلسلے میں مجھے بھی ایوارڈ سے نوازا۔

میں ان کی ذہانت اور قابلیت کا پہلے سے ہی قائل تھا لیکن اُن کے نزدیک رہ کر اُن کی شرافت، ایمانداری اور بُردباری نے مجھے اُن کا گرویدہ بنایا۔ ایک رات کا واقعہ ہے مفتی صاحب پہلگام میں فاریسٹ ہٹ میں ٹھہرے تھے۔ کھانا کھانے کے بعد سی ایم کے ذاتی محافظوں نے اپنی اپنی ڈیوٹی سنبھالی۔ میں نے سی آر پی ایف کو مختلف یونٹوں پر ہٹ کے اردگرد تعینات کیا۔ زوردار بارشوں کی وجہ سے ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ بجلی آف ہو چکی تھی۔ تھانہ اور پولیس لائینز سے آئی ہوئی نفری اپنی اپنی جگہ تعینات کی گئی اور میں خود اپنے کمرے میں چلا گیا۔ رات کے ایک بجے تھے۔ مجھے سی آر پی ایف کے ایک سنتری کی آواز سنائی دی اور اسی دوران دو تین راونڈ گولیوں کے بھی چلے۔ میں دوڑ کر مفتی صاحب کے کمرے کی طرف گیا لیکن مفتی صاحب کاری ڈور میں اکیلئے کھڑے تھے۔ مجھ سے پوچھا، رشید کیا ہوا۔

میں نے کہا سی آر پی ایف کے سنتری نے شاید کوئی موومنٹ دیکھی اور گھبرا کر فائر کھولا۔ میں مفتی صاحب کو اُن کے بیڈ روم تک لے گیا اور خود پوچھ تاچھ کے لئے نیچے آ گیا۔ سچ مچ سی آر پی ایف کے جوان نے ہٹ کے ارد گرد کانٹے دار تار کے باہر کچھ موومنٹ دیکھی تھی اور موومنٹ اصل میں ایک آوارہ گھوڑے کی تھی کیونکہ پہلگام کے باشندے چوری چھپے رات کو اپنے گھوڑوں کو گھاس چرنے کے لئے جنگلوں کی طرف دھکیلتے تھے۔ اس کے بعد میں نے پورا واقعہ مفتی صاحب کو گوش گزار کیا اور وہ حسب عادت خاموش رہے۔ یہ مفتی صاحب کی دور اندیشی اور بردباری کا ایک چھوٹا سا واقعہ ہے۔

مفتی صاحب خوبیوں کا مجسمہ تھے۔ وہ ایک فرد یا شخص نہیں بلکہ ایک ادارہ تھے۔ وہ بیک وقت شعلہ بیان مقرر، کہنہ مشق سیاستدان اور بہترین منصوبہ ساز ہونے کے ساتھ ساتھ ریاستی عوام کے سچے خیر خواہ اور درد مند تھے۔ انہیں ہر وقت یہاں کے لوگوں کی فکر لگی رہتی تھی۔ ریاست کی ترقی کا پرچار کرنے کے لئے بڑے بڑے شہروں میں تقاریب منعقد کروا کر خود وہاں جا کر ان تقاریب میں شرکت کر کے وہاں کے باشندوں کو کشمیر کی سیاحت پر آنے پر آمادہ کرتے تھے۔ دن رات ریاست کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ بے روزگاری ان کے سامنے ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔ ہمیشہ بے روزگاری کم کرنے پر اپنے وزراء کے ساتھ صلح مشورہ کرتے رہتے تھے۔ مفتی صاحب سچ مچ ریاستی سیاست کے درخشندہ ستارے تھے۔ خدا مغفرت کرے۔

☆☆☆

☆......ایڈوکیٹ محمد امین ڈار

مفتی محمد سعید: ایک قائد اور بصیرت افروز شخصیت

مرحوم مفتی محمد سعید صاحب کی سبھی پالیسیوں کی بنیاد مثبت فلسفے پر مبنی تھی جو خالصتاً عوام دوست مقاصد کی آبیاری کے لئے وضع کی گئی تھیں اور جن میں ووٹ بینک سیاست کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔ چونکہ میرے مفتی محمد سعید کے ساتھ قریبی تعلقات تھے، مجھے معلوم ہے کہ انہوں نے اپنے سیاسی سفر کا آغاز ایک بنیادی کارکن کی حیثیت سے کیا۔ اس کام کی لگن ثمر آور ثابت ہوئی اور وہ ایک اعلیٰ مقام تک پہنچ گئے۔ ان کے دل میں ریاستی عوام کے لئے ہمدردی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور وہ ہر وقت اپنے اُس خواب کی تعبیر ڈھونڈتے تھے جو ان کی آنکھوں سے عیاں تھا۔ وہ ریاست میں امن، ترقی اور وقار کی ضرورت پر زیادہ زور دیتے تھے۔ سرکار تک عوام کی رسائی، شفافیت اور حکومت کے زمینی سطح کے اداروں کی بازیابی اور ان کی افادیت کی بحالی مرحوم مفتی محمد سعید کی ترجیحات تھیں، چنانچہ وہ خود زمینی سطح کے ایک کارکن کی حیثیت سے ابھرے تھے۔ انہوں نے عام آدمی کی نبض کو محسوس کیا اور وہ جانتے تھے کہ عام انسان کی زندگی کو دوام بخشنے کے لئے کیا ضروری

ہے۔انہیں عوام سے کئے گئے سبھی وعدے بخوبی یاد تھے۔

میں نے 1977ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد خود کو مرحوم مفتی محمد سعید کے ساتھ وابستہ کردیا۔ چنانچہ اسی دور میں اندرا عبداللہ ایکارڈ ہوا تھا۔ مرحوم مفتی محمد سعید کو ریاستی پردیش کانگریس کمیٹی کا صدر منتخب کیا گیا۔ مفتی صاحب نے اپنے دوروں کی وساطت سے ریاست میں کانگریس پارٹی کی جڑیں مضبوط کرنے میں کامیابی حاصل کرلی۔

مفتی صاحب کے ساتھ میری وابستگی نے مجھے بہت فائدہ دیا کیونکہ وہ کارکنوں کے احساسات کی بہت قدر کرتے تھے۔ان کی کاوشوں کی بدولت جنوبی کشمیر میں تعمیر وترقی کے کام میں سرعت آئی۔انہوں نے پارٹی تشکیل دی اور قانون دانوں کی ایک جمعیت نے ان کے ساتھ قدم سے قدم ملاکر چلنے کا فیصلہ لیا۔ میں یہاں پران قدآور سیاسی شخصیات کے نام لینا چاہتا ہوں جن میں ایم این کول، ایم ایل فوطیدار، پیر حسام الدین، عبدالعزیز زرگر، غلام حسن نائک، محمد یوسف، محمد امین ڈار، غلام حسن پنگلن، عبدالمجید خطیب اور مرزا مسعود بیگ قابل ذکر ہیں۔ کانگریس پارٹی کو مضبوط بنانے میں ان شخصیات کے کارناموں کو پرکھنے کا سہرا مرحوم مفتی صاحب کے سرجاتا ہے اور اس سب میں آنجہانی اندرا گاندھی کی حوصلہ افزائی ان کے ساتھ شاملِ حال رہی۔ وہ بھی اکثر دورے کرتی رہیں اور میٹنگوں کا انعقاد کرتی رہیں۔ مجھے مرحوم مفتی صاحب کی جس خصوصیت کا سب سے زیادہ اعتراف ہے، وہ یہ ہے کہ انہوں نے ہمیشہ اعتباریت کو قائم رکھا، کبھی اپنے ذاتی اغراض کے لئے سرنگوں نہیں ہوئے بلکہ ہمیشہ اپنی سیاسی بصیرت سے استقامت کا مظاہرہ کرتے رہے۔

اس بصیرت افروز شخصیت نے کبھی کسی فرد یا گروہ کو نیچا دکھانے کا موقعہ نہیں دیا اور نہ انہوں نے اپنے کسی سیاسی کارکن کو کسی کے سامنے کم پایہ ہونے دیا۔ انہوں نے کبھی کسی فرد یا جماعت سے کوئی رعایت نہیں مانگی۔ یہ شاید 1983-84ء کا سال تھا جب کشمیر وادی میں دو اشخاص نے کانگریس پارٹی کے جھنڈے تلے اپنی جانیں نچھاور کیں۔ یہ ایک عظیم کارنامہ تھا۔

راجیو فاروق ایکارڈ کے دور میں مفتی صاحب کو مرکزی کابینہ میں وزیرِ سیاحت کی حیثیت سے شامل کرلیا گیا جو کچھ خاص ثمر آور ثابت نہیں ہوا کیونکہ یہ فیصلہ جان فشانی سے کام کرنے والے کارکنوں کی منشاء کے خلاف تھا جنہوں نے کافی تکالیف اٹھائی تھیں۔ یہ چیزیں مفتی محمد سعید کو ناگوار گزریں اور وہ پارٹی سے مستعفی ہوئے۔ مرکزی قیادت اور فاروق صاحب کی قیادت والی ریاستی نیشنل کانفرنس کو لگا کہ اس سے مفتی صاحب کے سیاسی مستقبل پر منفی اثرات مرتب ہونگے لیکن اس کے برعکس پارٹی کے بنیادی کارکنوں نے مفتی صاحب کا ساتھ دیا اور مفتی صاحب جب جواہر ٹنل پہنچ گئے تو وہ ان کا استقبال کرنے کے لئے بسوں میں آئے ہوئے لوگوں کی ایک بڑی تعداد دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اس موقعے پر ضلع انت ناگ سے تعلق رکھنے والے قد آور سیاست دانوں کی ایک جماعت موجود تھی جن میں عبدالرحمٰن ویری، محمد امین ڈار، عبدالغفار صوفی، سرتاج مدنی، خورشید احمد اور دیگر نام قابل ذکر ہیں، نے مفتی محمد سعید کو انتخابات میں کامیاب کرانے میں اہم رول ادا کیا۔ یہ موقعہ مرکزی قیادت اور ریاست میں موجود مفتی صاحب کے مخالفین کے لئے چشم کشا تھا۔ اس کے بعد مفتی صاحب وی پی سنگھ کی قیادت والے ''جن مورچہ'' اور بعد میں ''جنتا دل'' کے تخلیق کار بنے۔ مفتی صاحب کے خواب کو اس طرح سمجھا

جاسکتا ہے کہ وہ ایک متبادل فورم کی بنیاد ڈالنا چاہتے تھے اور ان کا مقصد جموں وکشمیر کو سیاسی استحکام بخشنے کے لئے ہند پاک کے مابین دوستانہ تعلقات کا قیام تھا اور اس سلسلے میں 1999 میں ''پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی'' کا قیام عمل میں لانے میں کامیاب ہوگئے۔ اس کاوش نے عوام کو ایک متبادل فراہم کیا اور نہایت ہی قلیل عرصے میں پارٹی سولہ نشستیں حاصل کر کے اسمبلی میں جانے اور بعد میں سال 2002ء میں سرکار بنانے میں کامیاب ہوگئی۔ مرحوم مفتی صاحب کے دورِ اقتدار کا یہ مختصر عرصہ سنہری دور مانا جاتا ہے۔ ریاست میں بہتر حکومت کی فراہمی کے ساتھ ساتھ ہی ہند پاک تعلقات میں بہتری اس دور کی خصوصیات ہیں اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ سرینگر سے کاروانِ امن بس سروس کی کامیابی سے شروعات ہوئیں۔ عام لوگ خوش تھے اور اپنے آپ کو محفوظ تصور کرتے تھے کیونکہ اس سے قبل انہوں نے وادی میں نامساعد حالات کے دوران غیر یقینی صورتحال کا سامنا کیا تھا۔ مفتی صاحب کو اس حوالے سے پارٹی کی صدر محبوبہ مفتی نے مکمل سپورٹ اور تعاون دیا۔ وادی میں ''ہیلنگ ٹچ'' کے نعرے کو مقبولیت ملی اور لوگ بھی مطمئن رہے۔ اس طرح مفتی صاحب کی کاوشیں ثمر آور ثابت ہوئیں۔

یہاں اس بات کا تذکرہ لازمی ہے کہ مرحوم مفتی صاحب کی والدہ عائشہ بیگم، جنہیں عرف عام میں ''عائشہ آپا'' کے نام سے جانا جاتا تھا، کی نیک خواہشات اور دعائیں ان کے ساتھ ہمیشہ شامل حال رہیں۔ مرحومہ ہر وقت نماز ادا کرنے اور قرآن کی تلاوت کے بعد مفتی صاحب کو صبر و استقامت کا درس دیا کرتی تھیں۔ مثال کے طور پر جب اندرا گاندھی نے راج نرائن کے ہاتھوں ہار گئیں تو مفتی صاحب اپنے گھر اپنی والدہ سے ملنے گئے۔ والدہ نے جب ان کا افسردہ چہرہ

دیکھا تو کہا کہ وہ اندرا گاندھی کی ہار سے مایوس کیوں ہیں۔ والدہ نے انہیں کہا کہ اندرا گاندھی اگلے چھ ماہ میں پھر سے ابھریں گی۔ اس نصیحت سے مفتی صاحب کا حوصلہ بڑھا۔ دوسری جانب اندرا گاندھی نے بھی چک منگلور پارلیمانی حلقہ انتخاب سے ضمنی انتخاب جیت لیا۔ میرے ایک ساتھی عبدالمجید گٹو اس واقعے کے چشم دید گواہ ہیں جو اُس وقت ایک ٹیکنیشن تھے۔ اسی طرح مفتی صاحب کے ماموں مرحوم غلام حسن شاہ خاکی کا بھی ان کے سیاسی کیریئر میں خاصا رول رہا ہے۔

میں اپنے اس مضمون کو یہ کہتے ہوئے مختصر کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے سال 2015ء کے اواخر میں اپنی دو بیٹیوں کی شادی کے موقعے پر مرحوم مفتی صاحب کو اپنے گھر مدعو کیا۔ مجھے لگا کہ گوناگوں مصروفیات کے باعث مفتی صاحب دعوت پر نہیں آسکیں گے لیکن مجھے حیرانی ہوئی جب مجھے پیغام ملا کہ مفتی صاحب دعوت پر بذات خود آنے کے لئے راضی ہوگئے ہیں۔ یہ میرے لئے انتہائی حوصلہ افزائی تھی جب مفتی صاحب میری رہائش گاہ پر تشریف لے آئے اور میری بیٹیوں کے لئے نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔

آخر پر میں یہ بات ضروری کہنا چاہتا ہوں کہ اگرچہ میں ایک سرپرست سے محروم ہوگیا لیکن ان کی دُور اندیشی اور حکمت عملی مجھے ہمیشہ متاثر کرتی رہے گی۔

....

(انگریزی سے ترجمہ: غلام نبی شاکر)

☆☆☆

☆......مہاراج کرشن دھر

مفتی محمد سعید...... یاد کے بے نشاں جزیروں سے

مفتی محمد سعید کی وفات کے بعد میں اکثر اُن کے ساتھ گزارے ہوئے وقت کو یاد کرتا رہتا ہوں، جو کہ میری حیات کا سرمایہ ہے۔ اُن کے پبلک ریلیشنز آفیسر ہونے کی حیثیت سے میں نے اُن کے ساتھ بہت وقت گزارا۔ اِسی لئے میں اُن کی شخصیت کے بعض ایسے پہلوؤں سے واقف ہوں جو بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ مفتی صاحب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ صحیح معنوں میں سیکولر تھے۔ وہ کسی بھی طرح کے تضادات میں یقین نہیں رکھتے تھے۔ وہ پُر امَن بقائے باہم اور یگانگت میں یقین رکھتے تھے۔ یہ اُن کی سیاست نہیں بلکہ عقیدہ تھا۔ مجھے اِس بات کا بھی اعزاز حاصل ہے کہ مجھے مفتی صاحب کے کنبے کا اعتماد حاصل تھا۔ وہ مجھ پر اپنے ہی کنبے کے ایک فرد کی طرح بھروسہ کرتے ہیں۔ مفتی صاحب کسی بھی طرح کی اقربا پروری میں یقین نہیں رکھتے تھے۔ ذاتی طور اُنہوں نے نہ اقربا پروری کا فائدہ اٹھایا اور نہ کسی کو بے جا فائدہ اُٹھانے کی اجازت دی۔ ساتھ ہی وہ جائز طریقوں سے لوگوں کی حتی الامکان مدد بھی کرتے تھے۔

مفتی صاحب کو سیاست سے جیسے قدرتی طور لگاؤ تھا۔ اُنہیں سیاسی بحث و مباحثہ مرغوب تھا۔ وہ اپنی دختر اور قریبی معتمد محبوبہ مفتی کے ساتھ اکثر سیاسی معاملات پر گفتگو کیا کرتے تھے۔ وہ ریاست کے تینوں خطوں کی ایک جہتی کے لئے صحیح معنوں میں

وعدہ بند تھے۔ اِس سے تمام ریاست کے لئے اُن کے واضح نظریات کی عکاسی ہوتی ہے۔

وہ ریاست کے نوجوانوں کے لئے خاصے فکرمند تھے اور اُن کے پُر امن اور باوقار مستقبل کے لئے سوچا کرتے تھے۔ وہ ریاست کے نوجوانوں کو زندگی کے مختلف شعبوں میں آگے لے جانے کے خواہشمند تھے۔ وہ سرکردہ صنعت کار امبانی برادرس سے ملے اور اُن پر زور دیا کہ وہ ریاست کے نوجوانوں کے لئے ہنر کو بڑھاوا دینے کے مختلف پروگراموں کا اہتمام کریں۔ اُنہوں نے ذی ٹیلی ویژن کے مالکوں سے مِل کر اُن سے گزارش کی کہ وہ ریاست کے نوجوانوں کو آگے بڑھنے کے لئے مواقع دستیاب کرائیں۔ سیاحت کے شعبے کو فروغ دینے کی اُن کی کوششوں کا مقصد یہی تھا کہ روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع پیدا کئے جاسکیں۔

وہ ریاست میں سیاحتی صنعت کو جدید خطوط پر استوار کرنا چاہتے تھے۔ اِس مقصد کے لئے اُنہوں نے ریاست بھر میں روایتی اور نئے مراکز کو ترقی دینے کے سنجیدہ کوششیں کیں۔ اُنہوں نے پہلگام کی کم سے کم وقت میں تجدید کاری کرائی۔ وہ پہلگام اور گلمرگ کو سیاحوں کی پسندیدہ ترین مقامات کے طور ترقی دینا چاہتے تھے۔

مفتی صاحب کو روپے پیسے سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا۔ پیسہ کبھی اُن کی حبیب میں رُکتا نہیں تھا۔ جب وہ پردیش کانگریس کمیٹی کے صدر تھے، وہ پارٹی کے گیسٹ ہاؤس کی بجائے عام ورکروں کے درمیان رہنا پسند کرتے تھے۔ مفتی صاحب فخر سے کہا کرتے تھے کہ میں پوری عمر کے دوران ایک کارکن رہا ہوں۔ اِسی وجہ سے وہ اپنے ورکروں کی ہمیشہ قدر کیا کرتے تھے۔ اُن کا قوتِ حافظہ بڑا قوی تھا اور برس ہا برس گزر جانے کے باوجود چیزیں اُن کے حافظے میں محفوظ رہتی تھیں۔

اُن کی عادت تھی کہ وہ شام کو کم از کم ایک گھنٹے کے لئے چہل قدمی کیا کرتے

تھے۔ اِس اچھی عادت کا زندگی کے آخری ایام تک اُن پر مثبت اثرات رہے۔ مفتی صاحب اپنے کنبے کی خبر گیری کرتے تھے۔ وہ خانگی رشتوں کی بڑی قدر کیا کرتے تھے اور اپنے کنبے کا بھرپور وقت اور عزّت دیتے تھے۔ وہ گھر والوں کے ساتھ تواتر کے ساتھ گھریلو معاملات پر گفتگو کیا کرتے تھے۔

مفتی صاحب کو اُلجھے معاملات سلجھانے کا ملکہ حاصل تھا۔ جب اُنہیں اُلجھے معاملات کا سامنا ہوتا وہ اِسے بحسن وخوبی سلجھا لیتے تھے۔ وہ فیصلہ لینے میں اپنا وقت لیا کرتے تھے اور کسی قطعی نتیجے پر پہنچنے سے قبل معاملے کی تہہ تک جاتے تھے۔ اُنہیں اقتدار کی کبھی ہوس نہیں رہی۔ وہ ہمیشہ اپنی جڑوں سے جُڑے رہے اور اکثر اپنے آبائی گاؤں بیج بہاڑہ جاتے جہاں وہ اپنے بھائی مفتی محمد امین سے مِلا کرتے تھے۔ بیج بہاڑہ میں وہ عوامی وفود کے ساتھ خیالات کا تبادلہ کرتے اور اُن کی شکایات اور مسائل کا ازالہ کرتے تھے۔

مفتی صاحب کی وفات میرے لئے ذاتی نقصان ہے۔ برس ہا برس سے میں اُن سے وابستہ رہا اور وہ مجھے اپنے کنبے کے ایک فرد کی حیثیت سے دیکھتے تھے۔ اُنہیں مجھ پر بہت اعتماد تھا۔ ساتھ ہی میری کسی کوتاہی پر وہ مجھے ٹوکا نہیں کرتے تھے لیکن اِس کے بعد بہت جلد مجھے بُلا لیتے اور اس انداز سے مجھ سے بات کرتے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

*ایم کے دھر ایک دہائی سے زیادہ عرصے تک مفتی محمد سعید کے پی۔ آر۔ او رہے ہیں۔ (ادارہ)

☆

(انگریزی سے ترجمہ: روف راحت)

☆☆☆

☆......التجا جاوید

ڈیڈی جی۔ تم سا کہاں سے لاؤں

میرے نانا جان، مفتی صاحب کی زندگی کے آخری ایام میں اُن کے کام میں اُن کی مدد کرنا میری خوش قسمتی تھی۔ میری امی جان کو امید تھی کہ کنبے کا کوئی فرد ساتھ رہے گا تو مصروفیت کے دوران اُن کو تسکین ملے گی۔ میں ابتدا میں خائف رہی۔ ڈیڈی (جیسا کہ ہم ان کو پیار سے بلاتے تھے) کاملیت کے قائل تھے اور وہ ہر کام سلیقے سے کرتے تھے۔

جموں و کشمیر کے تعلق سے ڈیڈی ایک واضح نظریہ رکھتے تھے اور جب انہیں محسوس ہوتا تھا کہ باقی لوگ ان کے جیسے پُر جوش اور پُر عزم نہیں تو وہ کافی مایوس ہو جاتے تھے۔ کبھی کبھی اُن کے سیکرٹری اور کبھی ذاتی محافظ اُن کے غصے کا شکار ہو جاتے تھے۔ ابتدائی ایام میں کئی خدشات کے باوجود میں نے اپنی صلاحیت کے مطابق اُن کی معاونت کا ارادہ کرلیا۔

ممبئی کے ایک سرکاری دورے کے دوران ہم مالا بار ہلز میں مہاراشٹر کے سرکاری مہمان خانے ''سہیادری'' میں صبح نو بجے سے شام چھ بجے تک

ٹھہرے۔ کارپوریٹ سیکٹر سے تعلق رکھنے والی کئی شخصیات ایک کے بعد ایک ڈیڈی سے ملنے کیلئے آرہی تھیں۔ ایک احساس ذمہ داری کے اظہار کے ساتھ ڈیڈی اُنہیں جموں وکشمیر میں سرمایہ کاری کی دعوت دے رہے تھے۔ ''کیا کرتے ہیں آپ۔'' انہوں نے ایک معروف تاجر سے کہا، ''آپ کو آکر ہماری ریاست میں سرمایہ کاری کرنا چاہئے تاکہ ہم روزگار کے مواقع پیدا کرسکیں۔''

میں دوپہر کے قریب کافی تھکان محسوس کررہی تھی اور مجھے کچھ دیر کیلئے کھسکنے کی سوجھی۔ میں تقریباً دو گھنٹوں کیلئے ممبئی شہر کی سیر کیلئے گئی۔ مجھے اس بات کا احساس بھی نہیں تھا کہ عملے کے تقریباً دس لوگوں کی حاشیہ نشینی کے باوجود ڈیڈی نے میری غیر حاضری محسوس کی تھی جس پر اُنہوں نے ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔ میں نے اپنے دفاع میں ہاتھ کھڑے کرلئے اور کہا، ''ڈیڈی! میں کافی تھک گئی تھی۔ مجھے آرام کی ضرورت تھی۔'' اس کے ردعمل میں میرے نانا جان نے انتہائی پُرسکون اور مدبرانہ انداز میں کہا، ''میں 80 برس کا ہونے لگا ہوں۔ جب میں اس عمر میں کام کرسکتا ہوں تو تم کیوں نہیں؟''

اُن کے اِن الفاظ سے شرمندگی کا جو احساس مجھے ہوا، اس کو میں کبھی بھی بھول نہیں سکتی۔ یہ تھے میرے نانا جان، آپ کیلئے۔ ان کا جسم ایک 80 سالہ بزرگ کا تھا، لیکن قوت اور جذبہ ایک جوان کے تھے۔

ممبئی دورے کے فوراً بعد میری امی جان نے ڈیڈی سے کہا، ''ثنا (مجھے گھر میں اسی نام سے پکارا جاتا ہے) نے آپ کے ساتھ کام نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔'' اس گفتگو کے پانچ منٹ بعد میں ڈیڈی کے کمرے میں داخل ہوئی اور انہیں

اگلے دن کی اُن کی مصروفیات کے بارے میں بتایا۔ امی جان الجھن کا شکار ہوئیں۔ انہیں لگا کہ مجھے چند روز کیلئے ڈٹے رہنا چاہئے تھا تا کہ ان کو احساس ہو کہ انہوں نے سختی سے کام لیا۔ لیکن ڈیڈی کا اپنے اہل وعیال، ساتھیوں اور لوگوں کیلئے ایک منفرد انداز تھا۔ وہ ڈانٹتے بھی تھے، لیکن اگلے ہی پل انہیں احساس ہوتا تھا کہ انہوں نے تند مزاجی سے کام لیا ہے۔ اگلے لمحے وہ التفات کا پیکر بن جاتے تھے۔ ان کے اسی پیار نے ہمیں متحرک رکھا۔

گزشتہ برس ذرائع ابلاغ نے سرگرمی کے ساتھ اُن کی صحت کے بارے میں قیاس آرائیاں کیں۔ جب امی جان نے ایک عوامی میٹنگ میں پارٹی ورکروں سے ڈیڈی کی صحت یابی کیلئے دعا کی درخواست کی۔ سخت اور شدید سرخیوں پر کوئی بھروسہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پارٹی نہیں، امی جان نہیں اور یقینی طور میں بھی نہیں۔

کچھ دیر کیلئے ہم سرخیوں پر یقین نہ کر سکے۔ ڈیڈی نے ہر دن قوّت اور جذبے کے ساتھ کام کیا اور شائد ہی کچھ لوگوں کو ان کی خرابیٔ صحت کا احساس تھا۔ پائین شہر کے مسلسل چھ گھنٹوں کے دورے کے دوران ان کی توانائی دیکھ کر ہمارے خدشات دُور ہو گئے۔ لیکن کرسمس کے موقعہ پر ڈیڈی بھی ہمیں زیادہ دیر تک دھوکے میں نہ رکھ سکے۔ دسمبر کی 24 تاریخ تھی کہ ڈیڈی کو آل انڈیا انسٹی چیوٹ آف میڈیکل سائنسز میں داخل کیا گیا۔ تیرہ روز تک ڈیڈی جسمانی طور کافی کمزور ہو گئے لیکن اس دوران ان کا حوصلہ کبھی بھی نہیں لڑکھڑایا۔ ڈیڈی ہسپتال میں صاحبِ فراش رہنے کے باوجود بھی وہی نانا جان، وہی رہنما اور وہی شخص تھے جنہیں ہم ہمیشہ سے جانتے تھے۔ انہوں نے ہم بچوں کو شہر کی سیر کر کے لطف اندوز ہونے کی

صلاح دی۔ وہ میٹنگوں کے بارے میں جانکاری لیتے رہے اور فیصلے لینے پر زور دیتے رہے۔ پھر انہوں نے سیلاب زدگان کے ریلیف اور کشمیری پنڈتوں کی رہائش کے بارے میں جانکاری حاصل کرنے میں خرابیِ صحت کو آڑے نہیں آنے دیا۔ جسمانی تکلیف کے باوجود انہوں نے مسلسل ہمت بنائے رکھی۔ ڈیڈی ریاست کے لوگوں کے تئیں محبت اور ہمدردی کا جذبہ رکھتے تھے۔ جب بھی وہ اپنے نظریے کی بات کرتے تو ان کی آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی چمک آجاتی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ریاست میں امن و امان کا دورِ دورہ ہو اور ہر شہری باوقار زندگی گزارے۔ میرے نانا جان اور امی جان کے درمیان ایک منفرد رشتہ تھا۔ وہ امّی جان کے قریبی ہمراز، ہمت کا سرچشمہ اور ناصح تھے۔ امی جان اُن کو حقائق سے آشنا کرنے کا حوصلہ رکھتی تھیں۔ آج کل اِس بات پر کافی بحث ومباحثہ ہوتا ہے کہ جب ذمہ داریاں ان کے کندھوں پر آچکی ہیں، وہ اس بار کو کس طرح سنبھالیں گی۔ لیکن پہلے ایک کشمیری اور پھر اُن کی نواسی کی حیثیت سے مجھے اِس بات کا شدّت کے ساتھ احساس ہے کہ بہتر جموں وکشمیر کی تعمیر کی ذمہ داری ہم پر بھی عاید ہوتی ہے۔ ہم سب کو اِسی سمت میں کام کرنا ہوگا۔ ڈیڈی مانتے تھے کہ ریاست کے ہر باشندے کو امن وامان کے قیام میں اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ وہ علاقائی جماعتیں ہوں، مقامی ٹریڈ انجمنیں یا پھر علاحدگی پسند۔ ہمیں جموں وکشمیر کے تئیں اُن کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کیلئے جدوجہد کرنا ہوگی۔

2014ء میں کسی بھی جماعت کو واضح اکثریت نہیں ملی اور اس صورتحال نے میرے دادا جی کو چھوڑ کر باقی سب کو ہیجانی کیفیت میں مبتلا کردیا۔ عوام کے فیصلے

سے جہاں ان کے اپنے پارٹی کارکن پریشان تھے، وہ خود پُرسکون تھے اور انہیں اس صورتحال میں ریاست کے لوگوں کو متحد کرنے کا ایک موقعہ نظر آرہا تھا۔

باقی بچوں، جو شاذونادر ہی اپنے نانا نانی سے ملتے ہیں، کے برعکس مجھے اور میری بہن کی پرورش ہمارے نانا نانی نے ہی کی۔ ماضی کو یاد کریں تو وہ ہمارے بچپن کی یادوں کا ناقابلِ تنسیخ حصہ ہیں۔ ہماری امی جان انتہا درجے کی قواعد دان ہونے کے ساتھ ساتھ نظم و نسق میں یقین رکھتی ہیں۔ لیکن ڈیڈی ہمیشہ ہمیں اچھے موڈ میں رکھتے تھے۔ میں نے ان سے لاشعوری طور بھی بہت کچھ سیکھا ہے۔ وہ بلند حکمت اور اعلیٰ حوصلہ والی شخصیت تھے۔ انہوں نے کبھی اپنے دشمنوں کی بھی برائی نہیں کی۔ ایسے سیاست داں بہت کم ہوتے ہیں جو رنجش کی سیاست میں یقین نہ رکھتے ہوں۔ ڈیڈی اپنے ناقدین اور سخت ترین نکتہ چینوں سے بھی ہمدردی اور محبت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ وہ مصالحت پسند اور مثبت سوچ کے مالک تھے۔ انہوں نے وقار کی حصولیابی کیلئے عرق ریزی سے محنت کی، جو کہ عموماً نایاب شے ہے اور انہوں نے لوگوں کو ہمیشہ خاص ہونے کا احساس دلایا۔ سیاست ان کیلئے ممکنات کا فن تھا۔

دسمبر کے اوائل میں جب وہ ہسپتال میں تھے، وہ چاہتے تھے کہ میں مقامی روزناموں کیلئے مضامین لکھوں، جن میں بچیوں کی بااختیاری کیلئے پی ڈی پی۔ بی جے پی سرکار کی جانب سے حال ہی میں متعارف کی گئی ''لاڈلی بیٹی'' جیسی چند سماجی بہبود سکیموں کی اہمیت واضح ہو جائے۔ میں ٹالتی رہی۔ آج کل کرتی رہی اور بالآخر مسوّدہ تیار کیا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ مجھے اپنا پہلا مضمون ان کے حق میں ہی خراجِ عقیدت کے طور لکھنا پڑا۔ ڈیڈی اپنے سب پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کو بہت

پیار کرتے تھے۔ وہ ہماری چھوٹی سی چھوٹی بات کو بھی اہمیت دیتے اور اس طرح ہم کو بھی ایک خاص احساس ملتا تھا۔ وہ ہمیں دل کی بات سننے اور بھر پور زندگی جینے کی ترغیب دیتے تھے۔ ان کی جدائی نے ایک خلا پیدا کیا ہے۔ شاید یہ بات مجھے تسلی دیتی رہے گی کہ ڈیڈی جاتے جاتے بھی وہی کر گئے جو ان کو محبوب تھا۔۔۔۔۔"عوام کی خدمت"

"ڈیڈی!!! ہمیں شدت سے آپ کی کمی محسوس ہوگی"

....

(انگریزی سے ترجمہ: سید مبشر رفاعی)

☆☆☆

☆......شہنواز احمد

مفتی محمد سعید۔۔۔۔صلح جوئی کا پیامبر

ایک دفعہ میں نے اپنے ایک ڈاکٹر دوست جو مفتی محمد سعید سے ان کی رہائش گاہ واقع پری محل سرینگر سے مل کر واپس آرہا تھا، مفتی محمد سعید کی رائے ایک مخصوص معاملہ کے متعلق معلوم کرنا چاہی۔ مذکورہ ڈاکٹر نے جواب میں کہا کہ براہِ کرم یہ سوال آپ مجھ سے کل پوچھئے۔ اپنے دوست کا جواب سُن کر میں حیرت زدہ ہوکر رہ گیا۔ میرا تجسس مزید بڑھ گیا اور میں نے اپنے دوست سے پھر پوچھا۔ آخر کل کیوں پوچھوں، آج کیوں نہیں؟ میرے دوست نے کچھ دیر کے لئے اپنی سانس تھام لی اور تھوڑے وقفہ کے بعد گویا ہوئے کہ مفتی سعید کی باتوں کو سمجھنے اور ان کی تہہ تک پوچھنے کے لئے اسے دو دن کا وقت لگ جاتا ہے۔۔۔

مفتی محمد سعید کی ہمہ جہت شخصیت کا خاکہ اور تفصیل دانشوروں، تجزیہ نگاروں، قلمکاروں اور آپ کے سیاسی ہم جولیوں نے شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ایک عام انسان کی حیثیت سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کی ذاتی زندگی اور سماجی وسیاسی سفر ایک تحقیق طلب موضوع ہے، بالخصوص موجودہ اور آنے والے

سیاسی طبقوں کے لئے یہ ایک تجربہ گاہ ثابت ہوسکتا ہے۔ ایک ایسے شخص کی سیاسی زند گی کے نشیب و فراز سے آشنائی اور رہنمائی حاصل ہوگی جس نے کبھی بھی اپنی اور اپنے لوگوں کی عزت و وقار کے ساتھ کوئی کھلواڑ اور نہ سودے بازی کو برداشت کیا ہے۔ آپ نے اپنی زندگی میں کسی بھی ایسے موقعہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا جہاں پر آپ کو اپنے لوگوں کی کوئی خدمت سرانجام دینے کے لئے سازگار ماحول اور مناسب مواقع دستیاب دکھائی دئے۔ آپ کی رہنمائی میں ریاست جموں و کشمیر کی کئی آوازیں پروان چڑھیں جو آج اپنے سیاسی کیریئر کے نصف النہار پر ریاستی اور ملکی سطح پر شہرت حاصل کئے ہوئے ہیں۔ آپ سیاست، سماجی زندگی، حکومت سازی، سیاسی بلوغت اور تجربہ کے لحاظ سے اپنی ذات میں ایک انجمن کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کو فہم و ادراک، بے مثال قابلیت اور صلاحیت کی بنیاد پر اپنے ہم عصر سیاستدانوں میں ایک ممتاز مقام حاصل رہا ہے۔ آپ کی شخصیت میں قدرتی طور ایسی کشش پائی جاتی تھی جو سیاسی اور سماجی حلقوں میں ہر ایک کو اپنی طرف راغب کرتی تھی۔ آپ کی وسعت قلبی اور صلح جوئی کے مخصوص وصف نے آپ کے کئی ناقدین اور سیاسی حریفوں کو آپ کا ہی بنا کر چھوڑ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ مشکلات اور پریشانیوں کے باوجود آپ کے حامیوں نے آپ کے خیالات، سیاسی فلسفے اور فیصلوں کے ساتھ ہم آہنگی اور ہر دم غیر مشروط حمایت اور تعاون پیش پیش رکھا۔

آپ کی خداداد صلاحیتوں نے ہی آپ کو سیاسی اور سماجی زندگی میں اعلیٰ ظرف اور صلح جوئی کے گوہرِ گراں مایہ سے مشرف کر رکھا تھا۔ آپ کو قدرت نے ایک منفرد اور بیش بہا وصف سے نوازا تھا وہ آپ کی خاموشی تھی۔ آپ اپنی خاموشی کے ذریعے سے اپنا پیغام پہنچاتے تھے۔ آپ حالات اور واقعات کی نبض جانچنے کی صلا

حیت رکھتے تھے۔آپ موقع کی مناسبت اور موزونیت کا برمحل اور بروقت اندازہ لگاتے تھے۔آپ اچھی طرح جانتے تھے کہ کہاں پر کب اور کیا بولا جاسکتا ہے، کہاں بولنے کی ضرورت ہے اور کہاں خاموشی اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

برصغیر ہند کے تقسیم کے دن سے ہی جموں وکشمیر سانحوں اور المیوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔تب سے لے کر آج تک ریاست میں غیر یقینیت کا ماحول بنا ہوا ہے جو بسا اوقات توقعات کے برعکس بے قابو ہو کر ایمر جنسی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ بالخصوص نوے کی دہائی کے بعد غیر یقینی صورتحال ریاست جموں وکشمیر کا ایک مستقل پہلو بن چکا ہے۔ریاست کے حالات میں تہہ و بالا ہونے میں کوئی دیر نہیں لگتی ہے۔ اپنے وسیع اور گہرے سیاسی فہم وادرک کی وجہ سے مفتی سعید ریاست کے ان حساس حالات سے اچھی طرح واقف تھے۔آپ کا ماننا تھا کہ پاک و ہند کے مابین معطل تعلقات، کشمکش اور دشمنی کا خمیازہ جموں وکشمیر کے عام لوگوں کو مسائل و مشکلات اور جانی و مالی نقصانات کی صورت میں بھگتنا پڑتا ہے۔اس صورتحال کے پیش نظر آپ نے ریاست میں ایک سیاسی نظریہ کی بنیاد ڈالی جس کی رُو سے دونوں ملکوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے اور خوشگوار فضاء قائم کرنے کے لئے جموں وکشمیر کو ایک پُل کی حیثیت حاصل ہے۔دونوں ملکوں کے مابین دوستی کا آغاز جموں وکشمیر سے ہو کر پورے جنوب ایشائی خطے میں امن وامان کا ماحول قائم ہونے پر منتج ہو۔ اپنے سیاسی کیریئر میں کئی اہم اور حساس عہدوں پر فرائض نبھاتے ہوئے آپ کو تنازعہ کشمیر کے نتیجے میں یہاں عوام الناس پر پڑی اُفتاد اور تباہی کا مشاہدہ ہوا۔سیاسی پلیٹ فارم پی ڈی پی کی صورت میں ریاست کے سیاسی اُفق پر نمودار ہو گیا اور کم قلیل عرصے میں جموں وکشمیر کے دور دراز علاقوں تک سرایت کرنے میں کامیاب ہو گیا۔2003ء

کے اسمبلی الیکشن میں پہلی بار پی ڈی پی کو ریاست میں کانگریس کے ساتھ حکومت بنانے کے لئے لوگوں کا منڈیٹ حاصل ہوگیا۔ اِس تین سالہ حکومتی دَور میں پاک و ہند کے درمیان دوستی اور تعلقات کا ایک تاریخی دور شروع ہوگیا۔ سرینگر اور مظفر آباد کے درمیان آمد ورفت کے لئے بس سروس کا آغاز ہوگیا جس سے بچھڑے خاندانوں کو آپس میں ملنے کا موقعہ دستیاب ہوا۔ دونوں خطوں کے مابین آر پار تجارت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ پولیس ٹاسک فورس کو تحلیل کر کے پولیس فورسز کو جوابدہی اور نظم و ضبط کا پابند بنا دیا گیا۔ لوگوں کو درپیش روزمرہ مسائل کو نپٹانے کے لئے حکام اور انتظامیہ تک براہ راست رسائی ممکن بنائی گئی۔ عوام الناس کو بنیادی سہولیات بہم پہچانے کے لئے حکومتی اور انتظامی اداروں کو متحرک بنایا گیا۔ ذمہ دار اور جوابدہ حکومت اور امن عمل کا مثالی سنگم مفتی سعید کی حکومت کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ مفتی سعید کی سربراہی میں سہ سالہ حکومتی دورانیہ میں ریاست کے عوام میں تحفظ کا احساس پیدا ہوگیا۔ مفتی محمد سعید کو یہ اعزاز حاصل رہا ہے کہ آپ نے وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی کو کشمیر میں مدعو کر کے اپنے تاریخی تقریر میں پاکستان کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھانے کی پہل کروائی اور مسائل کا حل انسانیت، جمہوریت اور کشمیریت کے دائرے میں ڈھونڈ نکالنے کا اعلان کروایا۔ مفتی محمد سعید اس قدر وسیع الظرف تھے کہ آپ نے مختلف اور متنوع نقطہ نظر اور سیاسی فلسفہ رکھنے والے لوگوں کو اپنے سیاسی پلیٹ فارم پر مناسب اور موزون جگہ فراہم کی۔ صلح جوئی اور سب کو ساتھ چلانے کی اس پالیسی کے پیش نظر مفتی سعید کا لوگوں کو ایک مؤثر اور متحرک سیاسی نظام متبادل کے طور پیش کرنے کا مقصد تھا تا کہ ریاست میں سیاسی انارکی کی روایت کا توڑ کیا جاسکے۔ آپ نے دورانِ حکومت انتظامیہ اور دیگر محکمہ جات میں قابل اور دیانتدار

آفیسروں کی حوصلہ افزائی کر کے ان کی خدمات کو مثبت انداز میں لوگوں کو سہولیات کی فراہمی کے لئے استعمال میں لایا۔

2014ء کے اسمبلی الیکشن میں ریاست کے تینوں خطوں سے منقسم الیکشن نتائج نے آپ کے سامنے ایک چلینج لا کھڑا کر دیا۔ مفتی محمد سعید کے پاس بھارتیہ جنتا پارٹی کے ساتھ گٹھ جوڑ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ اس پارٹی کے ساتھ جسے نہ صرف ملکی سطح پر واضح اور قطعی منڈیٹ حاصل ہوا تھا بلکہ ریاست کے جموں صوبہ میں بھی برتر منڈیٹ حاصل ہوا۔ آپ نے جموں کے لوگوں کے منڈیٹ کو خاطر میں لا کر ریاست میں بی جے پی کے ساتھ حکومت قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک بار پھر اپنی وسعت قلبی کا مظاہرہ کر کے آپ نے تینوں خطوں کے لوگوں کو ایک ساتھ ملا کر اپنے حکومتی حلیف کے ساتھ ایجنڈا آف الائنس کو ترتیب دے کر ریاست کے تمام خطوں میں یکساں تعمیر و ترقی کے نئے دور کا آغاز کیا۔ جموں کے زورآور کانووکیشن ہال میں اپنی حلف برادری کی تقریر میں آپ نے تمام سیاسی نظریات کے حامل طبقوں اور لوگوں کے ساتھ مل کر سیاسی عمل کے ذریعے مذاکرات اور صلح جوئی کے ساتھ جموں و کشمیر کے مسئلہ کا دیرپا حل نکالنے کی زوردار وکالت کی۔ اسکے ساتھ ساتھ ریاست کے لوگوں کے دوسرے مسائل کے حل کے لئے تمام سیاسی قوتوں اور سماجی اداروں سے دست تعاون طلب کیا۔ زندگی کے آخری آیام میں ریاست کے وزیر اعلی کی حیثیت سے آپ نے اپنی ہر تقریر اور گفتگو میں ہند و پاک کے مابین دوستی قائم کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ دونوں ملکوں کے درمیان مذاکراتی عمل کی فی الفور بحالی کو آپ نے اپنے سیاسی ایجنڈے کا سنگ بنیاد بنایا۔ آپ کی رائے کے مطابق دونوں ملکوں کے عوام کے مابین تعلقات اور میل جول بالآخر دونوں ملکوں کی

سیاسی اور عسکری قیادتوں کو دو ملکوں کے درمیان مسائل حل کرنے کا وسیلہ ثابت ہو سکتے ہیں۔اس لئے جتنا بھی ممکن ہو دونوں ملکوں کے عوام کے مابین تعلقات استوار ہونے کے مواقع فراہم کئے جانے چاہیں۔ مفتی صاحب جموں وکشمیر کو تصادم آرائی کے ماحول سے نکال کر پُر امن، خوشحال اور ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے علمبرادار تھے۔اسکے لئے وہ ریاست کے تمام سیاسی، سماجی و مذہبی گروہوں کے ساتھ صلح جوئی اور خوشگوار تعلقات کا ماحول بنانے کے خواہاں تھے۔ اس حوالے سے اگر مفتی صاحب کی ذات کو اگر صلح جوئی مشن کی ایک انجمن اور ادارہ قرار دیا جائے تو بلاشبہ آپ اس کے مستحق ہیں۔آپ کے سیاسی فلسفہ اور سیاسی دانشمندی کو بنیاد بنا کر اس پر نئے حوصلہ اور عزم کے ساتھ آپ کے ادھورے مشن پر عمل پیرا ہونا آپ کے لئے عظیم خراج عقیدت ہوگا۔لیکن شرط یہ ہے کہ ذاتی اور پارٹی مفادات کو اس راہ میں حائل نہ ہونے دیا جائے۔

....

(انگریزی سے ترجمہ:غوثیہ رشید)

☆☆☆
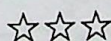
☆......فاروق احمد شاہ

مفتی صاحب اور سیاحت کی ترویج

یہ شروعات 2003ء ہوئی، جب میں جے اینڈ کے سٹیٹ کیبل کار کارپوریشن کے مینجنگ ڈائریکٹر کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دے رہا تھا، مجھے مرحوم مفتی محمد سعید کے ساتھ خیالات کا تبادلہ کرنے، ان کو سننے اور ان کے خیالات جاننے کا شرف حاصل ہوا۔ مفتی صاحب نے ریاست کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے کرسی سنبھالی تھی اور روز اوّل سے ہی لگ رہا تھا کہ سیاحت کا شعبہ ان کی ترجیحات میں شامل ہے۔ ابتدا میں ہی وہ چاہتے تھے کہ گلمرگ، پہلگام اور پتنی ٹاپ جیسے سیاحتی مقامات کی شان رفتہ بحال کی جائے۔ چنانچہ ریاست میں ان سیاحتی مقامات کی سیر پر بہت لوگ آتے ہیں، ان کا حد سے زیادہ استحصال ہوا تھا، ان مقامات میں تجاوزات کی گئی تھیں اور یہ مقامات تباہی کے دہانے پر پہنچ گئے تھے۔ مفتی صاحب ایک جہاں دیدہ شخص تھے اور وہ جانتے تھے کہ ان سب سیاحتی مقامات کی صورتحال میں بدلاو لانے کیلئے ان کی موجودہ ہیت کو بدلنا ہوگا۔ انہوں نے فوری طور ان تینوں سیاحتی مقامات کیلئے الگ سے ڈیولپمنٹ اتھارٹیز کا قیام عمل میں

لایا۔ مجھے اس بات کی کوئی علمیت نہیں تھی کہ مجھے ان میں سے ایک ڈیولپمنٹ اتھارٹی کا چیف ایگزیکیٹیو آفیسر (سی ای او) مقرر کیا جائے گا۔ گلمرگ ڈیولپمنٹ اتھارٹی کے چیف ایگزیکیٹیو آفیسر کا عہدہ سنبھالنے کے بعد مجھے بتایا گیا کہ وزیر اعلیٰ گلمرگ کے تعلق سے ایک میٹنگ طلب کر رہے ہیں۔ میں نے گلمرگ کے بارے میں تمام جانکاری جمع کی اور میرے ذہن میں کچھ منصوبے بھی تھے۔ میں نے ایک تفصیلی میٹنگ کیلئے خود کو تیار کیا تھا۔ مفتی صاحب مختصر جملوں کا سہارا لیتے تھے، لیکن جب بھی بولتے تھے تو پُر اثر انداز میں اور الفاظ قابلِ سماعت ہوتے تھے۔ ''فاروق! میں گلمرگ کی عظمت کی بحالی چاہتا ہوں۔'' انہوں نے عزم کے ساتھ اس بات کا اظہار کیا اور میں بھانپ گیا کہ وہ ان سیاحتی مقامات کی شان رفتہ کی بحالی کے اپنے نظریے کو حقیقت میں بدلنے کیلئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کریں گے۔ گلمرگ میں کافی تجاوزات ہوئی تھیں اور ان کو ہٹانا کافی دشوار ہو گیا تھا، لیکن مفتی صاحب نے ڈیولپمنٹ اتھارٹی کے سبھی حکام کو اس بات کا یقین دلایا تھا کہ اس میں کسی بھی قسم کی کوئی سیاسی مداخلت نہیں ہوگی۔ انہوں نے اس بات کو یقینی بنایا کہ ہم دن میں کسی بھی وقت ان سے مل سکیں۔ علاوہ ازیں وہ خود ان سیاحتی مقامات کی ترقی کی رفتار پر نگاہ رکھتے تھے اور ہر پندرہ دن کے بعد ان مقامات کا از خود دورہ بھی کرتے تھے۔ ان کے استقلال کا عالم یہ تھا کہ وہ ان مقامات پر جاری کام کی پیش رفت جاننے کیلئے صبح کے اوقات کے دوران بھی ٹیلی فون کرتے تھے۔ ''رسائی'' یقینی طور ان کے طرز انتظامیہ کی ایک کلید تھی۔

مفتی محمد سعید صاحب چاہتے تھے کہ کشمیر کو عالمی سکینگ نقشے پر تسلیم کیا جائے۔ اس خواب کو حقیقت میں بدلنے کیلئے گلمرگ گنڈولہ کے دوسرے مرحلے کی

تکمیل لازمی تھی۔اس پروجیکٹ کا تکنیکی پہلو سخت تھا ۔ رقومات، مشینوں کو وہاں پہنچانے، دشوار گزاری اور موسمی حالات کا بہت بڑا چلینج درپیش تھا۔ مفتی صاحب نے ازخود پروجیکٹ کی نگرانی کی۔وہ چاہتے تھے کہ پروجیکٹ کو وقت مقررہ کے اندر پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے، لہٰذا انہوں نے کئی مرحلوں پر ذاتی مداخلت بھی کی۔ وہ اس میں کامیاب ہوئے اور دنیا کے اونچے کیبل کاروں میں سے ایک، گلمرگ گنڈولہ کے دوسرے مرحلے کو مئی 2005ء میں عوام کے نام وقف کیا گیا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ گلمرگ گنڈولہ نے شہرۂ آفاق سیاحتی مقام گلمرگ کو سکینگ کے عالمی نقشے پر ایک منفرد مقام دلایا۔ موسم سرما کے دوران گلمرگ کی سیر پر آنے والے سیاحوں کی تعداد میں قابل قدر اضافہ ہوا ہے اور پروجیکٹ کے دوسرے مرحلے سے اب تک کی سرمایہ کاری کے مقابلے میں بیس گنا آمدن حاصل ہوئی ہے۔

مجھے اور میرے ساتھیوں کے علاوہ سینئر افسران کو کئی ممالک کا دورہ کر کے کئی سفری میلوں میں ریاست جموں وکشمیر کی نمائندگی کرنے کا موقعہ ملا۔ یہ بھی مفتی صاحب کا ہی نظریہ تھا کہ افسروں کو ایسے مواقع دئے جائیں تا کہ وہ ازخود ان حالات کا مشاہدہ کرسکیں جو دنیا کے دیگر حصوں میں سیاحت کے تعلق سے اپنے جارہے ہیں تا کہ یہ آفیسر صاحبان ان تجربات اور اپنے خیالات کو اپنے وطن میں بروئے کار لاسکیں۔

مجھے ذاتی طور پر اس بات کا یقین ہے کہ مفتی صاحب سیاحت کے تعلق سے ایک حقیقی دوراندیش شخص تھے، کیونکہ وہ زمینی سطح پر کسی بھی کارروائی کی تفصیلات اور نتائج پر باریک نگاہ رکھتے تھے۔ایک مختصر مدت کیلئے ریاست کے وزیر اعلیٰ اور وزیر سیاحت کی حیثیت سے ریاست جموں و کشمیر کو دنیا کا ایک بہترین سیاحتی مقام

بنانا ان کی خواہش تھی۔ اعلیٰ معیاری سیاحت کیلیئے گالف کورسز، کانفرنس سہولیات، ہوٹل اور دیگر خدمات کی فراہمی جیسے بین الاقوامی معیار کے سیاحتی ڈھانچے کے قیام اور فروغ کیلیئے انہوں نے دن رات کام کیا۔

جموں وکشمیر کیلیئے ایک نظریہ چھوڑ کر بد قسمتی سے مفتی صاحب اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ یہ ہمارا لئے لازمی بنتا ہے کہ ہم اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کر کے ان کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کی انتھک کوشش کریں۔

....

(انگریزی سے ترجمہ: سید مبشر رفاعی)
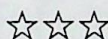
☆☆☆

☆☆☆

☆......ڈاکٹر راجہ مظفر بٹ

مفتی صاحب کی میزبانی۔۔۔دو یادگار ملاقاتیں

میں پہلی بار 2006ء میں مفتی محمد سعید سے ان کی گپکار رہائش گاہ پر ملا، جب پی ڈی پی اور کانگریس کی ملی جلی سرکار تھی اور غلام نبی آزاد نے ریاست کے وزیر اعلیٰ کی کرسی سنبھالی تھی۔ میں نے اور میرے کچھ ساتھیوں نے مفتی صاحب کے ساتھ ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی اور اس کے لئے وقت کا تعین ہوا تھا۔ شام کے تقریباً چھ بجے ہم ان کی رہائش گاہ پر پہنچے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کا تعارف دیا اور مفتی صاحب سے سیاست، انتظامیہ، سیاحت اور دیگر معاملات سے متعلق سوالات پوچھنے لگا۔ وہ کافی دوستانہ ماحول میں تقریباً دو گھنٹوں تک ہمارے ساتھ باتیں کرتے رہے اور اتنے میں ان کے عملے کا ایک آدمی ہال میں داخل ہوا۔ انہوں نے مفتی صاحب کو بتایا کہ ان کے رات کے کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔ مفتی صاحب نے ان کی طرف دیکھا اور کہا کہ "پٔھ کرتہٕ کھبن بتہٕ" (مہمان بھی کھانا کھائیں گے) لیکن ہم سب نے کھانا کھانے میں ہچکچاہٹ ظاہر کی۔ دس منٹ بعد مفتی صاحب نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ڈائننگ روم میں لے گئے۔ میرے باقی سب ساتھی بھی آ گئے۔ وہاں کچھ بہترین کشمیری ضیافتیں رکھی ہوئی تھیں اور ہم نے کھانا کھانا شروع

کیا۔ مفتی صاحب خود ہماری میزبانی کر رہے تھے جس کی وجہ سے ہم سب ندامت بھی محسوس کر رہے تھے۔ ہم کھانا کھا رہے تھے کہ مفتی صاحب نے مجھ سے کہا، ''مظفر! دیکھو میں کیا کھا رہا ہوں۔'' مجھے آج بھی یاد ہے کہ ان کی پلیٹ پر پسا ہوا ساگ اور ابلے ہوئے کابلی چنے کی ایک کٹوری تھی۔ ہم تقریباً رات نو بجے کھانے سے فارغ ہو گئے اور ہم نے ان سے رخصت طلب کی۔ جب ہم جا رہے تھے تو وہ اپنے گھر کے صدر دروازے پر بلغاریہ سیبوں سے بھری ایک پلیٹ لے کر آئے اور انتہائی محبت کے ساتھ ہمیں پیش کرتے ہوئے بولے، ''یہ ہمارے گھر کے باغیچے میں اُگتے ہیں۔'' ہم وہاں سے نکلے اور ان کی مہمان نوازی کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔

ستمبر 2012ء میں مفتی صاحب نے مجھے اپنے ساتھ ڈوڈہ اور کشتواڑ آنے کے لئے کہا۔ ان کی اہلیہ (بیگم صاحبہ) بھی ان کے ہمراہ تھیں۔ ہم نے رات پتنی ٹاپ میں گزاری۔ میں اپنے ایک دوست، شہنواز کے ساتھ جے کے ٹی ڈی سی کے ایک گیسٹ ہاوس میں رکا تھا، جو اُن کے گیسٹ ہاوس سے تقریباً دو سو میٹر کی دوری پر تھا۔ مجھے لگا کہ ہمیں اپنے ہی گیسٹ ہاوس میں رات کا کھانا دیا جائے گا، لیکن رات کے تقریباً آٹھ بجے ایک سیکورٹی اہلکار آیا اور ہمیں بتایا کہ مفتی صاحب نے ہمیں یاد کیا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ ہی رات کا کھانا کھائیں۔ ہم اپنے گیسٹ ہاوس سے باہر آئے اور کچھ دور چلنے کے بعد ان کے گیسٹ ہاوس پر پہنچ گئے۔ مفتی صاحب نے مجھے اور میرے دوست کو ہاتھ دھونے کے لئے کہا اور پھر انہوں نے اور ان کی اہلیہ (بیگم صاحبہ) نے خود ہماری میزبانی کی۔ دوسرے روز صبح ہم ڈوڈہ پہنچے۔ وہ پورا دن کافی مصروف رہے۔ دوپہر ایک بجے میں نے مفتی

صاحب کو بتایا کہ میرے ایک دوست (شہاب الحق) نے انہیں رات کے کھانے پر مدعو کیا ہے۔ مجھے پتہ تھا کہ وہ زیادہ کچھ نہیں کھاتے ہیں لیکن میری خاطر انہوں نے کہا، ''مظفر! ہم شہاب کے گھر پر چائے پئیں گے۔'' شام کے تقریباً پانچ بجے مفتی صاحب، میں، میرا دوست شہنواز اور کچھ دیگر لوگ شہاب کے گھر گئے۔ جب ہم واپس ڈاک بنگلہ پہنچے تو مفتی صاحب نے اپنے پی آر او، ایم کے دھر کو ہماری خیر و عافیت دریافت کرنے کے لئے دوبار میرے کمرے پر بھیج دیا۔ مفتی صاحب اپنے سبھی مہمانوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے تھے۔ خاص ہمارے لئے نہیں بلکہ وہ سب کے لئے ایسے ہی تھے۔

حاصلِ کلام------

''میں دیگر پانچ کشمیریوں کے ساتھ لائیولی ہڈ (Liveli hood) تربیتی پروگرام کے لئے حیدرآباد میں ہوں۔ مجھے پتہ تھا کہ جب مفتی صاحب کو ایمز دہلی میں داخل کیا گیا تھا، وہ ٹھیک نہیں تھے، لیکن یہ بات میرے تصور میں بھی نہیں آئی تھی کہ وہ اتنی جلدی ہمیں چھوڑ کر جائیں گے۔ مفتی صاحب کے طریقے نے میری زندگی میں کچھ نقوش چھوڑے ہیں۔ کچھ وجوہات کی بنا پر میں ان سے پچھلے پانچ برسوں سے نہیں مل سکا اور مجھے زندگی بھر اس بات کا دکھ رہے گا۔ میں پُر امید ہوں کہ محبوبہ جی انتہائی لگن کے ساتھ مفتی صاحب کے مشن کو آگے لے جائیں گی اور ہمیں ان اہداف کے حصول کے لئے ان کے ہاتھ مضبوط کرنے ہوں گے۔''

....

(انگریزی سے ترجمہ: سید مبشر رفاعی)

☆☆☆

☆......موہن لال آش

مفتی محمد سعید

[موہن لال آش، مفتی صاحب کے ہم جماعت اور قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔آش صاحب نے تاریخی قصبہ بجبہاڑہ پر ایک تحقیقی کتاب تصنیف کر کے شائع کی۔ اِس کتاب میں آش صاحب نے قصبے کی تاریخی اور ثقافتی پہلوؤں کو اُجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ وہاں کی شخصیات پر بھی تعارفی مقالے شائع کئے ہیں۔ یہ کتاب قریب تین دہائی قبل شائع ہوئی ہے اور اِس میں مفتی محمد سعید پر شامل مضمون کو ہم یہاں قارئین کی دلچسپی کے پیشِ نظر شامل کر رہے ہیں۔ اِدارہ]

مفتی محمد سعید بجبہاڑہ کے مشہور و معروف علمی، ادبی اور مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔اُن کا شجرۂ نصب شیخ فتح الدین عبدالرحمان المعروف حاجؔ بابا سے جاملتا ہے، جو بابا نصیب الدین غازی کے خلیفہ اوّل مانے جاتے ہیں۔آپ 11/دسمبر 1936ء کو پیدا ہوئے۔ 1958ء میں علی گڑھ سے Law کی ڈگری حاصل کر کے سیاسی اکھاڑے میں اُتر گئے۔ ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس کی رکنیت حاصل کی۔ مفتی صاحب کے ڈی۔این۔سی میں شامل ہونے سے اس پارٹی کی عوامی ساکھ زیادہ مضبوط ہوئی۔ بخشی غلام محمد جیسے آدم شناس کو جب اس منچلے نوجوان کی صلاحیتوں کا علم ہوا تو اس نے مفتی صاحب کو خریدنے کے لئے دولت اور ثروت

کے دروازے کھول دیئے مگر لاحاصل۔ مفتی صاحب کے پائے استقلال میں جنبش تک نہ ہوئی۔ آخر پارٹی سے وفاداری، تدبر، حوصلہ مندی اور فہم فراست نے 1963ء میں مفتی صاحب کو قانون سازیہ جیسے پُر وقار ایوان میں پہنچادیا۔ آپ 1966ء میں نائب وزیر زراعت بن گئے۔ آپ کے ہی دور میں کشمیر سبز انقلاب کے دائرہ میں قدم رکھنے کے قابل ہوا۔ ایمونیا کھاد کا استعمال ہونے سے زمین کی پیداواری صلاحیت میں آٹھ گنا اضافہ ہوا۔ 20 فروری 1967ء کو علاقہ مراز زبردست بھونچالوں کی زد میں آ گیا۔ قیامت کی سردی میں لوگ ایک مہینے تک گھروں میں نہیں سوئے۔ تقریباً 33 بھیانک بھونچال ریکارڈ کئے گئے اور 200 کے قریب ہلکے جھٹکے محسوس ہوئے۔ کافی مکانات دب گئے اور بیشمار عمارتوں کو جزوی نقصان پہنچا۔ مفتی صاحب نے امدادی کارروائی کی جانچ کے لئے کھنہ بل ریسٹ ہاوس میں ایک ماہ تک کیمپ لگا کر عوام کے دُکھ اور مصیبت میں عملی شرکت کی۔

صادقؔ صاحب کی وفات کے بعد سید میر قاسم وزیر اعلیٰ مقرر ہوئے تو مفتی صاحب کو کیبنٹ درجے کا وزیر بنا دیا گیا۔ مفتی صاحب سمیت وزارت میں مندرجہ ذیل وُزرا شامل تھے: گردھاری لال ڈوگرہ، ترلوچن دت اور عبدالغنی خان۔ قاسم صاحب نے قلمدانِ وزارت سنبھالتے ہی تمام سیاسی قیدیوں مولانا مسعودی، غلام محی الدین قرہ، صوفی محمد اکبر وغیرہ کو رہا کر دیا اور بیگم شیخ محمد عبداللہ کے وادی میں داخل ہونے پر سے پابندی ہٹا لی۔ اسی دوران بنگلہ دیش وجود میں آ گیا۔ اس جنگ نے محاذ رائے شماری کی سیاسی سوچ میں تبدیلی پیدا کی اور مرزا محمد افضل بیگ، پارتھا سارتھی مذاکرات شروع ہوئے۔ ایک سمجھوتہ طے ہوا جس کے تحت سید میر قاسم کو اپنے ساتھیوں سمیت استعفیٰ دینا پڑا اور شیخ محمد عبداللہ نے 1975ء میں اس سمجھوتہ

کے تحت عنانِ حکومت سنبھالی۔ سید میر قاسم کو مرکزی حکومت میں وزیر بے قلمدان بنایا گیا اور مفتی محمد سعید صدر پردیش کانگریس مقرر ہوئے۔ بیرونی سطح پر کانگریس اور نیشنل کانفرنس میں ایکارڈ تو ہوا مگر اندر ہی اندر بغاوت کا لاوا اُبل رہا تھا۔ عوام کے دل میں ایکارڈ سے کوئی خوشی نہیں تھی۔ آخر یہ لاوا اس وقت پھوٹ پڑا جب اچانک 1976ء میں مفتی صاحب نے شیخ صاحب کے خلاف بجٹ سیشن میں عدم اعتماد کا بل پیش کر دیا۔ اسمبلی میں کانگریس پارٹی کی اکثریت تھی لہٰذا شیخ سرکار کی شکست دو ہاتھ دور رہ گئی۔ مگر یہ زبردست سیاسی قدم نہایت عجلت میں اٹھایا گیا تھا۔ مرکزی سرکار جو جنتا پارٹی کے ہاتھ میں تھی، اس سیاسی منظر کا باریک بینی سے مشاہدہ کرنے لگی۔ شیخ صاحب کی کرشمہ ساز شخصیت نے اس سیاسی معرکہ میں محاذِ جنگ کا نقشہ ہی پلٹ دیا۔ گورنر نے مفتی صاحب کو، جو کانگریس پارلیمنٹری پارٹی کے لیڈر تھے حلف دینے کے بدلے اسمبلی کو ہی برخاست کر دیا۔ شیخ صاحب اس غیر متوقع افتاد کی تاب نہ لا سکے۔ شیخ صاحب کی بیماری کی خبر جنگل کی آگ کی طرح ریاست میں پھیل گئی۔ عوام جو کل تک شیخ صاحب سے ناراض و نالاں تھے اپنے سارے شکوے اور شکایات بھول گئے۔ ان کے دل میں شیخ صاحب کے تئیں محبت اور پیار کا سمندر اُمڈ آنے میں دیر نہ لگی۔ شیخ صاحب کی عمر درازی وصحت یابی کے لئے جگہ جگہ دعائیہ مجالس آراستہ کی گئیں۔ اس غم ناک و فکر انگیز ماحول میں الیکشن کا اعلان ہوا تو لوگوں نے نیشنل کانفرنس کے حق میں اس اکثریت سے ووٹ کا استعمال کیا کہ اکثر کانگریس کنڈیٹوں کی ضمانتیں تک ضبط ہوئیں۔ شیخ صاحب کی وفات کے بعد فاروق صاحب وزیر اعلیٰ منتخب ہوئے۔ مفتی صاحب نے ایک حقیقت پسند لیڈر بن کر شکست کو تسلیم کر لیا اور بدلے ہوئے حالات میں پارٹی کو استحکام بخشنے کا بیڑا اٹھایا۔ مفتی صاحب نے

کانگریس کی قیادت کرتے کرتے اپنی ہمت، استدلال، انتظامی صلاحیت اور غیر معمولی ذہانت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ یہ اُن کی کوششوں کا ثمرہ ہے کہ کانگریس پارٹی ایک زبردست سیاسی طاقت بن کر اُبھری۔ مفتی صاحب کے دشمن بھی ان کی انتظامی صلاحیت کا لوہا ماننے لگے۔ ریاست کے ہی نہیں بلکہ ملک کے سیاست کار، دانشور، وکلاء اور ادیب مفتی صاحب کی اٹھان کو دلچسپی کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ تدبُر اور اس بار بھی مفتی صاحب نے پھر عجلت سے کام لے کر پولیٹیکل ایڈونچر کی شروعات کی۔ نیشنل کانفرنس کے چند ممبران اسمبلی کو کراس فلور کرا کے غلام محمد شاہ کی سربراہی میں وزارت کو حلف دِلوادیا۔ اس وزارت کی حمایت کرکے مفتی صاحب نے کانگریس پارٹی کے انجر پنجر ڈھیلے کر دیئے۔ اِدھر ڈاکٹر فاروق عبداللہ جو عوام سے کٹ کر رہ گئے تھے راتوں رات پھر منظر عام پر آ گئے۔ لوگوں نے ڈاکٹر صاحب کے جملہ خطا معاف کر کے ان کو پھر اپنی پلکوں پر بٹھایا۔ اس طرح مفتی صاحب ہی شیخ خاندان کی ہر دلعزیزی اور فاروق صاحب کی عوامی امیج کو زندہ کرنے میں غیر شعوری طور محمد ثابت ہوئے۔ مفتی صاحب 1986ء میں مرکزی وزارت میں وزیر سیاحت مقرر ہوئے اور تھوڑے عرصہ میں چند وجوہات کی بناء پر کانگریس پارٹی سے الگ ہو کر جن مورچہ میں شامل ہوئے۔

☆☆☆
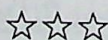
☆......محمد اشرف ٹاک

ایک مجلس......مفتی صاحب کے تعلق سے

دریائے جہلم کے کنارے میں چھوٹی بڑی پہاڑیوں کی آغوش میں بسا قصبۂ بیج بہاڑہ صدیوں سے علم و ادب، فن اور فنکاری، تجارت، مذہبی مقامات اور دیگر خصوصیات کی بناء پر مشہور ہے۔ کبھی اس کا نام وجے شِور، کبھی وجے وہار اور اس کے بعد بگڑتے بگڑتے یہی نام بیج بہاڑہ بن گیا۔ کلہن کی راج ترنگنی میں اِس جگہ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ علم وادب اور تجارت کا مرکز ہونے کی وجہ سے یہ جگہ عالموں، فاضلوں اور مذہبی شخصیات کی آماجگاہ بھی بنی رہی اور تاریخی کتابوں میں مذکور ہے کہ اِس مقام کو کبھی کشمیر کی راجدھانی ہونے کا شرف بھی حاصل رہا ہے۔ قصبے میں مختلف مقامات پر آثارِ قدیمہ کی موجودگی اِس بات کی شہادت پیش کرر ہے ہیں کہ یہ قصبہ دَورِ قدیم ہی سے شاد اور آباد رہا ہے۔ قصبے میں شاردا طرز کے مندر، خالص کشمیری طرزِ تعمیر کی زیارت گاہیں، قدیم سنگی کتبے، چوب کاری اور نقاشی کے دلآویز نمونے شانِ رفتہ کی داستان بیان کرر ہے ہیں۔ قصبے میں بعض ایسی قبریں بھی مشاہدے میں آتی ہیں جن پر عبرانی زبان میں کتبے تحریر ہیں جن کی بابت محققین کا ماننا

ہے کہ یہ قریب دو ہزار برس قدیم ہیں۔ اِس قصبے میں حضرت بابا نصیب الدین غازیؒ کا آستانۂ فیض پناہ بھی موجود ہے جو گزشتہ چار سو سال سے زائد عرصے سے مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ اِس آستانِ عالیہ کے احاطے میں سرکردہ بزرگانِ دین، عالم اور فاضل ابدی نیند سو رہے ہیں۔ قصبے میں موجود بادشاہی باغ اِس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ بادشاہوں کو بھی اِس جگہ سے خاص لگاؤ رہا ہے۔ اس قصبے میں وقتاً فوقتاً اہلِ دانش پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے اِس پورے خطے کی تاریخ پر اَپنے علم و دانش کی چھاپ چھوڑی ہے۔ اِن شخصیات میں نامور مفکر، دانشور، سیاستدان اور ریاست کے سابق وزیر اعلیٰ مفتی محمد سعید کا نام کئی خصوصیات کا حامل ہے۔

مفتی صاحب 7 رجنوری صبح کو مختصر سی علالت کے بعد اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے اور اُنہیں قصبے کے مشہور و معروف بادشاہی باغ میں سُپردخاک کیا گیا۔ اُن کی وفات کے ہفتوں بعد تک قصبے میں تعزیت داروں کا تانتا لگا رہا۔ جب تعزیت کرنے والوں کی تعداد کسی حد تک کم ہوئی تو ریاستی کلچرل اکادمی کے بعض اکابرین جن میں سیکریٹری اکادمی ڈاکٹر عزیز حاجنی، راقم الحروف اور اکادمی کے انگریزی شعبے کے سربراہ ڈاکٹر عابد احمد شامل ہیں، مفتی صاحب کے برادران، رشتہ داروں اور بعض قریبی دوستوں کے ساتھ تعزیت پُرسی اور فاتحہ خوانی کے لئے بیج بہاڑہ روانہ ہو گئے۔ قصبہ بیج بہاڑہ میں داخل ہونے کے ذرا سے پہلے سری نگر جموں شاہراہ پر سلیقے سے ترتیب دیئے گئے باغات کا ایک سلسلہ ہے اور اِسی سلسلے میں دریائے جہلم کے کنارے باغِ دارالشکوہ یا جسے عرفِ عام میں بادشاہی باغ کہتے ہیں، بڑی شان و شوکت کے ساتھ آباد ہے۔ فی الوقت، اِس باغ کے رکھ رکھاؤ کی ذمہ داری جموں و کشمیر بنک نے اپنے سر لی ہے۔ باغ احاطہ بند ہے اور اس کے صدر دروازے پر

قدیم مغل تعمیرات کے آثار امتدادِ زمانہ کے باوجود ثابت قدمی سے کھڑے ہیں۔
صدر دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی قدیم دیوہیکل چنار آنے والے کا استقبال
کرتے ہیں اور کچھ دیر کے لئے آدمی چناروں اور اس کے سائے میں باغ کی آرائش
میں کچھ کھوسا جاتا ہے اور داہنی سمت کچھ دیر چلنے کے بعد مفتی صاحب کی اَبدی قیام
گاہ نظر آتی ہے۔ قدرتی نظاروں اور کشادہ جگہ کے بیچ مفتی صاحب کی ابدی آرام گاہ
دیکھنے والے کے دِل و دماغ میں خود بخود عزت و احترام کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ یہ
جگہ جتنی کشادہ ہے اتنا ہی کشادہ مفتی صاحب کا ذہن و ضمیر بھی تھا۔ بہر حال، مفتی
صاحب کی ابدی آرام گاہ پر دُعائے مغفرت کے بعد ہم نے مفتی صاحب کے برادر
مفتی محمد امین کی رہائش واقع بابا محلّہ کا رُخ کیا جہاں مفتی صاحب کے بعض عزیز و
اقارب اور دوست واحباب پہلے ہی سے موجود تھے۔ جن میں حاجی عمہ جُو، محمد امین
ڈار ایڈوکیٹ، ماسٹر عبدالرحمٰن اور طاہر مفتی شامل ہیں۔ تعزیت پُرسی کے بعد دورانِ
گفتگو مفتی صاحب کے برادر مفتی محمد امین نے کہا کہ اُن کے والد کا نام مفتی غلام محمد تھا
جو محمد شاہ خاکی کی اولادوں میں سے تھے۔ مفتی غلام محمد نے تین نکاح کئے تھے۔ پہلے
نکاح سے مفتی محمد عبداللہ اور اس کی بہن تولّد ہوئی، دوسرے نکاح سے ایک لڑکی
خدیجہ پیدا ہوئی جن کی شادی بعد میں عیشمقام میں انجام پائی۔ تیسرے نکاح سے
مفتی محمد امین اور مفتی محمد سعید تولّد ہوئے۔ گھر پر دینی اور علمی ماحول تھا۔ کم سنی ہی میں
اُن کا داخلہ دار العلوم بیج بہاڑہ میں کیا گیا جہاں انہوں نے قرآنِ شریف کی ابتدائی
تعلیم حاصل کی۔ ساتھ ہی اُن کا داخلہ لور مڈل سکول بیج بہاڑہ میں کرایا گیا۔ بچپن ہی
سے وہ کم گفتار اور شریف النفس تھے لیکن طالبِ علموں کی راہنمائی کرنے کے ابتدائی
صلاحیتوں نے یہیں سے رنگ دِکھانا شروع کیا اور یہ صلاحیتیں روز بروز نکھرتی ہی

گئیں۔ اسی دوران اُن کا داخلہ انٹرمیڈیٹ کالج کھنہ بل میں کیا گیا۔ یہاں طالب علموں کو ساتھ لے کر چلنے کی اُن کی صلاحیتوں کو اور بھی جلا ملی اور میٹرک پاس کر کے اُن کا داخلہ ایس پی کالج سری نگر میں کرایا گیا جہاں سے اُنہوں نے گریجویشن کی۔ گریجویشن کے بعد آپ 59-1958ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے علی گڑھ چلے گئے۔ وہاں سے عربی میں ایم اے اور قانون کی ڈگری حاصل کی۔ علی گڑھ سے واپس لوٹنے کے بعد اُنہوں نے اننت ناگ کے ڈسٹرکٹ کورٹ میں وکالت شروع کی۔ اِس دوران قصبۂ بیج بہاڑہ میں خاص طور سے اور اننت ناگ ضلع میں عام طور پر سیاسی سرگرمیاں بہت ہی زوروں پر تھیں۔ مختلف سیاسی حلقے تشکیل پا رہے تھے۔ اِس طاقت کو یکجا کرنے اور اِسے تحریک کی شکل دینے کی اشد ضرورت تھی۔ اُن دِنوں بیج بہاڑہ میں خواجہ مصطفیٰ ٹاک ایک بڑی اثر دار شخصیت تصوّر کی جاتی تھی۔ مفتی صاحب نے اُن کے اور بعض معززین کے ساتھ میٹنگوں کا سلسلہ شروع کیا۔ آہستہ آہستہ لوگ اِن اِجلاسوں میں آنے لگے اور یہ جلسے کی صورت اختیار کرنے لگے، بلکہ ضرورت یہاں تک آن پڑی کہ یہ جلسے آستانۂ حضرت بابا نصیب الدین غازیؒ کے احاطے میں منعقد کئے جانے لگے جو کہ ایک وسیع و عریض جگہ تھی۔ اِن جلسوں میں اتحاد، یک جہتی، قصبے کی فلاح و بہبود کے نکتے ابھارے جاتے تھے اور آہستہ آہستہ مفتی صاحب علاقے کی پہچان بن کر اُس وقت کے وزیر اعظم بخشی غلام محمد، سید میر قاسم، پیارے لال ہنڈو، گردھاری لال ڈوگرہ اور دیگر شخصیات کے رابطے میں آگئے۔ چنانچہ 1962ء میں انہوں نے بیج بہاڑہ اسمبلی حلقے سے کامیابی حاصل کی۔ بطور رُکن اسمبلی انہوں نے اپنے حلقۂ انتخاب کی جی جان سے نمایندگی کر کے مقامی لوگوں کی داد و تحسین حاصل کی۔ 1967ء میں بھی انہوں نے اِسی حلقے سے

جیت درج کی اور صادق صاحب کی وزارت میں ڈپٹی منسٹر پھر 1972ء میں سید میر قاسم کی سرکار میں کابینہ وزیر کا درجہ حاصل کیا۔ بطور منسٹر، سری نگر میں تلسی باغ کا کوارٹر نمبر 5 ہمیشہ لوگوں کے لئے وقف رہتا۔ وہ ہر کس و ناکس سے ملتے اور جہاں تک ممکن ہوتا اُن کو درپیش مسائل اور مُشکلات کی دادرسی کرتے نظر آئے۔ آپ نے سیاست میں کبھی بھی ٹکراو کا راستہ اختیار نہیں کیا بلکہ اُن کے ساتھ ہمیشہ مرّوت اور احترام کے ساتھ پیش آئے۔ اپنے سیاسی نظریات کے بارے میں وہ ہمیشہ کہتے کہ ہمیں Within Country اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کرنی ہے۔ وہ جذباتی اور وقتی سیاسی شعبدہ بازی سے ہمیشہ دُور رہے۔ کوئی بھی قدم اُٹھانے سے پہلے خوب سوچ وچار کرنا اُن کی فطری عادت تھی۔ جب وہ منسٹر نہیں رہے تو اُن کو سری نگر میں اپنا مکان بنانے کی ضرورت پیش آئی۔ اِس مقصد کے لئے انہوں نے بیج بہاڑہ میں واقع اپنی موروثی زمین بیچ کر سری نگر میں زمین لی اور اس پر عام سا مکان بنوایا۔ اُن کی رہائش گاہ ہر خاص و عام کے لئے وقف تھی اور لوگوں کے درمیان رہ کر اُن کو سکون اور آسودگی ملتی تھی۔

دورانِ گفتگو مفتی محمد امین نے بتایا کہ بچپن میں جناب مفتی سعید، اپنی والدہ عائشہ آپا کی دُعاؤں کے طالب رہتے تھے اور ماں اُن کی صحت اور خوشحالی کے ساتھ ساتھ یہ دُعا مانگتی تھی کہ تم لوگوں کے کام آو اور خیر کرنے کا تمہارا جذبہ دور دور تک پہنچے۔ مفتی صاحب جب مرکز میں وزیر داخلہ تھے تب بھی اُن کے برتاؤ میں کوئی فرق نہیں آیا۔ دہلی میں جو بھی اُن سے ملنے جاتا اُس کی عزت اور تکریم کرتے اور اُن کے مسائل بڑی توجہ کے ساتھ سُنتے۔ کشمیر میں نامساعد حالات کا اُنہیں بہت دُکھ تھا اور اپنی قوم کو اِن دُکھوں سے باہر نکالنے کے لئے انہوں نے مرکز کے بجائے

ریاست میں رہنے کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنی سیاسی جماعت قائم کی۔ جس میں اُن کو عوام کا بھرپور تعاون حاصل ہوا۔ وہ اقتدار میں رہے یا اپوزیشن میں انہوں نے بڑی شائستگی کے ساتھ عوام کی خدمت کی اور یہی وجہ ہے کہ جب وہ اِس جہانِ فانی سے چلے گئے، عوام اُن کو انتہائی عزت اور احترام سے یاد کرتے ہیں۔

باتیں بہت ہی سی ہوئیں۔ علاقے کی علمی، ادبی اور ثقافتی روایات کے حوالے سے۔ خانوادۂ مفتی کے حوالے سے باتوں کا یہ سلسلہ کافی دیر چلا اور نشست کو مختصر کرتے ہوئے ہم حضرت بابا نصیب الدین غازیؒ کے آستانۂ عالیہ میں حاضری دینے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

☆☆☆

☆ شیرازہ اردو اور ہمارا ادب میں اشاعت کے لئے ارسال کرنے کے لئے اپنی نِگارشات صاف صاف اور کاغذ کے ایک ہی طرف لکھیں۔ تبدیلی پتہ/ یا فون نمبر بدلنے کی صورت میں ہمیں مطلع کرنا نہ بھولیں۔ (ادارہ)

☆☆☆

☆......وحید الرّحمٰن پرہ

مفتی صاحب کی پہلی ترجیح۔۔۔نوجوان نسل

مفتی محمد سعید چونکہ خود ایک بنیادی کارکن کے طور اُبھر کر ریاست کے سیاسی اُفق پر چھا گئے تھے، اُنہیں بخوبی علم تھا کہ ریاست کے نوجوان نسل کو کِن کِن مسائل و مُشکلات کا سامنا ہے۔ اُنہیں معلوم تھا کہ ایک عام آدمی کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کیا کیا لوازمات درکار ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے اس سمت میں انتھک کام کیا اور اُنہیں علم تھا کہ اُن کے پاس وقت بہت ہی کم ہے۔

مفتی صاحب ایک محنت کش کی طرح کام کرتے تھے۔ اِس دوران اُنہوں نے اپنی صحت کا بھی خیال نہ رکھا۔ اُنہیں پختہ یقین تھا کہ دائمی امن اور ترقی کے حوالے سے اُن کا خواب بھی شرمندۂ تعبیر ہوسکتا، جب ہند۔پاک تعلقات دوستانہ ہوجائیں گے۔ اگر کوئی نظریہ ہے کہ جس کی انھوں نے حد درجہ خواہش اور تمنّا کی تو وہ ہے امن اور ہندوستان اور پاکستان کے مابین دوستانہ تعلقات۔ ہندوستان اور اس کے عوام کی طرف سے مرحوم مفتی محمد سعید کے تئیں بہترین خراجِ عقیدت یہی ہوگا کہ ہندوستان اور پاکستان کے مابین اعتماد کی بحالی کے لئے پُر خلوص ہوکر کام کیا جائے جس کے لئے مرحوم تاعمر کوشاں رہے۔ اُنہوں نے ریاست میں پائیدار امن کے

قیام کا عہد کیا تھا۔ امن اور اعتماد کے ماحول کو تقویت بخشنے کے لئے مرحوم نے کوئی بھی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ وہ ایک مثالی کارکن تھے، جنہوں نے تمام رکاوٹوں کو عبور کر کے بس اپنے مافی الضمیر کی آواز سُنی۔ وہ اپنی کمنٹ مینٹ کے لئے جانے جاتے تھے۔ مرحوم کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنا ہمارا مقصود ہونا چاہئے۔ وہ خواب جو انہوں نے اپنے وطن مالوف اور برصغیرِ ہندو پاک میں امن اور خوشحالی کے حوالے سے دیکھا تھا۔ آئیں! یہ عہد کیا جانا چاہئے کہ ہم کشمیر کو پھر سے جنت نظیر بنائیں گے کیونکہ یہی مرحوم مفتی صاحب کا خواب تھا اور یہی اُن کے لئے سب سے بڑا اخراجِ عقیدت ہوگا۔ انتہائی نگہداشت والے وارڈ (آئی سی یو) میں زیر علاج رہنے کے باوجود بھی مفتی محمد سعید سیلاب متاثرین کے لئے امداد اور باز آبادکاری، ترقیاتی کام اور بجلی کی ترسیل اس سب سے متعلق تازہ جانکاری حاصل کرتے رہتے تھے۔ اپنی ناسازی طبیعت کے باوجود بھی مرحوم نے کئی مہینوں کی مختصر مدّت سرینگر کے 23 دورے کئے۔ اپنے کام اور فرض کے تئیں وفاداری کا جذبہ دیکھئے کہ مرحوم اپنی زندگی کے آخری دنوں تک بھی اپنے فرض کی ادائیگی کرتے رہے۔

اپنے عزمِ مصمم اور جہد مُسلسل کے ساتھ مفتی صاحب نے کشمیر کے تناظر میں ایک پلیٹ فارم تشکیل دیا تھا کہ جس پر مستقبل کے لئے نقشۂ راہ ترتیب دیا جاسکتا ہے۔ مرحوم کے اصول کشمیری عوام کے لئے رہنمائی کا کام دیتے رہیں گے۔ مرحوم کی وفات نہ صرف کشمیری عوام بلکہ پوری قوم کے لئے ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ اُن کی سیاسی سوچ نہایت پختہ اور مبنی بَر جمہوریت تھی، جس کے لئے مرحوم ہمیشہ یاد کئے جاتے رہیں گے۔ اپنی زندگی کے آخری اَیام مرحوم نے ریاست کے نوجوان کارخانہ داروں سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ اُن کا استدلال

سُننا چاہتے تھے، اُن سے بحث و مباحثہ کرنا چاہتے تھے اور اِس سے بڑھ کر یہ کہ وہ ریاست کے تابناک مستقبل کے لئے اِن نوجوانوں کو بااختیار بنانا چاہتے تھے۔ لیکن مرحوم ایسا نہ کر سکے کیونکہ تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ نوجوان کارخانہ داروں سے ملنے کی اپنے والد صاحب کی آخری خواہش پوری کرنے اور اِن نوجوانوں کا ہُنر پہچاننے کے لئے مرحوم کی دُختر محبوبہ مفتی ریاست کے نوجوان صنعت کاروں سے ملیں۔ یہ اپنے والد کی وفات کے بعد سے جنوبی کشمیر کی اِس ممبر پارلیمنٹ * کی پہلی میٹنگ تھی۔ محبوبہ مفتی نے اِن نوجوان کارخانہ داروں کو گھنٹوں غور سے سُنا اور اُنہیں ہر ممکن مدد کا یقین دلایا۔ بات چیت کے دوران محبوبہ مفتی نے کہا کہ مفتی صاحب ہمہ وقت نوجوانوں کی ترقی کے لئے فکرمند رہتے اور اُنہیں نوجوانوں کے کام، اُن کے ہُنر، صلاحیتوں اور دوسری صحت مند سرگرمیوں کا بخوبی اعتراف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ فیصلہ سازی میں نوجوان رہنماؤں کو ضرور شریک کرتے۔ مرحوم خود نوجوانوں کے نمائندہ اور ترجمان تھے۔

اب چونکہ مفتی صاحب نہیں رہے لہٰذا نوجوان نسل پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ریاست کی ترقی کے مفتی صاحب کے وِیژن کو آگے لے جانے کے لئے اپنی صلاحیتیں بروئے کار لائیں۔ ذمہ داری ہمارے اوپر آتی ہے کہ ہم ریاست کو نئی بُلندیوں پر لے جائیں۔۔۔۔

(انگریزی سے ترجمہ: روف احمد راتھر)

☆☆☆

* وحید الرحمٰن پرہ صاحب کی یہ تحریر مارچ 2016ء سے پہلے کی ہے۔ آج محبوبہ مفتی ریاست کی وزیر اعلیٰ ہیں جبکہ وہ جنوبی کشمیر کی پارلیمانی نشست سے مستعفی ہو چکی ہیں۔

☆......محمد طاہر سعید

مفتی محمد سعید: وہ جو سب کو ساتھ لے کر چلتے تھے

مفتی محمد سعید کے انتقال کے بعد ریاست میں جو سیاسی خلا پیدا ہوا اس کا مستقبل قریب میں پر ہونا ممکن نظر نہیں آ رہا ہے۔ مرحوم مفتی محمد سعید ریاست کے موجودہ سیاسی نقشے پر ایک قد آور اور دور اندیش سیاستدان تھے اور سیاست کے اس اعلیٰ مقام تک پہنچنے کے لئے انہوں نے تدبر اور استقامت کا مظاہرہ کیا۔ مرحوم چونکہ چھ دہائیوں تک ریاستی سیاست پہ چھائے رہے، میں قارئین کرام کو اپنے نقطہ نظر سے ان کی شخصیت کے بارے میں روشناس کرانا چاہتا ہوں۔ میں نے مرحوم کو ذاتی طور ہمیشہ ایک مدبر، دور اندیش، امن پسند اور اپنے لوگوں کے تئیں سنجیدہ و ہمدرد سیاستدان پایا۔ 60 سال پر محیط اپنے طویل سیاسی سفر میں مفتی صاحب نے کافی نشیب و فراز دیکھے اور مشکل حالات کے باوجود ان کے قدم کبھی بھی نہیں لڑکھڑائے بلکہ بہادری سے حالات کا مقابلہ کرتے رہے، نیز زندگی کی آخری سانس تک اپنے فرائض کے تئیں سنجیدگی کا مظاہرہ کیا۔ مرحوم، بستر علالت پر بھی عوامی معاملات اور مسائل کے تئیں فکر مند تھے اور اپنی صاحبزادی محبوبہ مفتی، جو ایمز میں اُن کی تیمار داری کے لئے ہمہ وقت موجود تھیں، سے ریاست کے حالات اور جاری ترقیاتی

پروجیکٹس کے بارے میں جانکاری حاصل کرتے رہے، حتیٰ کہ بستر علالت پر ہی اپنے پرنسپل سیکرٹری سے اپنے حالیہ فیصلوں اور ہدایات کی عمل آوری کے بارے میں اَپ ڈیٹ ہوتے رہے۔ مفتی صاحب ایک بہترین منتظم بھی تھے۔ 2002ء سے 2005ء اور حالیہ دس ماہ طویل دورِ حکومت میں انہوں دور اندیش اور بہتر منتظم ہونے کا قدم قدم پر ثبوت دیا اور عملاً دکھایا کہ کس طرح نظریاتی اختلاف ہونے کے باوجود سب کو ساتھ لے کر ریاست کا نظم ونسق چلایا جاسکتا ہے۔ آپ، ریاست جموں وکشمیر کی تعمیر وترقی اور خوشحالی کے وعدہ بند تھے۔ چلہ کلان کی سخت سردی کے باوجود انہوں نے گھنٹوں شہرِ خاص کا دورہ کیا اور اپنی صحت کا خیال رکھے بغیر شہر میں جاری ترقیاتی پروجیکٹس کا برسر موقع جائزہ لیا۔ آپ سرینگر کو ریاست کا دل مانتے تھے اور شہر سرینگر میں نہ صرف اپنی سربراہی والی حکومت کے آخری پروجیکٹ کا سنگِ بنیاد رکھا بلکہ یہیں آخری جلسہ سے بھی خطاب کیا۔ ایک ایسے وقت جب ہم اُن کے انتقال پر افسوس کر رہے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ان کے نظریۂ جموں و کشمیر پر بھی کچھ بات کریں۔ مفتی صاحب ریاست کو امن وامان کا گہوارہ بنانا چاہتے تھے اور ایسے نازک وقت جب کئی لیڈران گولی کا جواب بم سے دینے کی وکالت کر رہے تھے، مفتی صاحب امن کے وکیل بن کر سامنے آئے۔ انہوں نے پاکستان کے ساتھ بات چیت، امن عمل اور گولی کا جواب بولی سے دینے کی وکالت کی۔ اس کے نتیجے میں 2002ء سے 2005ء تک اُن کی وزارتِ عالیہ کے دوران سرحدوں پر جنگ بندی، پاکستان اور علاحدگی پسندوں کے ساتھ مذاکرات اور اعتماد سازی کے اقدامات کے طور پر کئی بند پڑے راستے کھول دئے گئے جس کے لئے انہیں ہمیشہ امن کے علمبردار کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔

2002ء میں جب مفتی صاحب نے ریاست کا اقتدار سنبھالا تو عوام کو احساسِ تحفظ دلانے کے لئے پوٹا قانون کی منسوخی کے فیصلے کے ساتھ انسانی حقوق کے تحفظ کو یقینی بنانے اور لوگوں کی جامہ تلاشیوں کو روکنے کے لئے عملی اقدامات کئے۔ اس سے ریاست میں ایک سازگار ماحول تیار ہوا۔ وہ اپنے فیصلے پر ہمیشہ قائم رہتے تھے اور انہیں یقین تھا جو فیصلہ وہ کرتے اس کے مثبت نتائج سامنے آئیں گے۔ اس وقت سرینگر میں تعینات جی او سی لفٹینینٹ جنرل وی جی پٹانکر نے مفتی محمد سعید کے انتقال کے بعد این ڈی ٹی وی ویب سائٹ پر شائع اپنے ایک مضمون میں اُن کے ایک فیصلے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ''مفتی کافی فکر مند تھے کہ سرینگر جموں شاہراہ صرف دن کو ہی گاڑیوں کی آمدورفت کے لئے کھلی رہتی ہے اور جب میں نے ان سے شاہراہ کو 24 گھنٹہ کھلا نہ رکھنے کی تفصیل کے ساتھ وجوہات بتائیں تو وہ مان گئے لیکن دوسرے روز مجھ سے کہا کہ میں نے شاہراہ کو 24 گھنٹہ کھلا رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں کئے گئے اعلان کو عوامی سطح پر کافی پذیرائی حاصل ہوئی۔ جیسے دن گزرتے گئے وزیر اعلیٰ کا فیصلہ صحیح ثابت ہوا۔ شاہراہ پر کسی پر طرح کی کوئی پریشانی نہیں ہوئی اور جب میں دوبارہ ان سے ملنے گیا تو انہوں نے مجھ سے واضح کرتے ہوئے کہا کہ یہ ہیلنگ ٹچ پالیسی کا ایک اہم حصہ ہے''۔

آپ مفتی صاحب کے سیاسی نظریات سے اختلاف کر سکتے ہیں لیکن جن حالات میں نے انہوں نے اپنی ایک الگ سیاسی پہچان بنائی اور ہمیشہ اپنے موقف پر ڈٹے رہے، اُس کے لئے وہ خراج تحسین کے مستحق ہیں۔ انہوں نے نہ صرف امن کی وکالت کی بلکہ سیاسی اور جمہوری اداروں کو بااثر بنانے کے ساتھ ساتھ ریاست کے لوگوں کو ایک سیاسی متبادل بھی فراہم کیا۔ مفتی صاحب جمہوریت کو

نظریات کی جنگ مانتے تھے اور ہمیشہ مخالف سیاسی آواز کو جگہ دینے کے لئے کوشاں رہے۔ ریاست میں ایک ہی سیاسی جماعت کا غلبہ تھا لیکن انہوں نے پی ڈی پی کی صورت میں ایک سیاسی متبادل فراہم کر کے لوگوں خاص کر نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کی۔

مفتی صاحب سے میری پہلی ملاقات 2011ء میں ہوئی۔ میں رفیع آباد ان کے جلسہ کی رپورٹنگ کرنے گیا تھا جہاں انہوں نے ریاست کو 1947ء سے قبل کی آزادی دینے کی بات کہی۔ میں اُن کی اس بات کو سمجھنا چاہتا تھا، اس لئے دوسرے روز ان کے دفتر فون کر کے ملاقات کا وقت مانگا۔ ایک گھنٹہ بعد ہی ان کے دفتر سے واپس فون آیا کہ دوسرے روز صبح ملاقات کا وقت دیا گیا ہے۔ آپ اپنے کمرے میں کرسی پر براجماں تھے اور ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ میرا استقبال کیا۔ باتوں باتوں میں انہوں نے میرے خاندان کے بارے میں جانکاری حاصل کی اور میرے نانا مرحوم کے ساتھ اپنی وابستگی کا ذکر کیا۔ رخصت ہوتے ہوئے میں نے جب مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تو مرحوم نے مسکراتے ہوئے کہا ''آپ کو سیاست میں آنا چاہئے۔ اب تو آپ نوجوانوں کا زمانہ ہے''۔ وقت گزرتا گیا اور میں نے مارچ 2014ء کو پی ڈی پی میں شمولیت اختیار کر لی اور چند روز بعد ہی اُن سے ملنے گیا، یہ مرحوم سے میری دوسری ملاقات تھی۔ بالکل اسی کمرے میں جہاں چند سال قبل میری ان سے پہلی بار ملاقات ہوئی تھی۔ اپنے مخصوص انداز میں مسکرا کر مجھے بیٹھنے کے لئے کہا۔ اس ملاقات میں زیادہ بات چیت پارلیمانی انتخابات اور کپواڑہ میں عوامی جلسوں کیلئے اہم مقامات پر ہی مرکوز رہی۔ آپ کپواڑہ کے سیاسی طور اہم علاقوں کا ذکر کرتے رہے اور میں حیران ہوا کہ وہ کپواڑہ میں سیاسی طور پر

حساس علاقوں کے بارے میں بہت زیادہ جانکاری رکھتے تھے۔ جب بات میرے علاقے میں عوامی جلسہ منعقد کرنے کی ہوئی تو مرحوم نے کہا'' آپ کپوارہ میں رہتے ہیں، یہ سیاسی طور پر اہم علاقہ ہے، میں آج کل زیادہ جلسوں کے لئے بنائی گئی مخصوص گاڑی میں بیٹھ کر ہی تقریر کرتا ہوں لیکن آپ وہاں میرے لئے سٹیج قائم کریں، جلسہ کی پوری ذمہ داری آپ کی ہے اور مجھے آپ کی تقریر بھی سنی ہے اور ہاں سیاست کو جزوقتی (Part Time) نہیں بلکہ کل وقتی (Full time) کے طور پر اختیار کرنا۔ آپ کا سیاسی مستقبل روشن ہے''۔ مرحوم کی یہ باتیں آج بھی مشکل اوقات میں مجھے آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتی ہیں۔

مفتی محمد سعید کی موت سے ریاست جموں وکشمیر کے لوگوں نے امن کے علم بردار اور زخموں پر مرہم لگانے والے ایک شفیق رہنما کو کھودیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے ان کی سیاسی لیگیسی کو آگے بڑھا کر اُن کے امن وترقی کے ادھورے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ 2002 سے 2005 تک امن وترقی کا جو کام انہوں نے شروع کیا، اُسے سیاسی حالات نے منطقی انجام تک پہنچنے نہیں دیا۔ آپ برصغیر میں امن کی فضا اور ریاست جموں وکشمیر کو ترقی اور امن کا گہوارہ بنانا چاہتے تھے اور اس مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانا مفتی محمد سعید کو بہترین خراج عقیدت ہوگا۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

☆☆☆

☆......شائبہ

ایک مکتوب نانا جان کے نام

پیارے ڈیڈی جی!

تین سال پہلے آپ نے مجھے یاد کیا، لگتا ہے پہلی مرتبہ۔ یہ اگست کا دن تھا۔ سُورج غروب ہو رہا تھا اور آپ نے مجھ سے کہا ''شائبو! جوتے پہنو''۔ وہی، بس وہی لمحہ تھا، کہ جہاں میں کہہ سکتی ہوں کہ ہمارا صحیح معنوں میں آپس میں تعلق جُڑ گیا۔

جب میں، نے سترہ سال کی عمر میں 76 سالہ مفتی محمد سعید کی طرف سے اُن کے ساتھ چہل قدمی کرنے کی پیشکش کو سُنا، تو میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی تھی کہ کِس چیز کی توقع رکھی جائے۔ میں نے یہ خیال کیا کہ آپ ہمارے باغیچے میں خاموشی کے ساتھ چہل قدمی کر رہے ہیں۔ میں خود راستہ پھلانگتے ہوئے آپ کو جان بوجھ کر تھکا رہی ہوں۔ میں تقریباً بیس منٹ کی سخت جسمانی مشقت کا تصوّر کر رہی تھی، وہ بھی اونچی چٹانوں پر۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے مجھے اپنے جوتوں کے تسمے باندھ کر اپنے ساتھ آنے کو کہا، میں نے ایک نظر اپنے والدین پر ڈالی تا کہ اِس

بات پر آمادہ ہونے سے پہلے اُن کی رضامندی لے لوں۔ خیر 20 منٹ ایک اوسط درجے کی سترہ سالہ لڑکی کیلئے کیا معنی رکھتے ہیں؟

پہلی مرتبہ کی اِس سیر کے دوران مجھے دو چیزیں سیکھنے کو ملیں۔ ایک یہ کہ میں آپ کو کبھی کسی سے کم تر نہ سمجھوں۔ دوم یہ کہ مجھے ممکنہ طور پر زیادہ سے زیادہ جسمانی ورزش کرنی چاہئیے۔ جن بیس منٹوں کو میں ذرا بھر بھی اہمیت نہ دیتی تھی، وہ دَر حقیقت میرے لئے ایک گھنٹے سے کم نہ ثابت ہوئے۔ آپ تیز تیز قدموں سے ہمارے باغ کے گرد چکر لگانے لگے اور میں چار و نا چار آپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ میں لمبے لمبے قدم اٹھانے لگی اور اچانک مجھے لگا کہ میری سانس پھول رہی ہے۔ میں نے آپ کو پانی کی پیشکش کی نہ صرف یہ جان کر کہ آپ اِسے قبول کریں گے بلکہ یہ سوچ کر بھی کہ آپ مجھے بھی اِس کی پیشکش کریں گے۔ تاہم ایک کھسیانی ہنسی کے ساتھ آپ نے دونوں میں سے کچھ نہیں کیا۔

ایمانداری کے ساتھ کہوں گی کہ پہلے پہل ہماری یہ سیر میرے لئے تکلیف دہ ثابت ہوئی۔ میں آپ کے ساتھ قدم سے قدم ملانے اور باہم گفتگو کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ تاہم میری یہ کوششیں رنگ نہ لاسکی۔ آپ نے مجھے ہمالیہ کی طرف سے آنے والی خوش کُن ہواؤں کا ساز سُننے کو کہا۔ میں نے سُنا۔ آپ نے مجھے شنکر آچاریہ مندر کی مسحور کن گھنٹیوں کی آواز سُننے کو کہا۔ میں نے وہ بھی سُنی اور آخر پر شُمال کی طرف سے آنے والی، جامع مسجد کی نمازِ مغرب کی آذان سُننے کو کہا۔ میں نے اِسے بھی سُنا اور سُنتی رہ گئی۔ حتیٰ کہ میں آپ کے ہم قدم چلنے لگی۔ یہ پہلی مرتبہ تھا کہ جب میں نے آپ کو وسیع، چمکتی ہوئی اور معصوم بھروسے سے پُر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا، جن میں مجھے کشمیر۔۔۔ آپ کا کشمیر دیکھنے کو ملا۔

آپ نے مجھے تاکید کی کہ میں نہرو، جناح اور گاندھی کی تصنیفات پڑھوں تاکہ میں وادیٔ کشمیر کی بنا کو سمجھ سکوں۔ تب آپ نے ہمارے لئے پہلگام، لداخ، سونمرگ اور جموں جانے کا انتظام کروایا۔ آپ نے مجھے داچھی گام میں واقع مچھلیاں پکڑنے کی بہترین جگہیں دکھائی۔ ساتھ ہی ڈل جھیل کے اُن مقامات کی سیر کرائی جہاں شکارے سکون واطمینان کے ساتھ پانی پر تیر رہے ہیں۔ آپ نے مجھے منہمک رکھا اپنے رازوں میں، اِس وادی کے رازوں میں اور پھر میں تھی کہ آپ کے ساتھ سیر کرنے کو پیش پیش رہتی۔ میں اِس بات پر ناراض ہو جاتی اگر آپ میرے بغیر ہی چلے جاتے اور میں سورج غروب ہونے تک آپ کا بے صبری سے انتظار کرتی رہتی۔ میری چاہت تھی کہ میرا کشمیر آپ کے کشمیر جیسا دِکھے اور میری خوش نصیبی کہ ایسا ہی ہوا۔ ہمارے خیالوں کی دُنیا ایک دوسرے میں ضم ہوگئی۔

عظمت، شہہ سرخیوں کے بُوجُوہ نہیں آتی۔ یہ تو اُس وقت آپ کے حصّے میں آتی ہے جب آپ کھُلے دِل سے اور ماتھے پر شِکن لائے بغیر اپنے دوستوں کے ساتھ اپنے حریفوں، مخالفوں اور اجنبیوں کا استقبال کریں گے اور اِس سے بڑی بات یہ کہ آپ اپنے جذبے اور جنون کو اپنے ہم نوا بنائیں گے۔ مجھے اِس چیز کی قطعی ضرورت نہیں کہ آپ کی عظمت کا بیان سُننے کیلئے اخبارات کی شہہ سرخیاں کھنگالوں۔ مجھے تو اِس کی ضرورت تھی کہ آپ کی روزمرہ کی زندگی کو دیکھ پرکھ لوں۔ بالآخر میں تو یہ سُننے کے لئے بے قرار تھی کہ آپ کے مُنہ سے، آپ کے پسندیدہ کشمیر کے متعلق سنوں۔ آپ نے مجھ سے جموں وکشمیر کے متعلق بالکل اِسی طرح بات کی جس طرح ایک معصوم بچہ اپنے مستقبل کا تصوّر کرتا ہے یا جس طرح ایک باپ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتا ہے۔

ہم دونوں بارش اور برفباری میں بھی لمبے سفر پر جایا کرتے تھے حالانکہ اس میں کبھی میرے والدین کی مرضی شامل نہیں ہوتی تھی۔ لیکن اِس سب کے باوجود میں اپنا چھاتا اور آپ اپنا گلو بند لے جایا کرتے اور ہم دونوں نئے نئے دلچسپ تجربات سے آشنا ہونے کے لئے نکل پڑتے۔ آپ کہا کرتے کہ برف تمہارے قدموں کے نیچے زیادہ نرم ہو جاتی ہے اور میں اس پر ہنس پڑتی۔ پسِ منظر میں مائیں اور دوسری خواتین ہماری طرف اشارہ کرتی رہتی۔ تاہم ہماری ہنسی اُنہیں خاموش کرتی۔ گرچہ یہ سب کچھ ایک کھیل ہوا کرتا۔ جب میں آپ سے پوچھا کرتا کہ آپ سرما کے ''چلہ کلان'' کو کیسے برداشت کر پائیں گے؟ آپ بے دھڑک جواب دیتے، ''سرینگر، کشمیر کا دِل ہے'' اِس جواب پر میں کتنا ہنس دیتی اور خود کو گرم رکھنے کے لئے تیز تیز قدم اٹھانا شروع کر دیتی۔ اگر موقعہ ملتا تو اَب کی بار میں تھوڑا مختلف جواب دیتی، ''ڈیڈی! کشمیر کا دِل وہاں ہے جہاں آپ ہیں''۔ حالانکہ مجھے پتہ ہے کہ اِس کا ردِ عمل آپ کی ایک مانوس سی مُسکراہٹ ہوتا۔

مجھے یاد ہے ہم دونوں دہلی، سرینگر، داچھی گام، پہلگام حتیٰ کہ بوسٹن بھی اکٹھے سیر کو نکلے ہیں۔ تاہم یہ بات تو طے ہے کہ جہاں جہاں ہم گھومنے نکلے، میں دو قدم آپ کے پیچھے ہی رہتی۔ یہ پیچھے رہنے کا عمل صرف سیر و تفریح کے معاملے تک ہی نہیں بلکہ کشمیر اور مجموعی طور پر پوری دُنیا سے متعلق میری اور آپ کی سوچ کے حوالے سے صادق آتا ہے۔ میں، آپ کی اولاد، باقی کشمیری بلکہ لگتا ہے کہ ہم سبھی اِس معاملے میں دو قدم پیچھے ہی تھے اور دوسرے معنوں میں آپ ہم سب سے دو قدم آگے تھے۔

اَب! اب تو یہ میرے لئے نہایت مُشکل اور تکلیف دہ ہوگا کہ جب میں

اپنی سیر کے دوران کسی کو بھی اپنے آگے نہیں پاؤں گی کہ جس کے پیچھے میں چل سکوں۔ تاہم یہ لمحہ نہایت خوش کُن اور پُر مسرّت بھی ہوگا۔ یہ جان کر کہ مفتی صاحب میرے پیچھے میرا حوصلہ بڑھا رہے ہیں۔ آپ کا ''ہیلنگ ٹچ'' (زخموں پر مرہم) ہماری رہبری و رہنمائی کرتا رہے گا اور ہمارے شانوں پر آپ کے حوصلے مند ہاتھ ہمیں آپ کے کشمیر کی تشکیلِ نَو میں ساتھ ساتھ رہیں گے۔

ڈیڈی! آپ کی کمی یقیناً محسوس تو ہوگی، لیکن آپ کو بُھلانا ناممکن ہے۔ میں! آپ کا خاندان، جموں وکشمیر کے عوام اور بحیثیتِ مجموعی سارے ہندوستانی، جو زندگی کے اِس سفر میں رواں دواں ہیں ہمیشہ ایک ایسی شخصیت کو یاد کرتے رہیں گے جو اپنے وقت سے بہت آگے تھی۔

خاکی جسم تو آتے جاتے رہتے ہیں۔ لیکن آپ کی جوش وجذبہ پیدا کرنے کی طاقت جو پہلے تھی وہ اب بھی ہے اور تا قیامت رہے گی۔

بے انتہا پیار کے ساتھ

آپ کی پوتی

شائبہ

....

(انگریزی سے ترجمہ: روف احمد راتھر)

☆☆☆

☆......ڈاکٹر حسرت حسین

مفتی محمد سعید............یادوں کے آئینے میں

بعض شخصیات ایسی غیر معمولی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں جن کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے زبان اور قلم بھی کانپ اُٹھتے ہیں۔ مفتی محمد سعید کو میں بچپن سے جانتا ہوں۔ یہ زمانہ کوئی 70-1969ء کے آس پاس کا ہے۔ اِن دنوں ریاست جموں وکشمیر میں ایک نئی سیاسی پارٹی معرض وجود میں آئی تھی جس کی قیادت اُس وقت کے چیف منسٹر غلام محمد صادقؔ صاحب کر رہے تھے۔ اس سیاسی جماعت نے شہر و دیہات میں اچھا خاصا نام کمایا تھا۔ یہ سیاسی جماعت ڈی این سی یعنی ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس تھی۔ اس کے ساتھ اور لوگوں کے علاوہ ترقی پسند سوچ کے لوگ بڑی دلبستگی کے ساتھ وابستہ تھے۔ بلکہ بعض نیشنل کانفرنسی اُنہیں ہنسی مذاق میں کیمونسٹ کا نام بھی دیتے تھے۔ اس سیاسی پارٹی کے ساتھ جو اور لوگ وابستہ تھے اُن میں صادقؔ صاحب اور مفتیؔ صاحب کے علاوہ ڈی پی دھر، سید میر قاسم، دیوی داس ٹھاکور، جسٹس جیا لال کلم، کشپ بندھو، عبدالکبیر وانی (کبہ صاب)، ستہ لالؔ، عبدالمجید بانڈے، محمد یعقوب بٹ، عبدالستار رنجور، امیر اللہ خان، عبدالعزیز زرگر،

کرشن دیو سیٹھی، رام پیارے صراف، پیارے لال ہنڈو، میر سجن، فاروق بڈگامی، غلام قادر پرے، عبدالاحد پرے، غلام رسول کار، غلام رسول ٹاک، غلام نبی کوکہ، خلیل محمد نیائک، زیڈ جی زاہد، جی ایم باون جیسے سیاسی قائدین شامل تھے۔

مفتی محمد سعید صاحب کے لئے یہ زمانہ سیاسی طور پر انتہائی نازک اور ولولہ انگیز تھا۔ آپ انہی ایام میں ریاست کی سیاسی کشاکش میں بڑے آب و تاب کے ساتھ شریک ہوئے۔ آپ اپنی قابلیت اور ذہانت کا لوہا منوانے میں کامیاب اور کامران ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے مفتی صاحب کو ہر سطح پر مالا مال کیا تھا۔ آپ ایک اعلیٰ پایہ کے وکیل بھی تھے اور ایک قدآور سیاسی قائد بھی، ایک بیباک رہنما اور ایک مخلص محبِ وطن بھی، ایک غریب پرور اور محنت کش لیڈر اور ایک اُنجمن ساز قائد بھی۔ آپ نے صادق صاحب اور قاسم صاحب سے استفادہ کیا اور یہ شاید آپ حضرات کی ہی شخصیت کے نقوش کا اثر رہا کہ آپ نے دمِ واپسیں تک اپنی مظلوم قوم کو اپنے جذبات کا ترجمان بنایا۔ آپ ہر وقت کسانوں اور کاشتکاروں، کامگاروں اور کارندوں کے دلوں میں سرائیت کر چکے تھے۔ بہر کیف، میرا مضمون چونکہ مفتی صاحب کی اس یادوں کی بارات سے ہے جو میں نے بچپن سے اپنے ذہن کے تہہ خانوں میں پیوستہ کی ہے۔

ڈی این سی سے پہلے مفتی صاحب شیخ صاحب کی زیر قیادت نیشنل کانفرنس کے ساتھ وابستہ تھے، مگر ایک مختصر مدّت کی سیاسی شراکت داری کے بعد مفتی صاحب نے نیشنل کانفرنس کو خیر باد کہا۔ مفتی صاحب نے اپنی سیاسی فکر کو پروان چڑھانے کے لئے ایک نئی راہ اختیار کر لی، حالانکہ اس نئی ڈگر پر چل کر آپ کو زندگی بھر سیاسی کشاکش کی بھٹی میں آزمائیشوں میں دوچار ہونا پڑا۔

سید میر قاسم کی وزارت کا سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی مفتی صاحب کی سیاسی تقدیر نے ایک کروٹ اختیار کی۔ صادق صاحب اور قاسم صاحب کے دورِ اقتدار میں آپ کو کچھ ایسے سیاسی معرکے طے کرنے پڑے جو قدم قدم پر تند و تیز سیاسی آندھیوں کی مانند تھے اور ایسے میں مفتیؔ صاحب سیاسی تلاطم کا شکار ہو گئے۔ ڈی این سی کا شیرازہ صادقؔ صاحب کے فوت ہو جانے کے ساتھ ہی بکھر چکا تھا تو دوسری جانب آپ جس سیاسی پارٹی کی قیادت پر مامور تھے اُس کی ساکھ ریاست میں نیشنل کانفرنس کے سامنے 1975ء میں اس نوعیت کی نہ تھی کہ آپ ریاست کے سیاسی اُفق پر بطور خاص اُبھر سکتے۔ لیکن سیاسی داو پیچ آڑے آئے۔

مفتی صاحب کے اُس سیاسی جذبے اور استدلال کی داد دی جانی چاہیے جو انہوں نے بحیثیت ایک مخالف سیاسی قائد کے نبھایا اور ایسے میں آپ اُن لوگوں کی ترجمانی کرتے رہے جو علاقائی سیاست کو مکڑے کے جال سے تعبیر کر کے مُلکی سیاست کو اپنا میدانِ عمل سمجھتے تھے۔ حالانکہ اس دوران مفتی صاحب پردیش کانگریس کو آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی کے دوش بدوش بڑی ہی مستعدی اور انہماک کے ساتھ چلانے میں پورے تن من دھن کے ساتھ مصروفِ عمل رہے۔ اس دوران کئی ایک بار اندرا جی کشمیر آئیں اور یہاں جلسوں اور جلوسوں میں جذبۂ خیر سگالی کے ساتھ شرکت کی۔ مفتی صاحب کی ہمت دیکھی جائے تو ایک ہی سکہ کے دو رُخ ہیں۔ آپ نے جہاں اپنے سیاسی سفر میں بیسیوں معرکے طے کئے وہاں آپ قدم قدم پر نت نئی سیاسی محاذ آرائی کو اپنا مقدر سمجھتے رہے۔

مفتی صاحب کو سیاسی طور پر کافی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ 1990ء کے وسط کے پارلیمانی چناؤ میں آپ نے نیشنل کانفرنس کے اُمیدوار محمد یوسف ٹینگ

صاحب کو ہرا کر جنوبی کشمیر کی اننت ناگ سیٹ اپنے نام کر دی۔ اس طرح مفتی صاحب کی سیاسی دلچسپیاں مزید بڑھ گئیں۔ آپ آر ایس پورہ اور غازی آباد یوپی سے بھی الیکشن لڑنے میں کامیاب ہوئے۔ جہاں شیخ صاحب کے ساتھ مفتی صاحب کی از حد سیاسی چشمک رہی وہاں یہ چشمک ڈاکٹر فاروق عبداللہ کے ساتھ بھی رہی، حالانکہ ڈاکٹر فاروق عبداللہ اور مفتی صاحب کے درمیان دوستی بھی تھی۔

مفتی صاحب کے قریبی دوستوں میں جو لوگ شامل رہے اُن میں ڈاکٹر کرن سنگھ، مکھن لال فوطیدار، منگت رام شرما، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مفتی صاحب نے 1999ء میں پی ڈی پی کا تصور پیش کیا۔ مفتی صاحب چاہتے تھے کہ دونوں ممالک کے درمیان ایک ایسی راہ تلاش کی جائے جو عوام کو آر پار ایک مضبوط اور مستند سیاسی دائرے میں جگہ دے۔ غالباً آپ کی سیاسی بصیرت Political Vision میں کشمیر کو ایک Buffer State کا درجہ دیا جانا طے تھا۔ چنانچہ آپ نے جو سیاسی زاویہ پیش کیا اُس میں غالباً انہی چیزوں کی کھُل کر نشاندہی کی گئی تھی۔ مثلاً

۱۔　آر پار تجارت کو فروغ۔

۲۔　دوہری کرنسی Dual Currency کو میں فروغ دیا جائے۔

۳۔　خطۂ کشمیر کو عالمی سیاحتی منظر نامے یعنی Global Tourist Map کے زُمرے میں لایا جائے۔

غالباً اِسی سیاسی بصیرت کے تناظر میں مفتی صاحب نے Healing Touch کا نعرہ دیا اور اِسے عملی جامہ پہنا کر ایک ریاست گیر اور عالمگیر صورت دے کر عملانے کے متقاضی تھے۔ مفتی صاحب کی Diplomatic

Strategy اپنی معنویت اور انتعاش پسندی کی ایک جیتی جاگتی تصویر کی غماز تھی۔

سرینگر اور جموں میں مفتی صاحب کے کئی خاص الخاص دوست تھے جنہیں جنون کی حد تک آپ سے محبت تھی۔ اُن میں سرینگر ٹائمز کے مدیر اعلیٰ جناب صوفی غلام محمد اور جموں سے Kashmir Times کے مدیر اعلیٰ جناب وید بھسین صاحب۔ آپ دونوں حضرات مفتی صاحب کے سیاسی افکار سے پوری طرح باخبر تھے۔

یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ مفتی صاحب اپنے ورکروں میں جنوں کی حد تک مرغوب تھے۔ آپ کے حامی انہیں اپنا سچا محسن اور مربی جانتے تھے۔ مفتی صاحب نے نیشنل کانفرنس کے خلاف 1987ء کا الیکشن دونوں نشستوں پر ہارا اُس وقت بیسیوں کارکنوں کو مفتی صاحب نے صبر و تحمل سے کام لینے کو کہا۔

مفتی صاحب کی انسان دوستی اور مذہبی رواداری بھی آپ اپنی مثال آپ تھی۔ سابق اسمبلی میں جب آپ اننت ناگ کانسچوینسی کی نمائندگی کر رہے تھے۔ اُس وقت ہمارے ایک پرانے دوست اور مفتی صاحب کے قریبی ہم عصر شام لال پردیسی کے ایک رشتہ دار کی شادی جموں میں ہونے والی تھی۔ آپ نے شادی میں مفتی صاحب کو بھی بُلایا تھا۔ مفتی صاحب وہاں پہنچے، وہاں اور سیاسی لیڈر بھی تھے جن میں محمد یوسف تاریگامی، بھوشن لال بھٹ وغیرہ تھے۔ عصرانہ کے بعد سب لوگ چلے گئے مگر مفتی صاحب سے رہا نہ گیا۔ آپ جذباتی ہوگئے اور کہنے لگے:

"ہے سال تہٕ کھیوٚو، مےٚ پٕھر آوی دوشوَے اتھہٕ، مےٚ دوٚپ کاشُر آیہٕ کھیموٗ سال۔ مگر ستی چھُ اَسہٕ پٔتھ وأجب گٕلی میوٚٹھ کرُن۔ أسی کیاہ زِ مٔشراوٚ وپٔنُن کلچر۔۔۔ أتھی منز ژھُن مفتی

صأبن پنہٕ نِس چندَس اتھہٕ تہٕ اَتہٕ کَڈٕنی ساٗسنہِ کاہہ تہٕ پلہٕ ناٗوِن مہاراز َس کنِتھ بطورِ گلی میوٗٹھ"۔

4/اپریل 1979ء کو جب کشمیر میں تشدد پھوٹ پڑا اور جنوبی کشمیر کا کولگام علاقہ اِس کی لپیٹ میں آ گیا۔ جگہ جگہ ذُولفقار علی بھٹو کے حامیوں نے جلوس اور مظاہرے کئے، ضیاالحق کے خلاف نعرے لگائے گئے اور کروڑوں کی املاک کو دیکھتے ہی دیکھتے خاکستر کر دیا گیا۔ تشدد نے ایک ایسی صورت اختیار کی کہ سرکار ششدر رہ گئی۔ اس دوران کولگام وعلاقے میں کئی ایک انسانی جانیں بھی چلی گئی۔ اُس وقت بھی مفتی صاحب چپ نہیں بیٹھے۔ مختلف جماعتوں کے کارکنوں کی باز آبادکاری کے لئے سرکار کے سامنے اپنی گزارشات پیش کیں۔ اس پُر تشدّد آگ و آہن میں مفتی صاحب نے اپنی سیاسی بصیرت کا بیّن ثبوت پیش کیا۔

مفتی محمد سعید اور غلام نبی آزاد اگر چہ کئی ایک دہائیوں تک ایک دوسرے کے دوش بدوش رہے مگر 2002ء کی اسمبلی کے اواخر میں آپ حضرات کے مابین سیاسی اختلاف پیدا ہوا۔ بہر کیف سیاسی تناتنی اور مصلحت پسندی ایک ہی سکے کے دو روپ ہیں۔ چنانچہ مفتی صاحب کے انتقال کر جانے پر نہ صرف کانگریس کی صدر سونیا گاندھی جی محبوبہ مفتی جی کو تعزیت کے لئے موصوفہ کی سرکاری رہائش گاہ گپکار پہنچ گئیں بلکہ غلام نبی آزاد صاحب نے مفتی صاحب کو آپ کی جہاں دیدہ اور دور اندیش سیاست دانی کے لئے یاد کیا۔ کانگریس پارٹی کے ایک اور لیڈر پروفیسر سیف الدین سوز نے بھی مفتی صاحب کی سیاسی بصیرت کو یاد کر کے آپ کے انتقال کر جانے کو ایک ایسے سیاسی تعطل سے تعبیر کیا جسے فوری طور پُر کرنا ممکن نہیں۔ اِس سے صاف ظاہر ہے کہ مفتی صاحب کانگریس کے سیاسی محاذ Political cadre کے

بہت نزدیک تھے۔

مفتی صاحب اور مودی جی کے تعلقات بھی بہت مثبت ثابت ہوئے۔ چنانچہ 2015ء کی حکومت سازی میں دونوں پارٹیوں کے سلوک انضباط Charter of Aaliance کو عملی شکل دینے میں دونوں پارٹیوں کا ایک مشترکہ لائحہ عمل ہے۔ مفتی صاحب ریاستی باجپا لیڈروں مثلاً ڈاکٹر نرمل سنگھ، شری جیتندر سنگھ کے بھی بہت قریب رہے۔ اس قربت داری کا بنیادی مقصد تھا کہ ریاست کے عوام کو رشوت ستانی کے رجحان اور اقربا پروری سے نجات ملے۔

مفتی صاحب کو نوجوانوں کی بیروزگاری دل برداشتہ کرتی تھی۔ آپ کا یہ خیال تھا کہ ریاست میں ہر کوئی شخص مالی طور پر خوش حال ہو۔

☆☆☆

☆......ڈاکٹر سمیر احمد

مفتی محمد سعید:
امن اور ترقی کا پیامبر

''اُن کے اوصاف بیان کرتے ہوئے وزیر اعظم کے دفتر میں تعینات وزیر مملکت جیتندر سنگھ نے کہا ''مفتی جی آزادی کے بعد پہلی پیڑھی سے لے کر موجودہ دور تک کی اُن شخصیات میں آخری تھے جواب تک زندہ تھے۔اُن کی وفات یقینی طور پر ایک بڑا نقصان ہے۔ان کی سب سے بڑی صفت یہ تھی کہ وہ پارٹی لائینوں سے اوپر اٹھ کر مختلف سیاسی نظریات اور خیالات کو ایک طرف چھوڑ کر ہر ایک کو ساتھ لے جانے کی صلاحیت رکھتے تھے''

مفتی محمد سعید ریاستی سیاست میں 1952ء میں شامل ہوئے۔اس وقت اُن کی عمر محض سولہ برس تھی۔اپنا سیاسی سفر انہوں نے ''ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس'' میں شمولیت حاصل کرنے سے کیا، جس کو بعض لوگ کانگریس کا متبادل اور نیشنل کانفرنس سے اَخذ ایک حصہ مانتے ہیں۔وہ اس جماعت کے ڈسٹرکٹ کنویز منتخب کئے گئے۔1962ء میں وہ بجبہاڑہ حلقہ انتخاب سے ریاستی اسمبلی کیلئے منتخب ہوئے

اور اس کے بعد پھر سے اگلے پانچ سال کیلئے اسی نشست پر دوبارہ منتخب ہو گئے۔ 1967ء میں اُس وقت کے ریاستی وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق نے انہیں اسمبلی میں نائب وزیر کی حیثیت سے نامزد کیا تاہم انہوں نے چند برس بعد ہی پارٹی سے کنارہ کشی اختیار کی اور انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہوئے۔ کانگریس کے دورِ اقتدار میں مفتی محمد سعید 1972ء میں کابینہ وزیر بن گئے۔ انہیں پردیش کانگریس کمیٹی کا صدر منتخب کرنے کے علاوہ کانگریس لیجسلیچر پارٹی کا قائد بھی بنایا گیا۔ ان کے سیاسی کیرئیر میں اُسوقت اتار دیکھنے کو ملا جب انہوں نے پے در پے دو الیکشن ہارے۔ انتخابات میں ہارنے کے باوجود انہوں نے سیاست میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس طرح ریاست میں جمہوریت کو مضبوط بنانے میں اہم رول ادا کیا۔ اس سے انہیں قومی سطح پر ایک اعلیٰ مقام پانے کا موقعہ ملا۔ چنانچہ انہیں 1986ء میں کانگریس کی قیادت والی مرکزی سرکار میں اُس وقت کے وزیر اعظم راجیو گاندھی نے سیاحت اور شہری ہوا بازی کے محکموں کا مرکزی وزیر بنایا۔ راجیو گاندھی نے جب 1987ء میں مفتی محمد سعید کو نظر انداز کر کے ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی واپسی کی راہ ہموار کی تو مفتی محمد سعید نے کانگریس پارٹی سے ناطہ توڑا اور وی پی سنگھ کی قیادت والی نئی پارٹی ''جن مورچہ'' میں شمولیت اختیار کر کے قومی سطح پر ایک اعلیٰ پوزیشن بنائی۔ 1989ء میں انہوں نے مظفر نگر اتر پردیش سے جنتا دل کی ٹکٹ پر لوک سبھا الیکشن جیت لیا۔ جن مورچہ کے بانی رکن اور اس جماعت کی بنیاد ڈالنے والے ایک ساتھی کارکن ہونے کے صلے میں وی پی سنگھ نے مفتی محمد سعید کو مرکزی کابینہ میں وزیر داخلہ کا عہدہ دیا۔ گذشتہ ساٹھ برسوں میں کسی کشمیری کا اتنے بڑے عہدے پر فائز ہونا پہلی بار ہوا تھا۔ اس کے باوجود مفتی محمد سعید ریاستی سیاست کے ساتھ جڑے

رہے اور ریاست میں امن اور جمہوریت کی بحالی کیلئے اپنا بھرپور رول نبھایا۔ دراصل یہ ان ہی کی تدابیر اور کانگریس و نیشنل کانفرنس کے ساتھ کا نتیجہ تھا کہ ریاست میں سات سال کے وقفے کے بعد انتخابات منعقد کرائے گئے۔

الیکشن کے بعد جب ریاست میں ملی ٹنسی کسی حد تک کم ہوئی تو مفتی محمد سعید اپنی دختر محبوبہ مفتی کے ہمراہ ان کنبوں تک پہنچے جو براہ راست متاثر ہو گئے تھے۔ دونوں نے ان کا دکھ درد بانٹا اور ان کے زخموں پر مرہم لگانے کی سعی کی۔ یہ ریاست کی مین سٹریم سیاست میں سے انسانی حقوق کی پاسداری کے حق میں اٹھنے والی واحد آواز تھی۔ یہ آواز 2002ء کے اسمبلی الیکشن کے بعد پی ڈی پی کی ''ہیلنگ ٹچ پالیسی'' کی صورت میں سامنے آئی جب پی ڈی پی نے کانگریس کے ساتھ سیاسی مفاہمت کر کے حکومت بنائی۔ مفتی محمد سعید نے 1999ء میں پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی تشکیل دی۔ اس پارٹی کی تشکیل انہوں نے اس لئے کی کیونکہ وہ گذشتہ برس ہا برس سے مرکزی اور ریاستی سرکاروں کے ریاست جموں و کشمیر کے تئیں اپروچ سے مطمئن نہیں تھے اور اس طرح وہ ریاست میں جمہوری طریقے پر اَمن کی بحالی چاہتے تھے۔ پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی ایک سیاسی جماعت کی حیثیت سے فروغ پا گئی۔ یہ سب کچھ مفتی محمد سعید کی ذہانت کی وجہ سے ہی ممکن ہوا۔ 2002ء میں سولہ نشستوں پر کامیابی حاصل کرنے کے بعد 2015ء میں اس جماعت نے 28 نشستوں پر کامیابی حاصل کر لی۔ 2014ء میں پارٹی نے چھ پارلیمانی حلقوں میں سے تین پر جیت درج کر لی۔

2002ء میں پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی نے کانگریس اور کچھ دیگر علاقائی جماعتوں سے مل کر مخلوط حکومت بنائی اور مفتی محمد سعید کو ریاست کے نویں وزیراعلیٰ کی

حیثیت سے حلف دلایا گیا۔اپنے دور اقتدار میں سربراہِ ریاست کی حیثیت سے انہوں نے تشدد کے گراف میں نمایاں کمی لانے ، خاص طور پر حقوق البشر کی خلاف ورزیاں کم کرانے اور عام ہلاکتوں کی تعداد میں کمی لانے میں اہم رول ادا کیا۔2002ء سے لے کر 2005ء تک کے ان کے دورِ اقتدار کو جموں وکشمیر کیلئے ایک نقطہ انقلاب کی صورت میں دیکھا جاسکتا ہے۔ان کے دور میں این ڈی اے (ا) کی طرف سے کئی اقدامات اٹھائے گئے جن میں پاکستان کے ساتھ مذاکراتی عمل ،حریت سے بات چیت ،ملی ٹنٹ گروپوں سے جنگ بندی معاہدہ، وادی کے لوگوں اور یہاں سے مہاجرت اختیار کرنے والوں کے اساتھ انسانیت کی بنیاد پر باز آبادکاری شامل ہیں۔ مفتی محمد سعید اور ان کی پارٹی نے 'ہیلنگ ٹچ پالیسی'' کی شروعات کیں جس کی مناسبت اٹل بہاری واجپائی کے اکثر دہرائے جانے والے نعرے''انسانیت کے دائرے میں'' کے ساتھ تھی۔اس کی خصوصیات میں ریاست میں قانون کی بالادستی قائم کرنا، نیم فوجی دستوں اور ایس او جی کے اختیارات وضع کرنا، انتظامی اصلاحات خاص طور پر یتیموں اور بیواؤں کیلئے کام کرنا، تعلیم اور صحت کے شعبوں میں نئی جہت لانا، سول سوسائٹی کو سپورٹ دینا، پریس اور میڈیا کی آزادی، جیسے اقدامات شامل تھے۔انہوں نے لیہہ اور کرگل کیلئے سرینگر سے براہ راست نظام چلانے کی بجائے علاحدہ پہاڑی ترقیاتی کونسلوں کا قیام عمل میں لایا۔ان کونسلوں نے آج تک علاقے کے لوگوں کی شکایات کا بڑی حد تک ازالہ کیا ہے۔بین الاقوامی سطح کے اقدامات کے تحت انہوں نے ہند پاک مذاکرات اور ''لائن آف کنٹرول'' کے آر پار بس سروس اور تجارت کی شروعات کیلئے نئی دلی کو راغب کرلیا۔سب سے اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے کشمیر مسئلے کے حل کی خاطر اہم

''سیلف رول دستاویز'' پیش کی۔

مفتی محمد سعید نے 2014ء کے اسمبلی الیکشن میں دوسری مرتبہ جیت حاصل کر لی اور وزیر اعلیٰ بن گئے۔ اس وقت ریاست کو بہت سارے چیلنجوں کا سامنا تھا۔ 2014ء کے سیلاب نے تباہی مچادی تھی۔ اس کے علاوہ ریاست کو انتظامی سطح کے مسائل درپیش تھے۔ اسی تناظر میں مفتی محمد سعید نے بھارتیہ جنتا پارٹی کے ساتھ سیاسی شراکت داری کا اعلان کر دیا۔ اس اختلاط پر کئی لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات ابھر گئے کیوں کہ دونوں جماعتوں کے خیالات اور نظریات میں واضح تضاد پایا جاتا ہے۔ بی جے پی کے ساتھ اشتراک پر انہیں حزب اختلاف کی تنقید کا لگاتار نشانہ بننا پڑا تاہم وہ اس بات پر ڈٹے رہے کہ اس اشتراک کی بدولت ریاست میں علاقائی، مذہبی اور بین الفریقی مسائل کا ازالہ ممکن ہوگا۔ دراصل اگر کم از کم مشترکہ پروگرام (CMP) کو دیکھا جائے تو مفتی محمد سعید کا مقصد ریاست میں ایک فعال، شفاف اور جواب دہ حکومت کا قیام عمل میں لانا اور نظریاتی اختلاف رکھنے کے باوجود سبھی متعلقین کے ساتھ بامعنی اور دیرپا مذاکرات کی شروعات تھا۔

سپریم کورٹ کے ایک سینئر ایڈوکیٹ اشوک بھان نے مفتی محمد سعید کی وفات پر لکھا کہ قوم نے ایک عظیم قائد، ایک زیرک منتظم، چیلنجوں اور کشمیر کے متضاد معاملات کے حوالے سے ایک ہنرمند اور باصلاحیت شخص کو کھو دیا۔

....

☆......انگریزی سے ترجمہ: غلام نبی شاکر

☆☆☆

☆......مسرّت دانش

مفتی محمد سعید: سیاسی اکابرین کا اظہارِ تعزیت

ریاست جموں و کشمیر میں اُس وقت غم کے بادل چھا گئے جب یہ دُکھ بھری خبر سامنے آئی کہ وزیر اعلیٰ مفتی محمد سعید اپنی زندگی کا سفر مکمل کر کے اس دارِ فانی سے رحلت کر گئے۔ بلند پایہ سیاست دانوں میں اپنا ایک منفرد مقام حاصل کرنے والے مفتی محمد سعید نے پانچ دہائیوں تک ریاست کے سیاسی منظر نامے پر اپنی چھاپ چھوڑی۔

کتنی مشکل زندگی ہی، کس قدر آساں ہے موت
گُلشنِ ہستی میں مانندِ نسیم ارزاں ہے موت

ریاست جموں و کشمیر کے بارہویں وزیر اعلیٰ 79 ربرس کی عمر میں 7 جنوری 2016ء کو آل انڈیا انسٹی چیوٹ آف میڈیکل سائنسز نئی دہلی میں انتقال کر گئے۔ پھیپھڑوں میں انفیکشن ہونے کی وجہ سے 24 ردسمبر 2015 کو علاج و معالجہ کے لئے انہیں ایمز میں داخل کیا گیا تھا جہاں وہ اس دارِ فانی کو الوداع کہہ گئے۔ ایمز کی ایک رپورٹ کے مطابق مرحوم مفتی محمد سعید ہائی بلڈ پریشر، گردوں اور جگر کے امراض

میں مبتلا تھے۔ انہیں دو ہفتوں تک ایمز کے انتہائی نگہداشت والے یونٹ (آئی سی یو) میں رکھا گیا تھا تاہم طبیعت زیادہ خراب ہونے کے بعد انہیں لائف سپورٹ سسٹم (وینٹی لیٹر) پر رکھا گیا تھا۔ وہ ریاست جموں وکشمیر کے ایسے تیسرے حکمران تھے جو برسرِ اقتدار وزیراعلیٰ کے طور وفات پا گئے۔ اُن سے پہلے غلام محمد صادق اور شیخ محمد عبداللہ بھی برسرِ اقتدار وزیراعلیٰ وفات پا چکے ہیں۔

مرحوم مفتی محمد سعید 12 /جنوری 1936ء کو بابا محلہ بجبہاڑہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں حاصل کرنے کے بعد انہوں نے ایس پی کالج سرینگر سے گریجویشن کی جس کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری کے علاوہ عربی اور ہسٹری میں ماسٹری ڈگری حاصل کی۔ کچھ عرصہ کے لئے وکالت کے پیشہ سے بھی منسلک رہے۔ مرحوم مفتی محمد سعید نے اپنے سیاسی سفر کا آغاز نیشنل کانفرنس کے ساتھ 1950ء کی دہائی میں کیا تاہم وہ زیادہ دیر تک این سی کے ساتھ نہ رہ سکے۔ ڈی پی دَر، سید میر قاسم اور جی ایل ڈوگرہ کے ہمراہ انہوں نے جی ایم صادق کی سربراہی والی ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس میں شمولیت اختیار کی اور انہیں ڈی این سی کا ڈسٹرکٹ کنوینر بنایا گیا۔ بعدازاں کانگریس میں شمولیت اختیار کر کے پارٹی کی یوتھ ونگ سے اپنا سیاسی سفر جاری رکھا۔ 1962ء میں وہ بجبہاڑہ نشست سے کامیاب ہوئے اور ریاستی اسمبلی کے لئے منتخب ہوئے۔ پانچ سال بعد پھر اِسی نشست سے کامیاب ہوئے۔ 1971ء میں غلام محمد صادق حکومت میں وزیر مملکت بنے اور ایک سال بعد 1972ء میں انہیں کابینہ درجے کا وزیر بنایا گیا اور قانون ساز کونسل میں وہ کانگریس پارٹی کے لیڈر بھی مقرر ہوئے۔ وہ 1975 میں کانگریس لیجسلیٹیو پارٹی کے لیڈر منتخب ہوئے بعد ازاں انہیں ریاستی

کانگریس کا صدر بھی منتخب کیا گیا۔ 1984ء میں جی ایم شاہ کانگریس کی حمایت سے وزیر اعلیٰ بنے تاہم 1986ء میں مفتی کی سربراہی والی ریاستی کانگریس نے غلام محمد شاہ کی حکومت سے حمایت واپس لی جس کے باعث ریاست میں گورنر راج نافذ کیا گیا۔ اسی دوران 1986ء میں رجیو گاندھی نے انہیں ریاستی سیاست سے الگ کر کے مرکزی حکومت میں سیاحت و شہری ہوابازی کا وزیر بنایا تاہم جب 1987ء میں راجیو فاروق ایکارڈ ہوا تو مرحوم مفتی محمد سعید بطور احتجاج مرکزی حکومت سے مستعفی ہوئے۔ کانگریس سے علاحدگی اختیار کر کے 1987ء میں وی پی سنگھ کے ساتھ مل کر جن مورچہ بنایا جس کے بعد 1989ء کے انتخابات میں جن مورچہ کی ٹکٹ پر اتر پردیش کے مظفر نگر پارلیمانی حلقہ سے الیکشن جیت کر بھارت کے پہلے مسلم وزیرِ داخلہ بنے اور نومبر 1990ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔ اسی دوران وزیر اعلیٰ ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی منشا کے برعکس گورنر کی تعیناتی کے خلاف بطور احتجاج فاروق عبداللہ مستعفی ہوئے اور ریاست میں پھر سے گورنر راج نافذ ہوا۔ 1996ء میں محبوبہ مفتی کے ہمراہ مرحوم نے کانگریس میں پھر سے شمولیت اختیار کی۔ 1998ء میں اننت ناگ پارلیمانی حلقہ سے کامیاب ہوئے اور اسی سال انہوں نے محبوبہ مفتی سمیت کانگریس چھوڑ کر اپنی علاحدہ پارٹی پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی کا قیام عمل میں لایا۔ صرف تین برس بعد یہی جماعت جموں و کشمیر میں برسر اقتدار آئی۔ سال 2002ء کے اسمبلی انتخابات میں پی ڈی پی کو 16 نشستیں حاصل ہوئیں اور کانگریس کے ساتھ مل کر ریاست میں مخلوط سرکار بنائی۔ اس مخلوط حکومت کے وزیر اعلیٰ مرحوم مفتی محمد سعید بنے۔ 2014ء کے اسمبلی انتخابات میں مرحوم کی جماعت نے 28 نشستیں حاصل کر کے یکم مارچ 2015ء کو بی جے پی کے ساتھ مخلوط سرکار

بنائی جسے ان انتخابات میں 25 اسمبلی نشستیں حاصل ہوئیں تھیں۔ اس بار بھی مخلوط سرکار کے وزیر اعلیٰ مرحوم مفتی محمد سعید ہی بنے۔ تقریباً ایک برس تک اس عہدے پر فائز رہنے کے بعد وہ اس دارِ فانی کو الوداع کہہ گئے۔ مرحوم ریاست جموں وکشمیر کی ترقی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔ انہوں نے ہیلنگ ٹچ پالیسی اور سیلف رول کو اپنا منشور بناتے ہوئے ہمیشہ ریاست میں امن، خوشحالی، ترقی اور وقار کو بحال کرنے کے لئے سیاسی جنگ لڑی۔ انہوں نے ریاست کی سیاسی پوزیشن کو بحال کرنے میں اہم رول ادا کیا۔ ہندوستان، پاکستان بات چیت کی بحالی میں انہوں نے اہم رول نبھایا۔ امن کی بحالی کے سلسلے میں مرحوم کو اُس وقت تمام حلقوں میں پذیرائی حاصل ہوئی جب انہوں نے سابق وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی کو سرینگر میں ریلی سے خطاب کرنے پر مدعو کیا جس کے ردِ عمل میں اٹل بہاری واجپائی کے ساتھ اٹھائے گئے کئی سارے اہم معاملات میں پیش رفت ہوئی۔ مرحوم نے ہمیشہ آر پار کی تجارت پر زور دیا تاکہ برصغیر کے سیاسی منظر نامے میں بدلاؤ آسکے اور اسی سلسلے کی کڑی کے طور پر سرینگر مظفر آباد اور پونچھ راولاکوٹ روڈ پر آمد ورفت شروع ہوئی۔

موت کے ہاتھوں سے مِٹ سکتا اگر نقشِ حیات
عام یوں اس کو نہ کر دیتا نظامِ کائینات

مرحوم مفتی محمد سعیدؒ کے جسدِ خاکی کو آل انڈیا انسٹی چیوٹ آف میڈیکل سائنسز سے پالم ایئر پورٹ نئی دہلی پہنچایا گیا جہاں وزیر اعظم نریندر مودی نے اُن کی میت پر گُل ہائے عقیدت نذر کئے اور پھر انہیں وہاں سے سرینگر لایا گیا جہاں کرکٹ سٹیڈیم میں ہزاروں لوگوں نے اُن کا جنازہ پڑھا۔ اس دوران وزیر داخلہ راجناتھ سنگھ، ڈاکٹر جتندر سنگھ، سابق وزیر اعلیٰ غلام نبی آزاد اور عمر عبداللہ کے علاوہ کئی دیگر

لیڈران موجود تھے۔ سرینگر سے جسدِ خاکی کو اُن کے آبائی گاؤں بجبہاڑہ (اننت ناگ) پہنچایا گیا جہاں انہیں سرکاری اعزاز کے ساتھ داراشکوہ باغ میں سپردِ خاک کیا گیا۔ وفات سے قبل مرحوم نے شہر سرینگر کا تفصیلی دورہ کیا تھا۔ اُن کی وفات پر ملک بھر میں تعزیت کا اظہار کیا گیا۔ اپنے تعزیتی پیغام میں صدر جمہوریہ پرنب مکھرجی نے اُن کی موت پر گہرے دکھ اور صدمے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مفتی محمد سعید نے جموں کشمیر اور ملک کے لوگوں کے لئے جو بڑی خدمات انجام دی ہیں ان کے لئے وہ ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ محبوبہ مفتی کے نام اپنے پیغامِ تعزیت میں انہوں نے کہا:

> ''مجھے آپ کے والد مرحوم اور جموں و کشمیر کے وزیر اعلیٰ مفتی محمد سعید کی موت سے سخت تکلیف پہنچی ہے۔ مفتی سعید مرحوم برسوں تک میرے رفیق کار رہے۔ انہوں نے اپنی یادگار سیاسی بصیرت اور دوراندیشی سے خود کو ہمیشہ منفرد رکھا۔ مفتی سعید مرحوم نے ہمیشہ جموں و کشمیر میں بہتر سیاسی و سماجی تبدیلی کے لئے کام کیا۔ جموں و کشمیر کے لئے ان کی خدمات ہمیشہ ناقابلِ فراموش رہیں گی''۔

نائب صدرِ جمہوریہ حامد انصاری نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ مفتی محمد سعید ایک ایسے زبردست مدبّر اور معروف قائد تھے جنہوں نے ریاست جموں و کشمیر کی فلاح و ترقی کے لئے بیش قیمت خدمات پیش کی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مفتی محمد سعید نے قومی مفاد کو دیگر تمام مفادات پر مقدم رکھا۔ وزیر اعظم نریندر مودی نے اپنے تعزیتی بیان میں مفتی محمد سعید کے انتقال کو قومی نقصان سے تعبیر کرتے ہوئے کہا

کہ اس سے ملک میں ایک خلا پیدا ہوا ہے اور ہیلنگ ٹچ دینے والے لیڈر کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ انہوں نے کہا:

> ''مفتی محمد سعید نے اپنی قائدانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے جموں کشمیر کا ہیلنگ ٹچ دیا، ہم سب انہیں یاد کرتے رہیں گے''۔

نریندر مودی نے مفتی خاندان کے ساتھ تعزیت اور ہمدردی کا اظہار کیا۔ گورنر این این ووہرا نے غمزدہ کنبے کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے مرحوم لیڈر کی روح کے امن وسکون کے لئے دعا کی ہے۔ مفتی سعید کے ساتھ اپنی طویل وابستگی کو یاد کرتے ہوئے گورنر نے انہیں ایک ایسا عظیم سیاستدان اور منتظم قرار دیا جو ریاست میں پائیدار قیامِ امن اور معمول کے حالات بحال کرنے کا عزم کئے ہوئے تھے تاکہ ریاست میں تمام محاذوں پر تیز تر ترقیاتی عمل کو یقینی بنایا جاسکے۔ گورنر نے مزید کہا کہ مفتی محمد سعید کے انتقال سے ریاست کی سیاست میں جو خلاء پیدا ہوا ہے اُسے آسانی سے پُر کرنا مشکل ہے۔ کانگریس چیئر پرسن مسز سونیا گاندھی نے تعزیت کا اظہار کرتے ہوئے انہیں ایک منجھا ہوا اور تجربہ کار سیاستدان قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ اُن کی موت سے جموں وکشمیر کی سیاست میں زبردست خلاء پیدا ہوگیا ہے۔ مرکزی وزیر داخلہ راج ناتھ نے وزیر اعلیٰ کی موت پر گہرے صدمے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مرحوم کو سماج میں رہنے والے غریب طبقہ جات سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی محبت کے لئے جانا جاتا ہے اور انہیں کشمیر سے متعلق پیچیدہ مسائل کی پوری سمجھ تھی۔ سابق وزیر اعلیٰ اور راجیہ سبھا میں حزب اختلاف کے لیڈر غلام نبی آزاد نے وزیر اعلیٰ کی وفات پر گہرے صدمے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مرحوم ایک سچے

جمہوریت پسند، قوم پرست اور عوام دوست سیاست دان تھے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے اُن کی موت سے کافی دکھ ہوا ہے اور میری ہمدردی اُن کے لواحقین کے ساتھ ہے۔ غلام نبی آزاد نے کہا کہ اُن کی موت سے ریاست جموں وکشمیر کے سماجی اور سیاسی حلقوں میں ایک خلا پیدا ہوگیا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ مرحوم کی اَنتھک کوشش اور مسئلے کو حل کرنے کی نمایاں صلاحیت نے انہیں ایک اہم لیڈر کے طور پر ظاہر کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مرحوم کو سیاسی، سماجی اور جمہوری حلقوں میں کافی دیر تک یاد کیا جائے گا۔ نیشنل کانفرنس کے صدر ڈاکٹر فاروق عبداللہ اور کارگزار صدر عمر عبداللہ نے پی ڈی پی سرپرست کے انتقال پر گہرے صدمے اور دُکھ کا اظہار کرتے ہوئے جملہ سوگواران خصوصاً اُن کی اہلیہ اور بچوں کے ساتھ دِلی تعزیت کا اظہار کیا ہے۔ دونوں رہنماؤں نے مرحوم کے حق میں دعائے مغفرت کی۔ مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ مفتی صاحب ایک منجھے ہوئے سیاستدان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین ایڈمنسٹریٹر تھے۔ مرحوم نے ملک اور ریاست میں بحیثیت وزیراعلیٰ اپنا کام بخوبی انجام دیا۔ انہوں نے کہا کہ مفتی محمد سعید کی وفات سے ریاست اور ملکی سیاست میں ایک خلاء پیدا ہوگیا جسے پورا کرنا ناممکن ہے۔ علاحدگی پسند لیڈر اور حریت (گ) کے چیئرمین سید علی شاہ گیلانی نے وزیر اعلیٰ مفتی محمد سعید کی رحلت پر ان کے لواحقین کے ساتھ تعزیت پرسی کرتے ہوئے کہا ہے کہ موت ایک اٹل حقیقت ہے اور بادشاہ ہو یا رعایا، اس سے کسی بھی ذی روح کو مفر نہیں ہے۔

موت تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اِک پیغام ہے

حریت (ع) کے چیئر مین میر واعظ عمر فاروق نے بھی مفتی محمد سعید کے انتقال پر تعزیت کا اظہار کیا۔ میر واعظ نے مرحوم کے اہلِ خانہ سے اپنی ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔ جماعت اسلامی کے امیر خواجہ غلام محمد بٹ نے مفتی محمد سعید کی وفات پر رنج وغم کرتے ہوئے ان کے لواحقین کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ اس کے علاوہ مرکزی وزیر اقلیتی امور نجمہ ہفت اللہ، مغربی بنگال کی وزیر اعلیٰ ممتا بنرجی، مرکزی وزیر رام ولاس پاسوان، آر جے ڈی کے سربراہ اور بہار کے سابق وزیر اعلیٰ لالو پرساد یادو، تامل ناڈو کی وزیر اعلیٰ کماری جے للیتا، اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ اکھلیش یادو، دلی کے وزیر اعلیٰ اروند کیجریوال، بھارتیہ جنتا پارٹی کے ایل کے ایڈوانی، رام مادھو، مختار عباس نقوی، ڈاکٹر جتندر سنگھ وغیرہ نے بھی مرحوم مفتی محمد سعید کی وفات پر تعزیت کا اظہار کیا۔ نائب وزیر اعلیٰ ڈاکٹر نرمل سنگھ نے وزیر اعلیٰ کے انتقال پر گہرے دُکھ کا اظہار کرتے ہوئے غمزدہ کنبے کے ساتھ اظہارِ ہمدردی کیا۔ اپنے تعزیتی پیغام میں ڈاکٹر سنگھ نے موصوف کے سیاسی کردار کو تاریخی قرار دیا۔ نرمل سنگھ نے کہا کہ مفتی محمد سعید نے پانچ دہائیوں سے زیادہ عرصے تک سیاسی میدان میں اپنا لوہا منوایا اور اُن کے انتقال سے ایک خلاء پیدا ہو گیا ہے جسے کبھی پُر نہیں کیا جا سکتا۔ جموں وکشمیر قانون ساز اسمبلی کے سپیکر کویندر گپتا نے اپنی اور اسمبلی سیکریٹریٹ کی طرف سے وزیر اعلیٰ مفتی محمد سعید کے انتقال پر گہرے صدمے اور دکھ کا اظہار کیا ہے۔ سپیکر نے کہا کہ مرحوم لیڈر وسیع سیاسی بصیرت اور تجربہ رکھتے تھے۔ انہوں نے مفتی محمد سعید کو ایک سچا محبّ وطن قرار دیا۔ نائب سپیکر نذیر احمد گریزی نے بھی محمد سعید کے انتقال پر گہرے صدمے کا اظہار کیا ہے۔ جموں وکشمیر ہائی کورٹ کے چیف جسٹس این پال وسنتا کمار کی صدارت میں منعقدہ ایک تعزیتی میٹنگ میں وزیر اعلیٰ مفتی محمد سعید کی

وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے سوگوار کنبے کے ممبران کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔ اپنے ایک تعزیتی پیغام میں چیف جسٹس نے کہا ہے کہ مفتی محمد سعید انتظامی مہارت کے لئے جانے جاتے تھے جنہوں نے نہ صرف ریاست جموں وکشمیر میں بلکہ ملک کی تاریخ میں اہم مقام بنایا ہے۔ عبدالرحمان ویری نے مفتی محمد سعید کے انتقال پر گہرے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے سوگوار کنبے سے ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔ اپنے تعزیتی پیغام میں ویری نے مفتی محمد سعید کے انتقال کو ملک خاص کر ریاست جموں وکشمیر کے لئے ایک نقصان قرار دیا ہے۔ سید محمد الطاف بخاری نے مفتی محمد سعید کی وفات پر گہرے صدمے کا اظہار کیا۔ الطاف بخاری نے کہا کہ مفتی صاحب کے انتقال سے ہم ایک بڑی اُمید سے محروم ہوگئے ہیں۔ ان کے انتقال کو قوم کے لئے ایک سانحہ عظیم قرار دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ریاست جموں وکشمیر عظیم رہنما سے محروم ہوگئی۔ غمزدہ کنبے کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ مفتی صاحب ہمارے کنبے کے ایک فرد جیسے تھے اوران کی وفات ہمارے لئے زبردست نقصان کا باعث ہے۔ عبدالمجید پڈر نے اپنے ایک تعزیتی پیغام میں غمزدہ کنبے کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے مرحوم لیڈر کی روح کے امن وسکون کے لئے دعا کی۔ پریا سیٹھی نے مفتی محمد سعید کے انتقال پر گہرے صدمے اور دکھ کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ مرحوم لیڈر وسیع سیاسی بصیرت اور تجربہ رکھتے تھے۔ پَون گپتا نے مفتی محمد سعید کو ایک ایسا مخلص اور عوام دوست لیڈر قرار دیا جنہوں نے ہمیشہ سماج کے کمزور طبقوں کی فلاح و بہبود کے لئے خود کو وقف کر رکھا تھا۔ پی ایم لیڈر اور ممبر اسمبلی محمد یوسف تاریگامی اور ممبر اسمبلی حکیم محمد یاسین نے بھی رنج وغم کا اظہار کیا ہے۔ کے اے ایس ایسوسی ایشن نے مفتی محمد سعید کے انتقال پر

افسوس کا اظہار کیا۔ چیئر مین ایمپلائیز کوارڈِنیشن کمیٹی نے سیکرٹریٹ ملازمین کی طرف سے مفتی محمد سعید کے انتقال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا۔ ریاستی چیف سیکریٹری بی آر شرما کے علاوہ تمام انتظامی سیکرٹریوں نے بھی وزیر اعلیٰ کے انتقال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا۔ نیشنل کانفرنس کے جنرل سکریٹری علی محمد ساگر، معاون جنرل سکریٹری ڈاکٹر شیخ مصطفیٰ کمال، صوبائی صدر ناصر اسلم وانی، دیوندر سنگھ رانا، سینئر نائب صدر چودھری محمد رمضان، سینئر لیڈران میاں الطاف احمد، محمد شفیع اوڑی، عبدالرحیم راتھر، محمد اکبر لون، شریف الدین شارق، قمر علی آخون، ڈاکٹر بشیر احمد ویری، الطاف احمد کلو، ایڈوکیٹ عبدالمجید لارمی، ڈاکٹر محمد شفیع، ترجمان اعلیٰ آغا سید روح اللہ مہدی، ترجمان جنید عظیم متو نے بھی اس سانحہ ارتحال پر تعزیت کا اظہار کیا۔ سابق مرکزی وزیر اور کانگریس کے سینئر لیڈر پروفیسر سیف الدین سوز، پی ڈی پی کے ترجمان اعلیٰ ڈاکٹر محبوب بیگ نے وزیر اعلیٰ کے انتقال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے اسے ریاست کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان قرار دیا۔ انہوں نے مرحوم کی جنت نشینی کی دعا کرتے ہوئے لواحقین سے تعزیت کی۔ عوامی نیشنل کانفرنس کی صدر بیگم خالدہ شاہ اور سینئر نائب صدر مظفر شاہ نے اپنے ایک مشترکہ بیان میں ریاست کے وزیر اعلیٰ کے انتقال پر گہرے دکھ کا اظہار کیا۔ نیشنل پنتھرس پارٹی کے سرپرستِ اعلیٰ پروفیسر بھیم سنگھ نے جموں وکشمیر کے وزیر اعلیٰ مفتی محمد سعید کے انتقال پر دکھ کا اظہار کرتے ہوئے انہیں ایک قد آور، بے داغ، قوم پرست لیڈر قرار دیا۔

مفتی محمد سعید کی وفات سے جموں وکشمیر کی سیاست میں جو خلا پیدا ہو گیا ہے اسے واقعی پُر کرنا ممکن نہیں، اُن کی دور اندیشی اور وسیع تجربے کی

Replacement دور دور تک نظر نہیں آ رہی ہے۔ 79 برس کے اس سفر میں انہوں نے کئی مرحلے طے کئے اور زندگی کے اُتار چڑھاؤ سے کبھی دلبرداشتہ نہ ہوئے۔ وہ اپنی لگن، محنت، سیاسی بصیرت اور سماجی بہبود کے لئے ہمیشہ یاد کئے جائیں گے۔ اللہ مغفرت کرے۔

مثل ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نُور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا۔

☆☆☆

☆......عشاق کشتواڑی

منظوم خراج عقیدت

یہ مانا کارِ عالم سے کنارہ کر گیا مفتی
مگر کیا موت کا اپنی نظارہ کر گیا مفتی

مسلم ہے کہ یہ عالمِ ازل سے دارِ فانی ہے — مسافر آتے جاتے ہیں، یہ جائے آنی جانی ہے
بہت مسرور کرتی ہے یہاں انسان کی آمد — مگر طابع نہیں اُس کے یہ اُس کی زندگانی ہے

اسی درسِ حقیقی کا اشارہ کر گیا مفتی
مگر خود کارِ عالم سے کنارہ کر گیا مفتی

بقائے امن کی خاطر نہیں کیا کچھ کیا اُس نے — کہ دامن شیخ و براہمن کا تدبر سے سِیا اُس نے
علم امن و اخوت کا لئے میدان میں اُترا — سہارا ذاتِ برحق کا یقیناً لے لیا اُس نے

بُلند پھر اس ریاست میں منارہ کر گیا مفتی
وہ طعنے حزب کے لاکھوں گوارا کر گیا مفتی

تیرے دربارِ عالی میں نگوں سر آگیا مفتی — یہی کچھ سوچ کر مولیٰ کہ پھر گھر آگیا مفتی
وزیری اِس کو دینا تو اُسے واں باغِ جنت کی — لو کشتِ نُند کا پیکر بُلند سر آگیا مفتی

زمین زیست سے مولیٰ کنارہ کر گیا مفتی
کہ اپنی بے گناہی کا کفارہ کر گیا مفتی

☆☆☆

☆......روبینہ میر

گلہائے عقیدت

گلشنِ کشمیر کے سرو و سمن ہیں سوگوار
آہ! مفتی تیرے جانے سے گئی ساری بہار
ساکنانِ شہر و بن ہیں تیرے غم میں اشکبار
تیری فُرقت میں ہے روحِ کشمیریت بھی بے قرار
تو زمانے کے لئے اک گوہرِ نایاب تھا
مُلک و مِلت کے لئے اِک جوہرِ کم یاب تھا

☆

تیرے اوصافِ جمیلہ کا کروں کیا کچھ بیاں
صبر کا کوہِ گراں اور عدل کا بحرِ رواں
محفلِ یاراں میں گویا مِثلِ بُوئے گُلستاں
اہلِ باطل کے لئے اِک برہنہ تیغ و سناں
منفرد تھی ذات تیری، مُنفرد تیرا مقام
منفرد تیری قیادت، مُنفرد تیرا پیام

☆

ظلم کے ہاتھوں سے تھا جب خونِ مظلوماں رواں
شہر تھے ماتم کدہ اور بستیاں محوِ فغاں
ہر طرف چنگیزیت کا دور دورہ تھا رواں
رونقِ زنداں تھے ہر سو مرد و زن، پیر و جواں
تیرے آنے سے مٹیں سب ظلم کی تاریکیاں
جگمگائیں آفتابِ عدل سے آبادیاں

☆

اہلِ وادی کے لئے تیری لحد مثلِ چراغ
یہ بتائے گی ہمیں ظلمت میں منزل کا سراغ
دل شکستہ حوصلہ پائیں گئے، ہوں گے باغ باغ
نا اُمیدوں کے لئے ہوگی اُمیدوں کا چراغ
تیری دختر تیرے خوابوں کی حسیں تعبیر ہے
جو بدل دے قوم کی حالت کو وہ تقدیر ہے

☆

روز و شب تیری لحد پر رحمتوں کا ہو نزول
فاتحہ خوانی روبینہ کی کرے مولا قبول
روزِ محشر کو تیرے سر پر ہو سایۂ رسولؐ
تاجدارِ انبیاؑ کی ہم نشینی ہو حصول

☆☆☆

☆...... سلیم سالک

چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

(مفتی محمد سعید کی بعض تقاریر سے اقتباسات)

سِول اور پولیس آفیسروں کی ایک میٹنگ سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ مفتی محمد سعید نے کہا:

''سِول اور پولیس انتظامیہ کے مابین قریبی اشتراک اور تعاون ریاست کی تعمیر و ترقی کے لئے لازمی ہے تاکہ نظام کو شفاف اور جواب دہ بنایا جاسکے۔ اضلاع مائکرو گورننس کے لئے بنیادی اکائیاں ہیں اور ان کی وساطت سے عام لوگوں تک پہنچا جاسکتا ہے اور ان کو فلاح و بہبود کیلئے حکومت کی طرف سے چلائی جارہی مختلف سکیموں سے فائدہ پہنچایا جاسکتا ہے۔ دُنیا کے مختلف ممالک میں، ''سِنگل ونڈو سِسٹم'' کامیابی کے ساتھ چلایا جارہا ہے جس کو متعارف کرانے اور کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے ہماری ضلعی اکائیاں بنیادی کردار ادا کرسکتی ہیں۔ اضلاع کے ذمہ داروں کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ بنیادی ڈھانچے کی تعمیر کے لئے اراضی کے حصول کو فوری طور یقینی بنائیں تاکہ ہائر سیکنڈری سکولوں، ضلع سطح کے دفاتر اور دیگر اداروں کی تعمیر میں حائل رُکاوٹوں کو دُور کیا جاسکے۔ مختلف جرائم خصوصاً منشیات کی

بدعت پر قابو پانے کے لئے کارگر اقدامات کرنے کی ضرورت ہے تاکہ نئی نسل کو اِس عفریت سے نجات دِلائی جائے اور اِس سے دور رکھا جا سکے۔ اِس سلسلے میں سوِل انتظامیہ، پولیس اور عوام اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور اُنہیں پورا کریں۔

....

۱۰ اپریل ۲۰۱۵ء کو ریاستی اسمبلی کے ایوانِ بالا میں گورنر کے خطبے پر شکریہ کی تحریک پیش کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ مفتی محمد سعید نے تمام سیاسی پارٹیوں پر زور دیا کہ ریاست میں امن اور ترقی کا نیا باب رقم کرنے کے لئے اپنا تعاون پیش کریں۔ اُنہوں نے کہا کہ ریاست میں سب سے مشکل دَور گزر گیا ہے۔ متاثرہ لوگوں کے زخموں پر مرہم رکھنے اور اُن کے آنسو پونچھنے کے لئے تمام سیاسی جماعتوں کو آگے آنا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ مخلوط حکومت کا ایجنڈا تمام فریقوں کو ریاست کی ترقی اور قیامِ امن کے لئے اپنے ساتھ لے کر چلے گا۔ انہوں نے کہا کہ ریاست میں آل انڈیا انسٹی چیوٹ آف میڈیکل سائینسز اور انڈین انسٹی چیوٹ آف منیجمنٹ کو سیاسی عینک سے نہیں دیکھا جانا چاہئے۔ ایک بار یہ دونوں ادارے کام کرنے لگ جائیں تو ریاستی عوام اِن سے مستفید ہوں گے اور ہمارے ہونہار نوجوانوں کو روزگار کے عمدہ مواقع فراہم ہوں گے۔ اُنہوں نے سماج کے لئے کشمیری پنڈتوں کے رول کو اُجاگر کرتے ہوئے کہا کہ اُن کے بغیر ہمارا مِلا جُلا تمدّن ادھورا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ حکومت پنڈتوں کی عزت اور وقار کے ساتھ کشمیر واپسی کی وعدہ بند ہے۔ اُنہوں نے اِس موقعے پر کشمیر میں پنڈتوں کی موجودگی کا تفصیل دیتے ہوئے بتایا کہ فی الوقت وادی کے مختلف علاقوں میں 7247 پنڈت اقامت پذیر ہیں۔ جن میں

638 اننت ناگ میں، 157 گاندربل میں، 395 پلوامہ میں اور 870 بڈگام میں شامل ہیں۔ اُنہوں نے ریاست میں شاہراہوں کی تعمیر وتجدید کی ضرورت اُجاگر کرتے ہوئے کہا کہ سری نگر جموں شاہراہ کے سب سے مُشکل رام بن بانہال حصے کی کشادگی کے کام کو معیاد بند اوقات میں پورا کیا جائے گا۔ اِس موقعے پر مفتی صاحب نے کہا کہ ایوان میں بحث ومباحثہ توازن قائم کرتا ہے۔ ایوان میں جو بحث ومباحثہ ہوا ہے اُس کے معیار سے مطمئن ہوں۔ انہوں نے وزراء کو ہدایت دی کہ وہ عوامی مسائل اور مشکلات حل کرنے کے لئے موجود رہیں۔

....

ایس۔کے۔آئی۔سی۔سی۔سرینگر میں سیلاب متاثرین میں ریلیف چیک تقسیم کرتے ہوئے وزیرِاعلیٰ مفتی محمد سعید نے کہا: "ریاست، سیلاب کی روک تھام کے لئے مرکز کو ایک جامع منصوبہ پیش کرے گی۔ اِس مقصد کے لئے دریائے جہلم کی ڈریجنگ کو ترجیح دی جائے گی۔ ریاست کے لئے گزشتہ 50 برس مشکلات سے بھرے رہے ہیں کیوں کہ ریاست سیاسی غیر یقینیت کا شکار ہے۔ میں انتخابات کے فوراً بعد وزیرِاعلیٰ بن سکتا تھا لیکن میرے کچھ اپنے اہداف ہیں۔ سیاست ناممکنات کو ممکنات میں مبدّل کرنے کا فن ہے لیکن اِس کے لئے امن شرطِ اوّلیں ہے۔ ریاست میں تمام فریقوں کے مابین بامعنی اور دیرپا مذاکرات کے لئے میری حکومت تمام تر وسائل بروئے کار لائے گی۔ 2002ء میں جب میں وزیرِاعلیٰ تھا، ہم نے کرگل سے لے کر کٹھوعہ تک کنٹرول لائن پر امن قائم کرنے کے لئے کامیاب تدابیر کی تھیں۔ میرا مقصد صرف وزیرِاعلیٰ بننا نہیں بلکہ وسیع اور جامع ترقی، امن اور جوابدہ

حکومت قائم کرنا ہے۔ ذرائع ابلاغ سماج کا اہم رُکن ہیں اور حکومت کی کامیابیوں کو اُجاگر کرنا اور اس کی کمیوں اور کوتاہیوں سے پردہ اُٹھانا اس کا فرض ہے۔

....

ایس۔ کے۔ آئی۔ سی۔ سی۔ میں 'بائرس سیلرس میٹ' میں اپنے خیالات کا اظہار کرتےہوئے مفتی صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا:

''کشمیری فنون اور دستکاریوں کی اپنی اہمیت، افادیت اور تواریخ ہے جو صدیوں سے پوری دُنیا کی پسندیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ یہاں روزگار کا اہم وسیلہ رہی ہیں۔ 'کشمیری برانڈ' دستکاریوں کو ہر قیمت پر تحفظ اور فروغ دیا جانا چاہئے تا کہ کشمیری دستکاریوں کے نام پر ملک اور بیرونِ ملک جو ناجائز کاروبار ہو رہا ہے اُس پر لگام لگائی جاسکے۔ ریاست نئی صنعتی پالیسی وضع کر رہی ہے جو روزگار کے مواقع پیدا کرنے اور ریاست کے ماحول کو برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ صنعتوں کے پھیلاؤ پر توجہ مرکوز کرے گی۔ ہماری ریاست کے فنکار، ہنرمند اور دست کار مبارکبادی کے مستحق ہیں جنہوں نے گزشتہ کئی دہائیوں کے دوران انتہائی نامساعد صورتِ حال کے باوجود ہنرمندی میں اپنی روایتوں کو سینے سے لگائے رکھا اور اِن کی آبیاری کی۔ یہ شعبے ریاست کی ترقی کے لئے انتہائی اہم ہیں اور حکومت اِن شعبوں کی کارکردگی مزید بہتر بنانے کے لئے تمام تر وسائل بروئے کار لائے گی۔ اضافی انڈسٹریل اسٹیٹ قائم کرنے کے لئے حکومت لینڈ بینک قائم کرے گی جن میں انڈسٹریل گروتھ سنٹر قائم کئے جائیں گے۔ ایچ۔ ایم۔ ٹی۔ زینہ کوٹ کی اراضی کو ریاستی حکومت کو واپس کیا جائے گا تا کہ وہاں ریاست کی صنعتی اکائیوں کو قائم کیا جاسکے۔''

....

''ای گورننس'' کرپشن کے خاتمے کیلئے ایک موثر ہتھیار ہے۔ ہاؤسنگ پاور، ریونیو، پی ایچ ای، ٹرانسپورٹ اور بلدیاتی اِداروں میں ای گورننس کو متعارف کرانے سے عوام کی پریشانیوں اور اِس کے نتیجے میں بدعنوانیوں پر روک لگ سکتی ہے۔ اِس مقصد کے لئے ریاستی انفارمیشن ٹیکنالوجی ڈیپارٹمنٹ کو ہدایات جاری کی جائیں گی کہ وہ شفاف اور معیاد بند اوقات میں خدمات کی فراہمی میں ای گورننس کو یقینی بنائیں۔ اِس اقدام سے مکانات کی تعمیر کے لئے اجازت نامے، ڈرائیونگ لائسنس، آمدنی کی اسناد، سٹیٹ سبجیکٹ اور دیگر دستاویزات میں ممکنہ بدعنوانیوں کا خاتمہ ہوگا۔ اِن محکمہ جات پر زور دیا جائے گا کہ وہ عوام کو ای گورننس کے فوائد سے آگاہ کرانے کے لئے خصوصی سیل قائم کریں۔ آنگن واڑی اور آشا ورکروں کو بھی ای گورننس کی تربیت دی جائے گی تا کہ اِس کی تفصیلات سے زمینی سطح پر لوگوں کو آگاہ کیا جاسکے۔''

....

''آفیسر اپنی کارکردگی اور دیانت داری کی بُنیادوں پر پرکھے جائیں گے۔ ہمارے نظام کی بڑی خامی یہ ہے کہ دستیاب وسائل کا پوری طرح سے استفادہ نہیں کیا جاتا لیکن اِس طریقِ عمل کو فوری طور بدلنے کی ضرورت ہے۔ دیانت داری کا ہونا بہت اچھا ہے، ساتھ ہی قابلیتوں سے کام لینا اور اِس کا فائدہ عوام تک پہنچانا بہت ہی اچھا ہے۔

ضلع ترقیاتی بورڈ ہمارے مِنی سیکریٹریٹ ہیں لیکن انہیں بھرپور استعداد میں استعمال میں لانے کی اشد ضرورت ہے۔ اِن اداروں کے احیائے نو کی

ضرورت ہے جس کا خاکہ شیخ محمد عبداللہ نے پیش کیا جب اُنہوں نے سنگل لائن ایڈمنسٹریشن کا وسیع تر بلیو پرنٹ پیش کیا۔

سری نگر میں ٹریفک مسائل پر قابو پانے کے لئے حکومت سرکیولر روڑ تعمیر کرائے گی اور اِن کی تعمیر کے دوران سری نگر کی ثقافتی اہمیت اور میراث کو زیر نظر رکھا جائے گا۔

بے روزگار ریاست کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ اِس مسئلے کو حل کرنے کے لئے کئی تدابیر حکومت کے زیر غور ہیں جن میں روزگار فراہم کرنے والے اداروں کی طرف سے فاسٹ ٹریک بُنیادوں پر بھرتی ریلیاں، صنعتی اداروں کا پھیلاؤ اور روزگار میلوں کا انعقاد شامل ہے۔

....

ہندوستان اور پاکستان کے مابین کراس ایل۔او۔سی۔ٹریڈ، آپسی مفاہمت اور اعتماد بڑھانے کا بہت بڑا وسیلہ ہے۔ منقسم خاندانوں کے ساتھ ساتھ، عام لوگوں کو بھی اِس آپسی مفاہمت کا فائدہ پہنچنا چاہیئے۔ مختلف سرکاری ایجنسیوں، جن میں مرکزی سرکار کی ایجنسیاں بھی شامل ہیں، سے کہا گیا ہے کہ وہ ایل۔او۔سی۔ پر مسافروں کو درپیش مشکلات دور کرانے کے لئے اقدامات کریں۔ ایل۔او۔سی۔ٹریڈ اور ٹراول کا دائرہ وسیع کرنے کے لئے تمام تر اقدامات کئے جائیں گے۔ جموں و کشمیر، ہندوستان کے مابین مفاہمت اور دوستی کے لئے ایک پُل کا کام کرے گا۔

....

''سڑک رابطہ، صحتِ عامہ کی سہولیات اور تعلیم ریاست کے دور دراز علاقوں تک پہنچانا نہایت ہی اہمیت کے حامل ہیں۔ اِس مقصد کے لئے قائم کئے گئے ڈھانچے کو جدید خطوط پر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ میری حکومت اِس بات کو یقینی بنائے گی کہ ریاست کے عوام کو 2011 کی مردم شماری کے مطابق راشن ملے۔ دور دراز علاقوں میں عوام کی سہولیات کے لئے مختلف شعبہ جات میں تعینات ملازمین کو اِس بات کا پابند بنایا جائے گا کہ وہ اِن علاقوں میں اپنے پیشہ ورانہ فرائض انجام دیں۔

............❁❁............

☆ شیرازہ اردو اور ہمارا ادب میں اشاعت کے لئے ارسال کرنے کے لئے اپنی نِگارشات صاف صاف اور کاغذ کے ایک ہی طرف لکھیں۔ تبدیلی پتہ/ یا فون نمبر بدلنے کی صورت میں ہمیں مطلع کرنا نہ بھولیں۔ (ادارہ)

☆☆☆

"شیرازہ" اُردو
کی بعض اہم خصوصی اشاعتیں

☆ سمپوزیم نمبر
☆ پنڈت جواہر لال نہرو نمبر
☆ مورّخ حسن نمبر
☆ منشی پریم چند نمبر
☆ غالب نمبر
☆ شیخ العالم نمبر
☆ شاہِ ہمدان نمبر
☆ شیرِ کشمیر نمبر
☆ غلام محمد صادق نمبر
☆ نوجوان نمبر
☆ فخرِ کشمیر نمبر
☆ عبدالاحد آزاد نمبر
☆ غلام رسول کامگار نمبر

☆ ثقافت نمبر
☆ محی الدین قادری زور نمبر
☆ محمد الدین فوق نمبر
☆ ڈاکٹر محمد اقبال نمبر
☆ عجائباتِ کشمیر نمبر
☆ لل دید نمبر
☆ صوفیانہ موسیقی اور کشمیر نمبر
☆ سمینار نمبر
☆ افسانہ نمبر
☆ شاعرِ کشمیر مہجور نمبر
☆ مغل اور کشمیر نمبر
☆ جموں و کشمیر میں اردو ادب نمبر
☆ محمد یاسین بیگ نمبر

☆ حکیم منظور نمبر
☆ غلام رسول نازکی نمبر
☆ بخشی غلام محمد نمبر
☆ عمر مجید نمبر
☆ پی۔این۔کے بامزئی نمبر
☆ ہمعصر شعری انتخاب نمبر
☆ محمد یوسف ٹینگ نمبر
☆ فرید پربتی نمبر
☆ ہم عصر افسانہ نمبر
☆ شوریدہ کاشمیری نمبر
☆ مقبول فدا حسنین نمبر
☆ جموں وکشمیر معاصر اردو نظم نمبر
☆ جموں وکشمیر اردو افسانہ نمبر
☆ کانفرنس نمبر
☆ حامدی کاشمیری نمبر
☆ میکش کاشمیری نمبر
☆ شمیم احمد شمیم نمبر
☆ جموں وکشمیر، لداخ نمبر (۱۱ جلدیں)
☆ غلام رسول سنتوش نمبر
☆ عمر مجید نمبر
☆ پشکر ناتھ نمبر
☆ گولڈن جبلی نمبر
☆ میراجی نمبر
☆ جموں وکشمیر میں اردو نثر نمبر
☆ بیگم اختر نمبر
☆ خواجہ ثناء اللہ بٹ نمبر
☆ ہم عصر ناولٹ نمبر

....

شیرازہ کی خصوصی اشاعتیں کتاب گھر، سرینگر/ جموں/ لیہہ سے دستیاب ہوسکتی ہیں۔
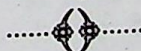
سال نامہ ''ہمارا ادب''
کی بعض خصوصی اشاعتیں

☆...... لوک ادب نمبر
☆...... مشاہیرِ کشمیر نمبر (۲ جلدیں)
☆...... شیرازہ، انتخاب نمبر
☆...... جموں کشمیر نمبر (۵ جلدیں)
☆...... شخصیات نمبر (۵ جلدیں)
☆...... اولیاء نمبر (۵ جلدیں)
☆...... ڈوڈہ نمبر
☆...... مولانا رومی نمبر
☆...... ہمعصر تھیٹر نمبر
☆...... فیض احمد فیض نمبر
☆...... سعادت حسن منٹو نمبر
☆...... تنقید نمبر
☆...... کرشن چندر نمبر
☆...... جموں و کشمیر معاصر نسائی ادب نمبر

ہمارا ادب کی خصوصی اشاعتیں کتاب گھر، سرینگر/جموں/لیہہ سے دستیاب ہو سکتی ہیں۔

جموں اینڈ کشمیر

اکیڈیمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز

کی طرف سے ریاست میں علمی، ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں کا

احاطہ کرنے والا دوماہی خبر نامہ

"ثقافت"

دبیز کاغذ، خوبصورت ڈیزائننگ اور آفسیٹ پرنٹنگ سے آراستہ

۱۲ر صفحات پر مشتمل

نگراں:۔ ڈاکٹر عزیز حاجنی　　مدیر اعلیٰ:۔ محمد اشرف ٹاک

ملنے کا پتہ:

کتاب گھر، سرینگر جموں/لیہہ، لداخ

E-mail: saqafatjkaacl@gmail.com

Cell: 9419465183, 9469264562

☆☆☆
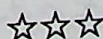
پولیس پبلک میلے کے دوران دستکاریوں میں دلچسپی

مفتی صاحب۔ قریبی ساتھیوں کے ساتھ صلاح ومشورے

وزیراعظم نریندر مودی، مفتی صاحب اور سجاد غنی لون

مفتی محمد سعید۔لیہہ خطے کے دورے کے دوران

مفتی محمد سعید کے ساتھ ظفر اقبال منہاس اور ظہور احمد میر
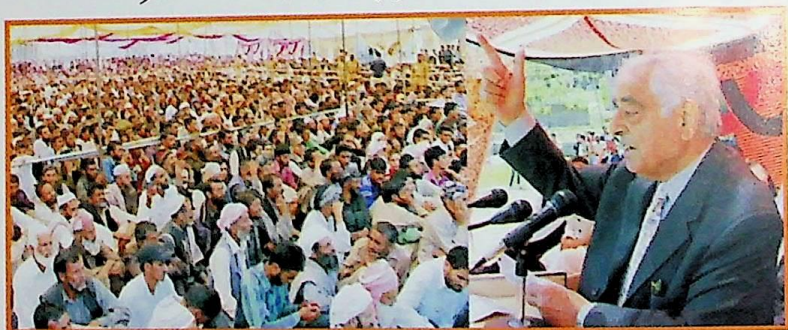
عوام کے جمِ غفیر سے خطاب
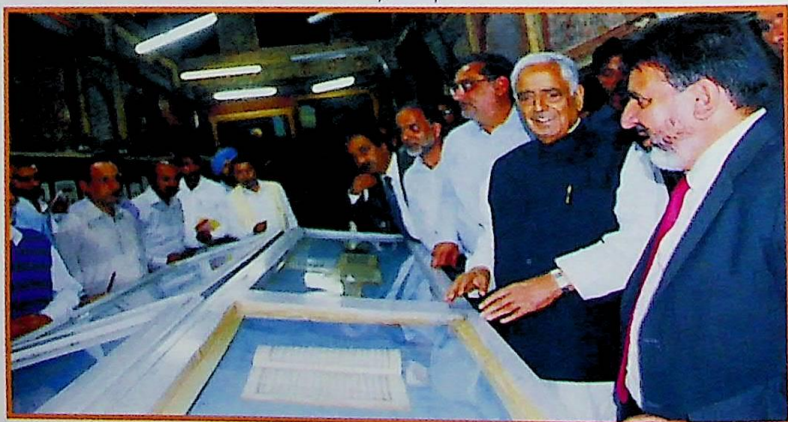
نادر مخطوطات کا معائنہ

مفتی محمد سعید، فلمی اداکار شاہ رُخ خان کے ساتھ
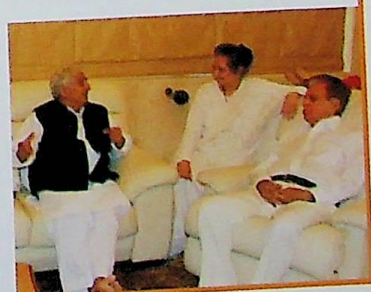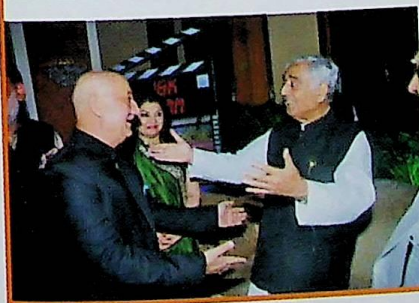
مفتی محمد سعید، فلمی اداکاروں کے ساتھ
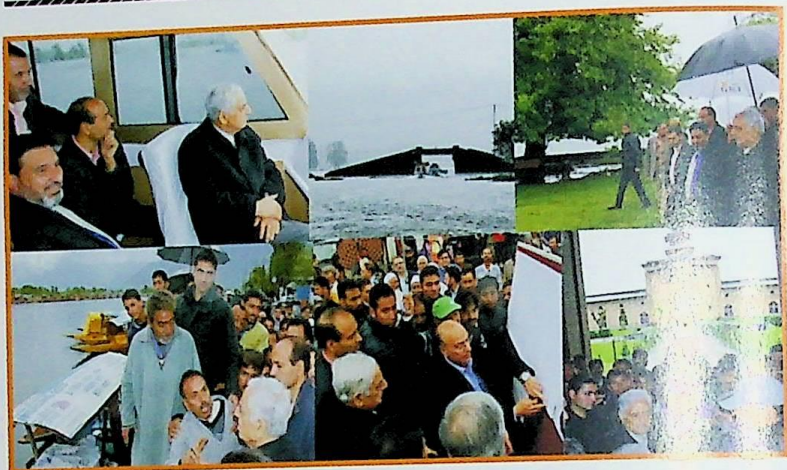
مفتی محمد سعید۔شہرِ خاص کا دورہ

ٹورسٹ کانکلیوؤ سے خطاب
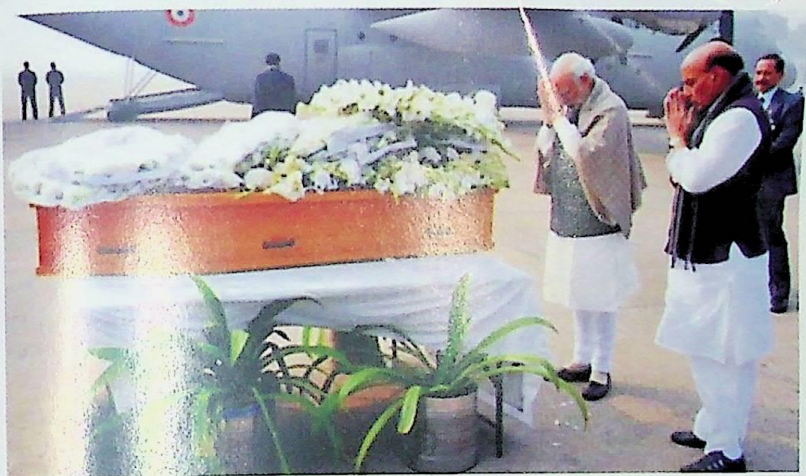
وزیر اعظم نریندر مودی اور وزیر داخلہ راجناتھ سنگھ، مفتی صاحب کے جسدِ خاکی کو وداع کر رہے ہیں
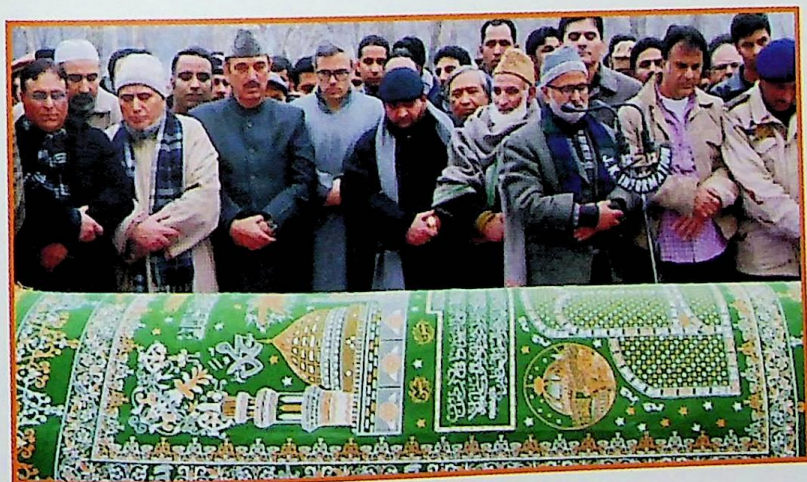
مفتی صاحب کی نماز جنازہ ادا کی جا رہی ہے

مفتی تصدق اور محبوبہ مفتی اپنے والد کی وفات پر نڈھال

مرقد مفتی محمد سعید

ISSN [illegible]

Urdu SHEERAZA

Mufti Mohammad Sayeed Number

Volume: 54 Number: 11-12

Chief Editor
M. Ashraf Tak

Jammu and Kashmir
Academy of Art, Culture & Languages